استعاذہ

اللہ تعالی کے حضور پناہ طلبی

مصنف:
آیت اللہ سید عبد الحسین دستغیب شیرازی

ناشر: سازمان تبلیغات اسلامی روابط بین الملل

یہ کتاب برقی شکل میں نشرہوئی ہے اور شبکہ الامامین الحسنین (علیہما السلام) کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے

نام کتاب: استعاذہ (اللہ تعالی کے حضور پناہ طلبی)

منصنف: شہید محراب حضرت آیت اللہ سید عبد الحسین دستغیب شیرازی

مترجم: سید غضنفر حسین البخاری

تعداد: 5000

طع اول: محرم الحرام 1207 ہجری

ناشر: سازمان تبلیغات اسلامی روابط بین المللی

بسم اللہ الرحمن ارحیم

مقدمہ:

حقیقی پنا صرف وہی دے سکتاہے جو خود نجات یافتہ ہو.

حضرت شہید محراب جناب آیت اللہ دستغیب کی یہ بے مثال تصنیف استعاذہ کے عنوان سے پیش خدمت ہے جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے شیطان لعین کے شر سے خدائے تعالی کے حضورپناہ طلبی اس کا موضوع ہے بے مثال تجرہ علمی اور آیات و اخبارپر کامل دسترس کے بل پر اہل بیت اطہار(ع) کی روایات صحیحہ کے حوالوں سے آپ نے صرف اسی ایک موضوع پر پینتیس مجالس ارشاد فرمائی ہیں استعاذہ کی حقیقت و اہمیت اس کے معنی و مفہوم اور اس کے ارکان پنجگانہ تقوی،تذکر،توکل، اخلاص اور تضرع پر اپ کے یہ ایمان افروز خطبات بڑے دلچسپ اور فکر انگیزہیں اور بہت سے بصیرت افروز اور روشن نکات کے حامل ہیں استدلال میں آپ نے آیات و اخبار و حکایات سے بکمال خوابی و خوش اسلوبی استفادہ کیا ہے اور حقائق کو بڑی سلیس اور سادہ زبان میں‌پوری تفصیل سے ایسے انداز میں.بیان فرمایا ہے کہ ہر ذہن بآسانی سمجھ لے.

لیکن جو حقیقت خاص طورپر قابل توجہ اور غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ آپ کس طرح اور کیونکر اپنی زندگی میں اس قدر مرجع خلائق تھے کہ بوقت شہادت بھی اور اس کے بعد بھی دنیاآپ کے لئے سوگ نشین ہوئی اور سب نے آپ کے فراق میں نوحہ خوانی- اور آپ کی عظیم تصنیفات کو پھول کی پتیوں کی صورت خریدا اور دوسروں کو ہدیہ کیا.در اصل آپ خود صحیح معنوں میں استعاذہ پر عمل پیرا تھے عمر بھر آپ نے نفس امارہ اور ہوائے نفسانی کے خلاف مجاہدہ کیا اور ملکات فاضلہ کے حصول کے لئے جدوجہد کی، شیطان ملعون کے ساتھ طولانی جہاد میں مصروف رہے اور بالاآخر اس پر فتحیاب ہوئےیہی وجہ ہے کہ آپ نہایت ہی دل نشین اور موثرانداز میں شیطان خبیث کی شناخت کرواتے ہیں اور انسان کو اس کے دام تزویر سے رہائی پانے کی کامیاب تدابی راو خود کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعال کی پناہ طلب کرنے کے مفصل طرق و اطوار بتاتے ہیں یہ کتاب اس مقدس بزرگ کے متبرک ترین آثار میں سے ہے جسے خاص و عام نے متعدد جریدوں اور مجلوں میں بے دریغ خراج عقیدت پیش کیا ہے اس کتاب کے مضامیں فکر انگیز روایات اور دلکش حکایات سے مزین و مرضع میں.ان کی وجہ سے قاری کو تھکن کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اس کے انہماک و اشتیاق میں اضافہ ہوجاتاہے.

مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ جب ایک فلم بردار اپ کی کسی کتاب کے آفسٹ کے لئے اس کی فلم بنانے لگا تو اس کے مطالعہ میں کھوگیا خود اس کا بیان ہے کہ: مطالعےکۓ دوران دفعتاً مجھے احساس ہوا کہ سٹڈیو بند کرنے کا وقت ہوگیا ہے درآنحالیکہ میں نے

ایک صفحے کی بھی فلم نہیں لی تھی. اس کے بعد بھی کبھی دوران فلم بندی میری نظر کسی مضمون پر پڑ گئی تو وہیں تک گئی اور پھر مجھے احساس نہ رہا کہ میںّن کتنی دیر اس کے مطالعے میں محو رہا.

اے ت رب غفار! ان کی روح کو اپنی رحمت کے سایہ میں رکھ اور ان کے نواسہ عزیز کی روح کو ان کے جملہ شہید رفقاء کے ساتھ غریق رحمت فرما-

1360/5 شمسی ہجری

مطابق 198/2/24 میلادی

سید محمد ہاشم دستغیب

مجلس 1

(بسم الله الرحمن الر حیم.وَ قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزاتِ الشَّياطِينِ. وَ أَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ)-(98/23)

قرآن و اخبار میں استعاذہ کی اہمیت:

قرآن مجید اور اخبار اہل بیت رسول(ص) میں موضوع پر سب سے زیادہ توجہ دی گئی ہے وہ استعاہ ہے یعنی شیطان لعین کے شرسے اللہ تعالی کے حضور پرپناہ طلبی جو اعوذباللہ من الشطیطان الرجیم کے مقدس الفاظ سے کی جاتی ہے لیکن یہ نہایت ضوری ہے کہ قلب انسان ہمیں سچی کیفیت اس کے لئے پیدا ہوتا کہ اسے صحیح معنوں میں استعاذہ کہا جاسکے.

استعاذہ کی اہمیت واضح کرنے کے لئے اللہ تعالی نے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

" (فَإِذا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطانِ الرَّجِيم)"

(پس حب تو قرآن پاک کی تلاوت شروع کرلے تو شیطان مردود سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرے)

نماز میں تکبیرۃ الاحرام کے بعد بھی استعاذہ کا حکم وارد ہوا ہے لیکن وہاں اسے آہستہ پڑھنا چاہئے مفسرین کرام نے آہستہ خوانی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ پناہ طلب اس شخص کی مانند ہے جو موقعہ سے فرار کرکے خود کو پوشیدہ رکھنا چاہتاہے، اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ اسے پناہ طلب !تو اپنے عدوئے مبین سے حالت فرار میں ہے جوکہ ہ رلحظ تیری گھات میں ہے پس اپنے آپ کو حتی الامکان اس سے پوشیدہ رکھ کر آآہستگی سے عظیم پناہ کا دروازہ کھٹکھٹا.

عبادت کی ابتدا میں استعاذہ:

استعاذہ کا ایک نہایت ضروی وقت عبادت کی ابتداء کا ہے.انسان جو بھی عبادت کرے اس پر لازم ہے کہ شیطان سے اللہ تعالی کی پناہ مانگ لے کیونکہ جوجنس بشر کے ہر فرد کو گمراہ کرنے کے لئے ہر3وقت گھات میں ہے.انتہائ کوشش ہوتی ہے کہ انسان کے عمل خی رکو برباد کرے اوریا تو اسے پوراہی نہ ہونے دے کہ وہ اس کے ثواب سے محروم رہے اوریا کم ازکم عبادت کے بارے میں اسے ریاء وغرور میں بتلا کردے.

مثلاًآپ نے چاہا کہ وضو کریں تو آپ پر لازم ہے کہ پہلے استعاذہ کریں، ابلیس لعین سے خدا کی پناہت مانگیں. اس کے بعد وضو کریں آپ نے بارہا دیکھا ہے کہ یہی وضو شیطان کی بازی گاہ بن گیا کیونکہ بعض اوقات ان وسوسوں کی وجہ سے جو وہ انسان کے دل میں ڈالتاہے، ساری کی ساری عبادت اکارت ہوجاتی ہے اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے.

غرضیکہ استعاذہ امور عبادی میں سے ہے جنہیں صحیح معنوں میں اور کماحقہ بجالانے کے لئے ضروری ہے کہ شیطان ملعون کے شراور اس کے عمل دخل سے اللہ تعال کی پناہ حاصل کرلی جائے.

مباح امور میں استعاذہ کی تاکید:

مباح امور مثلاً کھانے پینے اورپہنے وغیرہ میں بھی استعاذہ کا حکم ہے اور ہر عمل کے لئے مخصوص دعائیں منقول ہیں مثلاً لباس پوشی کے وقت کہے:

"اللَّهُم اسْتُرْ عَوْرَتِي وَ لَا تَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ فِيهِ نَصِيبا"

(خداوند میری جائے ستر کوپوشیدہ رکھ اور اسے شیطان کے عمل دخل سے محفوظ فرما)

ہر پست و ذلیل اور ہر بلند و عزیز مقام پر شیطان سے پناہ مانگنی چاہئے اگر مسجد میں جائیں تو استعاذہ کریں کہ مبادا یہ دشمن عنید و ہاں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑے حتی کہ یہ بیت الخلال جاتے وقت بھی استعاذہ کی تاکید وارد ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں،

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخَبِيثِ الْمُخْبِثِ الرِّجْسِ النِّجْسِ الشَّيْطَانِ الرَّجِيم"

(پروردگار میں شیطان خبیث و خباثت کار نجس و پلید سے آپ پناخ مانگتا ہوں)

شیطان مسجد کے دوازے پر:

ایک متقی شخص کا بیان ہے: میں نے مکاشفہ میں شیطان لعین کو مسجد کے دروازے پر کھڑاپایا میں مے اس سے کہا: اے ملعون ازل یتویہاں کیا کررہاہے؟ اس نے جواب دیا: میرے ساتھی ادھرادھر ہوگئے ہیں، ان کا انتظار کرتا ہوں.

میں سمجھ گیا کہ صاحبان عقل و شعور ہوں گے کہ یہ ملعون کے ساتھ نہیں جاسکا. اور اتنی احتیاط انہوں نے ضرور کی ہوگی اور مسجدپر استعاذہ کیا ہوگا.

گھرسے نکلتے وقت استعاذہ:

پس استعاذہ ہر حال میں لازم ہے جب آپ گھر سے باہر جارہے ہوں تو شیاطین دروازے پر آپ کے منتظر ہوتے ہیں اس وقت آپ استعاذہ کیجئے اور یہ دعائے ماثور پڑھئے:

"بِسْمِ اللَّهِ آمَنْتُ بِاللَّهِ وَ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ"

(اللہ تعال کے نام سے اور اسی کی توفیق سے میں اپنے کام سے جارہاہوں میرا اس ذات اقدس پر ایمان ہے اور اسی پر بڑ توکل ہے اور کوئی بھی طاقت وقوت اس ذات بزرگ و برتر کے سوا (امور کائنات کی مدبر و مدیر نہیں.)

کلام پاک میں تاکیداً ارشا ہوا ہے:

إِنَّهُ يَراكُمْ هُوَ وَ قَبيلُهُ مِنْ حَيْثُ لا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّياطينَ أَوْلِياءَ لِلَّذينَ لا يُؤْمِنُونَ

(شیطان اور اس کے قبیلہ والے تمہیں دیکھ رہے ہیں اس طرح کہ تم انہیں نہیں دیکھ رہے ہو بیشک ہم نے شیاطین کو بے ایمان انسانوں کا دوست بنادیا ہے).

شیطان ملعون سے صرف ایک چیز اپ کو بچاسکتی ہے اور وہ استعاذہ ہے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے علاوہ اس سے محفوظ رہنے کی اور کوئی راہ نہیں.

اس شخص کی طرح جو کسی بڑے آدمی کے خیمہ پر آنا چاہ رہاہوں جس کے دروازے پر ایک خونخوار کتا بیٹھا ہے جو آپ کو اندر نہیں جانے دے رہا آپ کا فرض ہے کہ صاحب خیمہ سے پاناہ طلب کریں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضرہونا چاہتاہوں براہ کرم اس جان لیوا رکاوٹ کو دور فرمائیے۔یہ بہر حال ایک مثال تھی جو بیان کی گئی۔

پیغمبر اکرم ﷺ کو استعاذہ کا حکم:

انسان تو بھی چاہتاہے کہ بارگاہ قدس تک رسائی حاصل کرلے درآنحالیکہ شیطان کی ہر ممکن کوشش یہ ہے کہ توہاں تک پہنچنے پائے وہ تیرے کام میں اس قدر خرابی اور رکاوٹ ڈالتاہے کہ تیرے لئے اپنی منزل مقصودتک رسائی محال ہوجاتی ہے اس صورت سے نجات کی واحد صورت خداسے استعاذہ ہے.

اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو حکم دیا:

(وَ قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزاتِ الشَّياطينِ. وَ أَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ) اورکہئے اے حبیب: ﷺ :"اے اللہ میں شیطانوں کے وسوسوں اور قلب وروح پر ان کے دور و تسلط سے تیری پنان طلب کرتاہوں"۔

اسی طرح سورۂ معوذتین میں (قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ، مَلِكِ النَّاسِ ، إِلهِ النَّاسِ ، مِنْ شَرِّ الْوَسْواسِ الْخَنَّاسِ ،الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ، مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ) فرمایاہے۔

پس جب دشمن اس قدرجری اور قوی ہو تو آپ کو اور مجھے آرام نہیں کرنا چاہیئے اور اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اپنے تمام قویٰ کو مجتمع کرے اس سے بچنے کی تدبیر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہ کر کرنی چاہیئے ورنہ دفعتاً آپ محسوس کریں گے کہ جس آستانہ پر آپ مدتوں سراطاعت وعقیدت خم کئے پڑے رہے وہ تو شیطان کا ہے جسے آپ نادانی اور بخیبری سے اللہ کا سمجھتے رہے اس

مدت میں آپ پکارتے تو آپ خدا کو تھے لیکن دراصل مخاطب آپ کا شیطان تھا منہ سے تو آپ یا اللہ کہتے تھے لیکن اطاعت آپ کی شیطان کی تھی۔

پوری عمر شیطان کی تھی:

منتخب التواریخ میں ایک حکایت نقل کی گئی ہے، میرے استاد مرحوم سید علی الحائری نے اپنے ایک درس می فرمایا: "اصفہان کے کس گاؤں میں ایک مریض حالت نزع میں تھا گاؤں کے زاہد عالم سے درخواست کی گئی کہ اس کے سراہانے آکر تلقین کریں تلقین کے دروان جب وہ مریض "لاالہ الااللہ" کہہ کر خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دیتا تھا تو کمرے کے گوشے میں آواز آتی تھی، "صدقت عبدی" میرے بندے تو نے سچ کہا، اور جب وہ یا اللہ کہتا تو کونے سے آواز آتی "لبیک عبدی" میرے بندے میں حاضر ہوں۔ عالم نے پوچھا: "اے صاحب آواز تو کون ہے؟ تو جواب میں آواز بولی:

"میں اس کا معبود ہوں جس کی اس نے ساری عمر پرستش کی ہے میں شیطان ہوں"۔

جی ہاں حقیقت یہی ہے کہ اس کا معبود شیطان ہی تھا جس کی ہر صدا پر اس نے لبیک کہا صبح وشام اسی کے حکم پر ناچتا رہا زبان اس کی اسی کی تلقین سے گویا تھی آنکھ اس کی اسی کے ارادے سے دیکھتی تھی اور دل اس کا اسی کی خواہش پر عمل پیرا تھا ساری عمر جب وہ اسی حالت میں رہا تو اب وہ "یارب" کہے یا "یاابلیس" مخاطب اور مجیب اس کا شیطان ہی ہوگا اور اگر دم نزع پر پردہ اٹھ بھی گیا تو سوائے حسرت وحرمان کے کیا حاصل ہوسکتا ہے اور افسوس و ندامت کا کیا فائدہ ہے،!۔

اہل ایمان کوشش کیجئے کی استعاذہ پر عمل پیرا ہیں دشمن کو کمزور، اور اس کے کام کو معمولی نہ سمجھئے یہ خیال نہ کیجئے کہ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کے الفاظ ادا کردینا کافی ہے یاد رکھئے کہ جب تک آپ ان کلمات کی حقیقت پر عمل پیرا نہیں ہوں گے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

حکومت۔ نامحرموں سے خلوت۔ غصہ:

روایات اہل بیت علیہم السلام میں چند مواقع پر استعاذہ کی خصوصی تاکید وارد ہوئی ہے:

1- قضاوت: قاضی کے لئے فریادرسی اور انصاف کے نازک موقعہ پر استعاذہ کے بغیر چارہ نہیں۔

2- خلوت یا نامحرم: پرائی عورت کے ساتھ خلوت اتنا نازک اور خطرناک موعقہ ہوتا ہے کہ شیطان خواہ مخواہ سلط ہوجاتا ہے اور ایسے انداز میں ظاہر ہوکر وسوسہ انداز ہوتا ہے کہ انسان چاہ ہلاکت میں گرجاتا ہے۔

3- قضاوت اور خلوت یانامحرم تو اتفاق کی بات ہے لیکن غیظ و غضب کی حالت انسان کے لئے سخت ابتلاء کا وقت ہوتا ہے جب انسان غضبناک ہوتاہے تو اس کے خون میں جوش آتاہے اور شیطان پوری قوت سے اس پر سوار ہوجاتاہے۔

چونکہ شیطان اپنی خلقت کے اعتبار سے آتشی اور لطیف ہے لہذا بجلی کی سی قوت و سرعت سے انسان میں نفوذ کرجاتاہے۔

آپ اسی مثال سے جوشیطان نے حضرت نوح علیہ السلام سے بیان کی، حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے شیطان کے الفاظ یہ ہیں: غیظ وغضب کے وقت انسان کی میرے ہاتھ وہ حالت ہوتی ہے جو بچے کے ہاتھ میں گیند کی ہوتی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ بچہ گیند کو جس طرح چاہیئے ،جس طرف چاہیئے بآسانی پھینکتاہے اسی طرح شیطان بھی انسان پر غیظ و غضب کے عالم میں ایسا مسلط ہوجاتاہے کہ اس سے ہرحرام کام کرواتاہے اور تعجب نہیں اگر اس کے زیر اثر انسان سے کفر بھی سرزدہوجائے ۔اس خطرناک صورت احوال سے صرف وہ خوش قسمت افراد بچ سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی نظر خاص ہو۔

مجلس 2

(بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحيم،وَ قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزاتِ الشَّياطِينِ. وَ أَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ)(23؛98)

شب گذشتہ کی گذارشات کا خلاصہ یہ ہوا کہ مومنین کو چاہیئے کہ مسئلہ استعاذہ کو اہمیت دیں اور نص قرآنی کے مطابق ہر حال میں شیطان کے شرے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں کیونکہ انہوں نے نہ کبھی انسان کو اس کے اپنے حال پر آزاد چھوڑا ہے اور نہ کبھی چھوڑیں گے ان کی انتہائی کوشش یہی ہوتی ہے کہ انسان سے فعل خیر سرزد نہ ہو اور اگر کبھی وہ اس کی کوشش کرے تو اسے ناکام بندیں اور اسے خراب کرکے تکمیل تک نہ پہنچنے دیں۔

بعض مواقع پر ان کی یہ کوشش بہت ہی سخت ہوتی ہے اور بالخصوص تین مواقع ،قضاوت ، خلوت بانامحرم اور غیظ وغضب پر تو،جیسا کہ شب گذشتہ مثالوں سے واضح کیاگیا،وہ ہر ممکن طریق سے انسان کوتباہ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

دام شیطان:

آج رات تین مزید اعمال خیر،عہد،نذر اور صدقہ کا ذکرکیاجائے گا جن کی انجام دہی میں شیطان فریب واغوا کی پوری توانائیوں کے ساتھ رخنہ انداز ہوتاہے۔

اگرکوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کسی عمل کے کرنے یا اسے ترک کردینے کاعہد کرے یا ایسی نزر مانے جوفقہی اعتبار سے کتب اعمال میں مذکور شرائط صحت پوری اترتی ہوتو شیطان ہر ممکن طریقے سے اسے بار رکھنے کی سعی کرتاہے اور اس کی شکست کے لئے سرتوڑکوشش کرتاہے۔

اسی طرح جب کوئی راہ خدامیں صدقہ دینا چاہتاہے توشیطان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ صدقہ نہ دے سکے کیونکہ مومن کے صدقہ دینے سے شیطان کی کرتوت جاتی ہے چنانچہ اخبار میں آیاہے کہ جونہی کوئی مومن صدقہ دینے کے ارادے سے اپناہاتھ جیب کی طرف لے جاتاہے تو شیطان ستر70 چلیے اس کے ہاتھ سے چمٹ جاتے ہیں اور ہر ممکن وسوسہ سے اسے بازرکھنے کی کوشش کرتے ہیں کبھی وہ جب تنبیہ خداوندی (الشَّيْطانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشاءِ) شیطان تمہیں غریبی اور مفلس سے ڈراتاہے اور فواہش کے ارتکاب پر اکساتاہے۔

آپ کو اس بات سے ڈرائیں گے کہ صدقہ کی یہ رقم دے دینے کے بعد آپ مفلس ومحتاج ہوجائیں گے اور رکبھی یہ وسوسہ آپ کے دل میں ڈرالےگاکہ اس کے بعد اگر کوئی ضروری ترموقعہ خرچ کرنے کا آگیاتو آپ پیسے کہاں سے لاائیں گے لہذا اس صدقہ سے بازرہے غرضیکہ اس کی انتہائی کوشش یہ ہوگی کہ آپ راہ خدامیں کوئی پیسہ خرخ نہ کریں۔

صدقہ کرکے اسے جتاؤ نہیں:

اور اگر آپ نے صدقہ دے ہی دیا تو اب شیطان کی ہر ممکن کوشش یہ ہوگی اس کو کسی نہ کسی طرح سے باطل کردے اور اس کا ثواب آپ کو نہ مل سکے چنانچہ آپ کو احسان جتانے پر اکسائے گا مثلاً آپ کے دل میں ڈالے گا کہ آپ صدقہ کرنے والے سے کہیں: "یہ میں ہی تھا جس نے رحم کھا کر اس آڑے وقت میں تمہاری مدد کردی ورنہ کوئی دوسرا تمہاری دستگیری نہ کرتا" اور آپ ی زبان سے کہلوا کر صدقہ وصولت کرنے والے کو ذہنی اذیت دلائی کہ اب تو یہ لے لو لیکن آئندہ کے لئے اس کامت سے باز آو... اور دوبارہ میرے پاس نہ آنا وغیرہ۔

چنانچہ کلام پاک میں واضح ارشاد ہے کہ (لا تُبْطِلُوا صَدَقاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْأَذى) اپنے صدقہ کو احسان جتا کر اور ذہنی اذیت دیکر باطل نہ کرو۔

بہرحال چونکہ آپ کا دشمن ازلی شیطان یہی چاہے گا کہ آپ کا کارِ خیر بے اثر ہوجائے لہذا آپ کو بھی اس کی منحوس کوشش کو باطل کرنے کی سعی بلیغ کرنی چاہیئے۔

شیطان کی نظر دل پر ہے:

سب تفاسیر میں خصوصاً مجمع البیان میں نبی ﷺ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ شیطان ہمیشہ مومن کے دل پر نظر رکھتا ہے اور جب اسے عبادت خدا میں مصروف پاتا ہے تو فرار کرجاتا ہے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: " اِن الشَّیطان واضع خطمہ علی قلب ابن آدم. فإذا ذکر اللہ خنس، و إذا نسی التقم قلبہ، فذلک الوسواس الخناس". شیطان نے انسان کے دل پر نکیل ڈالی ہوئی ہے لیکن جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان وہاں سے کھسک جاتا ہے لیکن جب انسان اللہ کا ذکر بھلا دیتا ہے توت شیطان اس کے دل کو نگل لیتا ہے۔

"ان الشیطان یلتقم الی قلب المومن فاذا ذکر اللہ هرب" شیطان مومن کے دل کو نگل لینے کا ارادہ کرتا ہے لیکن جب مومن اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔

غرضیکہ شیطان آخردم تک انسان کا پچھا نہیں چھوڑتا اس موضوع کو کلام پاک نے بھی بڑی اہمیت دی ہے اور انسان سے عہدلیا ہے کہ وہ شیطان کی پیروی سے بازرہے گا اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں شیطان کو انسان کا کھلا دشمن قرار دیا ہے کلام پاک میں ارشاد ہے: (أَ لَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يا بَنِي آدَمَ أَنْ لا تَعْبُدُوا الشَّيْطانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ) اے اولاد آدم کیا ہم نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لیا تھا کہ خبردار شیطان کی عبادت نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے ازلی دشمن کی دوستی سے منع فرمایا ہے اور اس کی پیروی کے خلاف اسے خبردار کیا ہے۔

شیطان کیا ہے وہ کیوں پیدا کیا گا:؟

دو موضوع ہمیشہ سے مورد بحث چلے آئے ہیں ایک یہ کہ شیطان کون ہے اور کیا ہے اور اس کی خلقت میں کیا حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے ہتھکنڈوں اور وسوسوں سے بچنے کی کیا صورت ہے۔ یہ دونوں بحثیں تفصیل طلب ہیں اور ان کے جو علمی جواب دئے گئے ہیں وہ عوام کے لئے مفید نہیں ہیں اور چونکہ تفصیل ان کی کچھ مفید نہیں لہذا مختصراًان کے جواب دے جاتے ہیں۔

شیطان شناسی کا کیا فائدہ ہے:

محققین کے بقول اگر کسی سچے مخبر نے آپ کو خبر دی کہ آج رات مسلح چوروں کا ایک گروہ آپ کے گھر میں نقب لگائے گا آپ کے گھر ویران کردے گا۔آپ کا مال و دولت لوٹ لے گا اور آپ اور آپ کے اہل خاندان کو ہلاک کرے گا تو اگر آپ صاحب عقل وشعور ہوں گے تو اپنے کچھ حامی تلاش کریں گے دروازوں کو مضبوط و مستحکم کریں گےْ جن راہوں سے ان چوروں کے آنے کا اندشیہ ہو ان میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے اور موچہ بندی کریں گے لیکن بصورت دیگر آپ صرف یہی پوچھنے پر اکتفاء کریں گے کہ یہ چور کون ہیں کہاں کے رہنے والے ہیں کیسا لباس پہنتے ہیں بوڑھے ہیں یا جوان ان کی نفری کتنی ہے وہ کُرہیں یا ترک۔۔۔؟ تو جب تک آپ کی یہ تحقیقا مکمل ہوگی، وہ لوگ اپنا کام کرچکے ہونگے۔جو چیز آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ شیطان سے بچنے کی راہ تلاش کریں اب اس کی خلقت کی کیفیت کیا ہے اور اس کی وسوسہ اندازی کے انداز و اطوار کیا ہیں یا اس کی خلقت کی حکمت و مصلحت کیا ہے، ان باتوں سے آپ کو کیا مطلب ہے؟ آپ پر صرف یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس سے بہر صورت بچیں۔

اور اب جبکہ مخبر صادق نے خبر دے دی ہے کہ آپ کا دشمن ازلی دشمن شیطان آپ کی گھات میں ہے آپ کو چاہیئے کہ بے فائدہ باتوں میں وقت ضائع نہ کریں اور راس سے نجات کا کوئی حیلہ تلاش کریں لیکن چونکہ اس قسم کے سوالات عموما ہوتے رہتے ہیں، ان کا جواب مختصراًپیش خدمت ہے۔

شیطان آگ سے خلق ہوا ہے اور لطیف مخلوق ہے:

انسان اگرچہ چار عناصر ،آگ،پانی، مٹی،ہوا سے خلق کیا گیا ہے لیکن اس کا خاکی جنبہ دوسرے تین جنبوں سے مقدار میں زیادہ اور ماہیت میں قوی تر ہے اس لئے ثقل رکھتا ہے اور وزن دار ہے اور اسی وجہ سے اس کے ادارکات اور قوت عمل بہت محدود ہے۔

اس کے برعکس شیطان کی خلقت میں آگ اور ہوا کا عنصر غالب ہے اس لئے اس کی ساخت بہت لطیف او ردائرہ تصرف اس کا بہت وسیع ہے۔

انسان خود کو بڑی طاقت اور قدرت ولا سمجھتا ہے لیکن شیطان کو ایسی قدرت حاصل ہے کہ مثلاً وہ اپنے بدن کو اتنا چھوٹا کرسکتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے سوراخ میں داخل ہوسکیں یا اتنا بڑا بنا سکتے ہیں کہ وسیع جگہ پر محیط ہوجائیں وہ فاصلے جن کو انسان ایک ماہ میں بمشکل طے کرسکتا ہے وہ ایک لحظ میں طے کرلیتے ہیں اور جن چیزوں کے اٹھآنے پر انسان ہرگز قادر نہیں ہوسکتا وہ بآسانی اٹھالیتے ہیں۔

سورہ نمل میں اللہ تعالیٰ نے قصہ سلیمان اور تخت بلقیس کے ضمن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے: (قالَ عِفْريتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقامِكَ وَ إِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمين) تو جنات میں سے ایک دیو نے کہا کہ میں اتنی جلدی لے آؤں گا کہ آپ اپنی جگہ سے بھی نہ اٹھیں گے میں بڑا صاحبِ قوت اور ذمہ دار ہوں۔

شیطان آپ کو دیکھتا ہے:

پس یہ اغراض کہ اگر شیطان موجود ہے تو ہم اس کو کیوں نہیں دیکھ سکتے بے جا ہے، آپ کی آنکھ صرف کثیف جسم کو دیکھ سکتی ہے، لطیف چیز کو نہیں آپ ہوا کو نہیں دیکھ سکتے، اس کی لہروں کو نہیں دیکھ سکتے کیونکہ وہ لطیف ہیں آپ کی آنکھ خاکی ہے او رصرف مجسم اشیاء ہی کو دیکھ سکتی ہے اسی لے کلام پاک میں ارشاد خداوندی ہے: (إِنَّهُ يَراكُمْ هُوَ وَ قَبيلُهُ مِنْ حَيْثُ لا تَرَوْنَهُم) وہ اور اس کے قبیلہ والے تمہیں دیکھ رہے ہیں اس طرح کہ تم انہیں نہیں دیکھ رہے۔

ہاں بعض اوقات شیاطین اپنے آپ کو مجسم بھی کرسکتے ہیں جن کی وجہ سے انسان انہیں دیکھ سکتا ہے چنانچہ بہت سے انبیاء مثلاً حضرت نوح علیہ السلام ، حضرت یحیی علیہ السلام اور جناب خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعض دوسرے صالح بندوں نے شیطان کو دیکھا ہے اور اب بھی دیکھتے ہیں۔

شیطان کی خلقت اور انسان کی سعادت:

جہاں تک اس کی خلقت کی حکمت کا تعلق ہے خالق علیم و حکیم جس چیز کی بھی تخلیق کا ارادہ فرمائے، درست ہے چنانچہ اس میں وہی حکمت کار فرما ہے جو تخلیق بنی آدم اور حیوانات میں کار فرما ہے خواہ ہم اس کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

شیطان کی تخلیق میں بھی بڑی حکمت ہے لیکن اس کی تفصیل بہت علمی اور طولانی ہے او رعوام کو سمجھنے کی نہیں، جو کچھ امکانی طور پر بیان کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ:

تخلیق شیاطین کی حکمت و مصلحت اتنی ہی کافی ہے کہ انسان کی سعادت بھی ظاہر ہوسکے اور اس کی بد بختی بھی آشکار ہو سکے اور اس کے داخل بہشت ہونے یا واصل جہنم ہونے کا استحقاق بھی واضح ہو سکے.

خدانے حکم دیا صدقہ دو، شیطان کہتا ہے نہ دو اگر دو گے تو تمہارا مال کم ہوجائے گا اگر آپ صاحب عقل ورشد ہیں اور صاحب ایمان وعزم ہیں تو اس منہ پر تھوکیں گے کہ ملعون !اللہ تعالی تو فرماتا ہے صدقہ دو،مال میں برکت کا باعث ہے، تمہارے مال میں واقع ہونے والی کمی کو ہم پورا کریں گے (وَ ما أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَ هُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ) اور تم جو کچھ خرچ کروگے ہم پوارا فرمائیں گے ہم (خَيْرُ الرَّازِقِينَ) ہیں.!

اگر آپ عزم واستقلا میں پہاڑ کی طرح مستحکم ہوں گے تو عقل ورشد آپ اس مقام پر ثابت ہوجائے گا لیکن اگر خدانخواستہ کم عقل وضعیف العزم ہوں گے تو ایک ہی شیطان وسوسہ آپ کے قدم اکھیڑدے گا.

یہ شیاطین کی تخلیق کی برکت ہی ہے کہ اس سے سعادتمندوں کی سعادت اور اصحاب عقل وتمیز کی معقولیت نکھر کر سامنے آتی ہے.

شیاطین کی تخلیق کا مقصد انسان کی آزمائش ہے:

ہم سب خداوآخرت کا ذکر کرتے ہیں لیکن ہم دل سے ان پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں یہ صرف شیاطین ہی ہیں جہن کے ذریعے ہمارے جھوٹ کی ہمارے سچ سے تمیز ہو سکتی ہے.

اگر آپ اللہ کا نام پورے ایمان سے لیتے ہیں تو پھر اس کے وعدے پر کیوں ایمان نہیں رکھتے، اگر خدانخواستہ آپ نے شیطان کے وسوسے کو قبول کرلیا تو آپ صرف زبان کے مومن ٹھہرے اگر آپ واقعی بہشت پر ایمان رکھتے ہیں تو اس کو خرید اور اس کے اہل بننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اور جہنم سے بچنے کی تدبیر کیوں نہیں کرتے.

(وَ ما كانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطانٍ إِلاَّ لِنَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْها في‏ شَكٍّ) اور شیطان کو ان پر اختیار حاصل نہ ہوتا مگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کی طرف سے شک میں بتلا ہے.

آپ دیکھتے ہیں کہ فلاں خاتون دیندار کی مدعی ہے ایک شیطان بصورت انسان اس تک پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ:وہ آپ بھی خرافاتی اور دقیانوسی ہوگئی ہیں کہ اتنی بڑی چادر سرپر اوڑھ رکھی ہے؛اورجب آپ دوسری بار اسے دیکھیں گے تو مردوں سے کچھ مختلف نظر نہ آئے گی شیطان کے اسی قسم کے وسوسوں اور تمسخر سے انسان گمراہ ہوجاتا ہے.

یقیناً شیاطین کی خلیق کا مقصدیہی ہے کہ معلوم ہوجائے کہ کون صاحب عزم واستقامت ہے اور کون نہیں اس کی تخلق کی سب سے بڑی حکمت مومن وفاجر کی تمیز ہے.

اللہ کا وعدہ اور شیطان کا وعدہ:

انسان کیونکہ شیطان کے وعدے کو اہمیت دیتا ہے اس کی اسی قسم کی وسوسہ اندازی کی وجہ سے کہ خدا کی راہ میں خرچ نہ کر وغریب ہوجاؤں گے اور اگر اس ضروری ترموقعہ خرچ کرنے کا پیش آیا تو کیا کروگے؟

لیکن خدا کے وعدے کو انسان ایک غیر محسوس وعدہ سمجھتا ہے کہ خدا کی راہ میں ایک روپے تک خرچ نہیں کرتا لیکن شیطان کی خدمت میں اس کی طرف سے اپنی معمولی سی مدح ثنا پر اور اخبارات یا ریڈیو پر اپنا نام سن کر ہزاورن روپیہ ہدیہ کردیتا ہے.

خدا کے ساتھ معاملے میں تو جب وہ فرماتا ہے کہ اپنے غریب ہمسائے کے ساتھ اپنے مفلس رشتہ دار کے ساتھ نیکی کرو ارو اس کی مالی مددکرو، ہم کہتے ہیں کہ ہماری مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی ، لیکن اگر معاملہ شیطان کے ساتھ ہو اور خالص دنیاوی ہو تو کس طرح دوسروں سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں.

صدائے رحمانی اور صدائے شیطانی:

شیطان انسا ن کے امتحان کے لئے خلق فرمایا گیا ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے وہ سینما بھی کھولتا ہے اور انسانی شیطانوں کی تربیت بھی کرتا ہے اور اس طرح وہ اس حیوان دوپایہ کو اپنے دام فریب میں پھنساتا ہے.

کیا سینما کے برابر میں مغرف کے وقت اللہ تعالیٰ کا وعدہ بخشش "حی علیٰ الفلاح" کے الفاظ میں بلند نہیں ہورہا؟

یہ دونوں منظر ساتھ ساتھ ہونے ہی چاہتیں تاکہ "لیمیز اللہ الخبیث من الطیب "نیکوکار کی بدکردار سے تمیز ہو سکے.کل ہی محشر بپا ہوگا جس کے لئے ثواب وعقاب کی بیناد اور استحقاقات کی فراہمی آج مرتب ہونی چاہیئے.

شیطان کسی کو مجبور نہیں کرتا:

لیکن شیطان کسی کو طاقت سڈ حرام کاری پر مجبور نہیں کرتا اور کسی کے اختیار پر اس کا کوئی قابو نہیں یعنی وہ اس قدر قدرت نہیں رکھتا کہ اسنان کے عزم کو اپنا محکوم بنالے "وماکان لی علیکم من سلطان "مجھے تم پر کوئی حکومت حاصل نہ تھی۔اس کا کام صرف وسوسہ و تحریک ہے اگر کوئی مسجد میں آتا ہے تو اپنے اختیار اور مرضی سے آتا ہے اور جو سینما جاتا ہے وہ بھی اپنی مرضی ہی سے جاتا ہے وہ تجھ پر حاکم نہیں ہے کہ تجھے مجبور کرے بلکہ خود تو اپنے پاؤں سے جہاں چاہتا ہے جاتا ہے۔

یہ قصور تیرا ہے کہ اس کے فریب ووسوسہ کا شکار ہوجاتا ہے اور کل قیامت کے روز جب لوگ اس کے گرد جمع ہونگے اور اس سے جھگڑیں گے تو وہ بالکل عقلی اور منطقی جواب دیگا اور کہے گا:میں تمہیں کھینچ کر دوزخ میں نہیں لے گیا میں نے صرف تمہیں

دعوت گناہ دی تھی اور وسوسے میں بتلا کیا تھا یہ قصور تمہارا ہے کہ تم نے دعوت قبول کی اب مجھے ملامت کیوں کرتے ہو اپنے آپ کو ملامت کرو میری تم پر کوئی حکومت تو تھی نہیں کہ تمہیں مجبور کرتا۔

وَ ما کانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطانٍ إِلاَّ أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لی فَلا تَلُومُونی وَ لُومُوا أَنْفُسَكُم

مجلس3

(بسم اللہ الرحمن الر حیم.وَ قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزاتِ الشَّياطِينِ. وَ أَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ)-(98/23)

ابلیس کی حاسدانہ روش:

شیطان حاسد ہے چونکہ خود درگاہ خداوندی سے اندہ جاچکا ہے اس لئے برداشت نہیں کرسکتا کہ انسان کو مقام قرب الہیٰ تک پہنچا ہوا دیکھے وہی بشر جسے یہ ملعون حقیر جانتا تھا اور ازروئے تفاخر واستحقار کہتا تھا۔

(خَلَقْتَنِی مِنْ نارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِين) مرا ز آتش اور ازخاک آفریدی

تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور انہیں خاک سے بنایا ہے.اور آگ مٹی سے برتر ہے (اس لئے تیرا مجھے اس کے لئے سجدے کا حکم انصاف پر بنی نہیں)۔

لیکن وہی بشر ایسے مقام تک رسائی حال کرتا ہے جہاں سے اس بدبخت کو دھتکار دیا گیا اور کہا گیا: (فَما يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيها فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِين)نکل جا یہاں سے کہ تو پست و ذلیل ہے تجھے یہاں بڑائی جتانے کا کوئی حق نہیں۔

انسان چاہتا ہے کہ عبادت کے ذریعے سے مقام قرب خداوندی حاصل کرلے لیکن شیطان اپنے پورے قویٰ و وسائل اورپوری توانائیوں کے ساتھ یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالے اور اسے اس مقام بلند تک نہ پہنچنے دے.تاکہ اپنے جذبہ حسد کی تسکین کرسکے اورایساملعون ہے کہ اگر بڑی برائی پر قادر نہ ہو تو چھوٹی ہی پر قناعت کرلیتا ہے مثلاً اگر کفر وشرک پر قادر نہ ہوسکا تو حرام ومکرہ یا اس سے کم درجہ کی برائی پر قانع ہوجائے گا.

حاسد اور متکبر کا جنت سے کوئی واسطہ نہیں:

حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نہیج البلاغہ کے خطبہ قاصعہ میں ارشاد فرماتے ہیں"اے لوگو!شیطان حسد کی وجہ سے ملعون ہوا اور بہشت سے نکالا گیا ایسانہ ہو کہ تم بھی حسد میں بتلاہوکر ویسے ہی ہوجاؤ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے تکبر کی وجہ سے جنت بدر کیا جب وہ کبر وحسد کی وجہ سے راندۂ ہوا تو تم کبر وحسد کی وجہ سے جنت میں کیسے جاسکتے ہو؟ناممکن ہے کہ فرشتوں کے استاد کو تو اس حرکت کی وجہ سے جنت سے نکال دیاجائے اور تمہیں اسی حرکت کی وجہ سے جنت میں داخلہ مل جائے...".

باوجود اس کے کہ وہ ملعونمدتوں خدا کی عبادت میں مصروف رہا لیکن آخر میں اس نے تکبر کیا اور خود کو ہلاک کر لیا عظمت اور بڑائی صرف ذات واجب کو زیبا ہے "العظمۃ والکبریا ردای" عظمت و کبریا صرف مجھے (ذات خالق) کو زیبا ہے تو اے انسان! تجھے بڑہا نکلنے سے کیا حاصل؟ آقائی و کبیریائی ترا لباس نہیں ہے. بڑائی جتانا تجھے سجا نہیں ہیں، مین کرنا تجھے پچتا نہیں تکبر تجھے زیب نہیں دیتا سب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے فقیر و محتاج ہیں (يا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَراءُ إِلَى اللَّهِ وَ اللَّهُ هُوَ الْغَنِي) "غنی مطلق ،سلطان مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ خود فرماتا ہے.

(لا إِلهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي) صرف میری عبادت کرو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں.

غرضیکہ اگر انسان بڑائی اور تکبر کرے گا تو شیطان کا ساتھی بن جائے گا.

ابلیس کی خواہش پوری ہو گئی:

روایت میں آیا ہے کہ جب شیطان لعین جنت سے نکال دیا گیا تو اللہ تعالیٰ سے یوں عرض گذار ہوا:

"خداوندا میری چھ ہزار سال عبادت کیا ہوئی؟" جواب ملا:

"اس کے بدلے میں جو چاہو ہم دیں گے" کہنے لگا:

"مجھے قیامت تک مہلت دے" (أَنْظِرْنِي إِلى يَوْمِ يُبْعَثُون) فرمایا: "تو مہلت یافتہ ہے" (فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ إِلى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوم) کہنے لگا: "میری دوسری خواہش یہ ہے کہ مجھے قدرت عطا فرما کہ انسان کے دلوں میں شبہ اور وسوسہ ڈال سکوں."

اس کی یہ خواہش بھی منظور ہوئی کیونکہ کئی الہیٰ حکمتوں اور مصلحتوں کی حامل تھی.

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام بارگاہ احدیت میں گڑگڑائے کہ اے پروردگار! میری غریب اولاد پر مسلط یہ بدترین دشمن پہلے ہی کیا کم طاقتور تھا کہ آپ نے اسے قیامت تک مہلت عطا کرنے کے علاوہ اسے ان کے قلب و روح میں شبہ آفرینی اور وسوسہ اندازی کی قدرت بھی دے دی میری اولاد تو اب بے بس ہو کر رہ جائے گی." جواب ملا: "اے آدم مایوس نہ ہو. ہم ہر شیطان کے ساتھ ایک فرشتے کو بھی پیدا کریں گے" جو شیطان وسوسہ اندازی کی خلاف تیری اولاد کے عزم کا معاون ہوگا.

ملائکہ میں بھی الہام کی طاقت ہے:

جب بھی شیطان انسان کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے تو فرشتہ اس کے مقابلے میں نیکی کا الہام کرتا ہے شیطان کہتا ہے "مسجد میں نہ جا فرشتہ الہام کرتا ہے کہ ضرور جا" شیطان کہتا ہے فلاں فعل حرام کا ارتکاب کر، بعد میں توبہ کر لینا، فرشتہ کہتا ہے ایسا مت

کرنا ممکن ہے کہ تجھے موت آجائے اور تو توبہ نہ کرسکے اور بالفرض ار توبہ کر بھی سکا تو کیا ضروری ہے کہ تیر توبہ قبول ہی ہوجائے اور تو بخشا بھی جائے.

اپنے دل کی طرف توجہ کیجئے اس میں خیر کی خواہش پیدا ہویا شرک ،آپ ہمیشہ اس ے بارے میں ششوپنج کی حالت میں ہوتے ہیں اگر شیطان آپ کو کسی بدی پر اکساتا ہے تو فرشتہ بھی آپ کو اس کی بدانجامی سے متنبہ کرتا ہے اور اگر شیطان آپ کو کسی نیکی کے ترک پر آمادہ کرتا ہے تو اس کے مقابلے میں فرشتہ آپ کو اس کی ترغیب دیتا ہے.

دوراہے پر:

غرضیکہ اے انسان تو دوراہے، پرہے خواہ نفس کی پیروی میں ہویٰ وہوس کھوجا،یاعقل وروح اور فرشتہ خیر کی پیروی کرکے رستگار ہوجا قدرت وطاقت کو اللہ تعالیٰ نے پورے نظم وعدل سے خلق فرمایا ہے لیکن انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے چنانچہ کلام پاک میں واضح ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو انسانوں پر کبھی کوئی ظلم نہیں کرتا یہ انسان ہی ہے جو خود پر ظلم کرتا ہے.

(وَ ما کانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لكِنْ کانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُون).

توبہ کا دروازہ کھلا ہے:

مزید ارشاد خداوندی ہوا:اگر ہم نے تمہاری اولاد پر ابلیس کو غالب کیا ہے اور اسے قیامت تک کی مہلت دی ہے تو اس کے عوض تمہاری اولاد کے لئے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھول دیا ہے اگر آپ شیطان کے دام فریب میں گرفتار ہوگئے ہیں تو اپنے دادبزرگوار حضرت آدم علیہ السلام کی طرف جو توبہ کریں اور ارگاہ خداوندی میں عاجزی اور زاری کریں تاکہ جناب آدم علیہ السلام کی طرح جو توبہ کی قبولیت کے بعد بالاتر اور بزرگ تر مقام پر پہنچ کر درجہ اصطفاء تک پہنچ. (إِنَّ اللَّهَ اصْطَفى‏ آدَمَ وَ نُوحاً وَ آلَ إِبْراهِيمَ وَ آلَ عِمْرانَ عَلَى الْعالَمِين) آپ بھی توابین کے مرتبہ پر فائز ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں کیونکہ (إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِين) اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے.

رحمت کا دامن آخری دم تک وسیع ہے:

ساری امم سابقہ کے لئے بھی توبہ کا دروازہ کھلا تھا لیکن اس کی قبولیت کی شرطیں بہت تھیں یہ نبی ﷺ کے وجود اقدس کی برکت ہے کہ آپ ﷺ کی امت کے لئے جو امت مرحومہ کہلاتی ہے توبہ کا دروازہ بہت وسیع وکشادہ ہے کیونکہ ہمارے نبی ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں اور توبہ بھی شعبہ ہائے رحمت میں سے ایک ہے۔

بحارالانوار جلد سوم کی ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا: ہروہ شخص جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرلے بخش دیاجاتاہے پھر فرمایا: ایک سال توزیادہ ہے اگر ایک مہینہ ہی قبل ازمرگ توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتے ہیں، پھر فرمایا: ایک مہینہ زیادہ اگر ایک دن بھی موت سے پہلے توبہ کرے تو بخش دیاجاتاہے پھر فرمایا: ایک روز بھی زیادہ ہے ،برزخ اور عزارائیل کو آنکھوں سے دیکھ لینے سے پہلے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ بخش دینگے ،غرضیکہ اگر کوئی مسلمان زندگی کے آخری لحظے پر بھی اپنے گناہوں پر نادم و پشیمان ہو تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتے ہیں۔

خوشا حال اس دل کا جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہے کیا عجیب نظام ہے؟ آیا رحمت اس سے بھی زیادہ وسیع ہو سکتی ہے؟ دیکھ لیجئے کہ شیطان کے وسوسوں کے مقابلے میں خدا کی رحمت کتنی بے پایاں ہے۔

حسن بصری کا سوال امام زین العابدین علیہ السلام کا جواب:

روایت ہے کہ ایک دفعہ حج کے دوران حسن بصری نے کہا: العجب کل العجب ممن نجیٰ کیف نجیٰ "نہایت حیرانی کی بات ہے کہ بچنے والا کیسے بچ گیا" بڑے تعجب کی بات ہے کہ انسان ابلیس کے اسقدر طاقتور دام فریب سے نجات پالے، حسن بصری کی یہ بات جناب سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں تو آپ نے فرمایا: "العجب کل العجب ممن ہلک کیف ہلک "تعجب ہے ہلاک ہونے والے سے کہ وہ کیسے ہلاک ہوا، تعجب ہے اس بدبخت پر جو اللہ تعالیٰ کی اس قدر وسیع رحمت سے محروم ہو کر ہلاک ہوا جو کائنات کی ہر مخلوق پر محیط ہے۔

موت سے پہلے بیماری کو ورود نعمت ہے:

ایک عمر ہم نے گناہ میں گذاری اب کوچ کا وقت ہے غالباً موت سے پہلے اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم ہی کا یہ ایک کرشمہ ہے کہ انسان بیماری میں مبتلا ہو اور کچھ مدت صاحب فراش رہ کر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے تیاری کرے۔

یہی وجہ ہے کہ اچانک موت عام طور پر ایک مصیبت سمجھی گئی ہے۔

اے رخصت ہونے والے کتنی زندگی تم نے شیطان کی پیروی میں گذاری ہے اب لحظہ بہ لحظہ موت قریب ہورہی ہے ، حقیقتا یہ چیز بڑی ہی عجیب ہوگی کہ پورا مہینہ بستر میں رہ کر بھی تم بیدار نہ ہوسکو۔

مجلس 4

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيم،وَ قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزاتِ الشَّياطِين. وَ أَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ)(23؛98)

شر شیطان سے بچاؤ کی صورت صر استعاذہ ہے:

شیطان کے وسوسہ اور وہ مصائب وآلام و انسان کو اس بدذات سے پہنچتے ہیں کسی سے پوشیدہ نہیں سب جانتے ہیں کہ یہ انسان کا شدیدترین دشمن ہے جو آخری سانس تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا اس کا مقصد وحیدیہ ہے کہ اسنان خدا اور آخرت پر ایمان نہ لائے یاکم ازکم کوئی نیکی اس سے سرزد نہ ہو بلکہ ہمیشہ بدی کی طرف مائل رہے۔

سب سے ضروری امریہ ہے کہ انسان شیطا سے نجات حاصل کرے لیکن اس قدر طاقتور اور جھتے والے دشمن سے نجات کی سبیل ہے کیا؟کلام پاک اس کا واحد علاج "استعاذہ"تجویز کرتا ہے،اس میں واضح ارشاد ہے: (فَاسْتَعِذْ بِاللَّه) خدا کی پناہ طلب کر،کیونکہ اس کے سوا حق تک رسائی ممکن نہیں۔

خیمہ سلطان اور خونخوار کتا:

ایک مثال میں نے عرض کیتھی کہ شیطان ایک ایسے خونخوار کتے کی مانند ہے جو خیمہ سلطانی کے دروازے پر بیٹھا ہوا ور جب بھی کوئی اندر جانا چاہے تو وہ اس پر لپکتا ہے تاکہ وہ داخل نہ ہوسکے یہ ایسا کیمنہ خصلت دربان ہے جس کے شر سے سلطان کے خاص دوستوں کے علاوہ کوئی بھی محفوظ نہیں (صرف خاصان خداہی اس بدخودشمن سے بے نیاز ہوکر حریم قدس میں جاسکتے ہیں)۔بہرحال خیمہ میں داخل ہونے کے لئے ہمیں صاحب خیمہ سے اس دشمن ازلی کے شروعنا سے پناہ مانگنی چاہیئے اور اس کی بارگاہ میں پہنچنے کے لئے اسی سے ہمت اور توفیق طلب کرنی چاہیئے کیونکہ صرف اسی کی قہر بھری تنبیہ سے یہ وحشی دشمن رام ہوسکتا ہے اس کے علاوہ ہرگز کوئی چارہ کار نہیں۔

پس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے تاکہ اس کی توجہ خاص سے شیطان کے شر سے امان ملے سکے اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: (وَ قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزاتِ الشَّياطِينِ وَ أَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ)کہیئے اے حبیب ﷺ :اے پروردگا میں شیاطین ے وسوسوں سے اور اپنے قلب وروح پر کے غلبے اور ورود سے آپ کی پناہ مانگتاہوں۔

خصوصاً تنہائی کے وقت جب تک لطف وکرم ایزدی آپ کے شامل حال نہ وساوس شیطانی سے آپ کا بچنا ممکن نہیں آپ کو پکارنا چاہیئے "یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ یَا مَلَاذَ اللَّائِذِیْنَ" اے فریادیوں کی فریاد سننے والے اے پناہ طلبوں کی پناہ گاہ! مجھے شر شیطان سے محفوظ رکھ، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کا حفظ و امان اور اس کی پناہ نہ ہو تو شیطان کے شر سے بچنا ممکن نہیں.

استعاذہ دل سے ہو نہ کہ زبان سے:

لیک حقیقت استعاذہ کو سمجھنا چاہیئے کہ کیا صرف زبان سے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" یا فارسی یا اردو میں اس کا ترجمہ ادا کردینا کافی ہے،یقینا ایسا نہیں ہے بلکہ استعاذہ ایک معنوی اور روحانی کیفیت ہے جس کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے اگر دلی کیفیت استعاذہ ی ہے تو استعاذہ مفید ہے ورنہ بارہا ایسا ہوا کہ استعاذہ کے یہ الفاظ شیطان کا بازیچہ بنگئے ہیں کیونکہ استعاذے کی حقیقی قلبی کیفیت کے بغیر یہ الفاظ سراسر تکلف ہین جن کی ادائیگی شیطان کی انگیخت پر ہوتی ہے.

استعاذہ کی تین قسمیں:

1- نہ استعاذے کی کیفیت ہوتی ہے اور نہ ہی استعاذہ کے الفاظ کے مفہوم کا علم ہوتا ہے مثلاً "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کی ادائیگی اس صورت میں کہ نہ تہ دل سے یہ الفاظ نکلیں اور نہ ذہن کو ان کے معانی معلوم ہوں یہ صورت خالصتاً شیطانی مذاق ہے.

2- استعاذہ کے الفاظ کے معنیٰ اور مفہوم کا علم ہو اور ان کی ادائیگی بھی درست ہو لیکن دل استعاذہ کی کیفیت سے بیگانہ ہو اور اعمال میں شیطان کی اطاعت صاف نظر آتی ہو، اگرچہ زبان سے "لعنت بر شیطان" کہے لیکن درحقیقت استعاذہ اس کا اللہ کے حضور نہیں بلکہ شیطان سے ہوگا.

3- استعاذے کے الفاظ کا پورا پورا احساس وادراک ہو اور انہیں تہ دل سے پوری سمجھ، سنجیدگی اور اخلاص سے ادا کیا جائے اور دل اللہ تعالیٰ کی عظمت وجبروت کی معرفت سے سرشار ہو.استعاذہ کی صرف یہی صورت صحیح و مقبول ہے.

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں پناہ طلبی:

گناہ کے ہر مرتکب شخص کا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے دوران معبود و مسجود شیطان ہوتا ہے خواہ زبان سے وہ شیطان پر ہزال لعنت ونفرین ہی کیوں نہ کرے اس سے واضح تر الفاظ میں کہوں کہ جب کوئی شخص منہ سے تو اعوذ باللہ من شیطان الرجیم کہے اور کردار اس کا یہ ہو کہ کسی پردہ تہمت لگائے کسی کو فحش بکے، کسی کی عزت کے ساتھ کھیلئے دوسروں کے رازون کو فاش کرے غرضیکہ کسی

بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ سے اسے باک اور دریغ نہ ہو وہ کہتاہے تو "اعوذباللہ من الشیطان الرجیم" ہے لیکن علمی طور پر مقصود اس کا "اعوذبالشیطان من الرحمان" ہوتاہے کہ میں "نعوذباللہ" خدا سے فرار کرکے شیطان کی پناہ میں آتاہوں زبان سے تووہ کہتاہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں پناہ لیتاہوں لیکن عمل اس کا اس سے بالکل الٹ ہوتاہے اور جب نافہمی کاپردہ اٹھ جاتاہے توپتہ چلتاہے کہ اعوذباللہ کے الفاظ دراصل شیطان ہی نے اس کی زبان سے کہلوائے تھے تاکہ اس کے ناقص عقیدے اور کمزور ایمان کامذاق اڑائے.

شیطان کے رد میں شیطانی تصنیف:

روایت ہے کہ ایک عالم نے شیطان کے وساوس، اس کے ہتھکنڈوں اور اس کے ہاتھوں فریب خوری کے خلاف تنبیہ کی حامل ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا انہیں دنوں ایک پارسا نے عالم مکاشفہ میں شیطان سے کہا: ملعون! اب دیکھنا کسی طرح تیری رسوائی اور روسیاہی ہوتی ہے فلاں مولانا عنقریب تیرے دجل وفریب کا تارپود بکھیردینگے اور دنیا کی نظروں میں توذلیل وخوار اور رسواہوجائے گا.شیطان نے استہزا سے ہسن کر جوابدیا: بڑی خوش فہمی میں بتلاہو یہ کتاب تو میرے ہی امیاء پر لکھی جارہی ہے.انہوں پوچھا یہ کیسے ممکن ہے؟توشیطان نے جواب دیا: میں نے ہی اس کے دل میں وسوسہ ڈالاہے کہ تم بڑے عالم فاضل ہو اپنے علم کی نمائش کرو،اس کوتوشعورہی نہیں کہ نام توکتاب کا اس نے "ردشیطان" رکھاہ لیکن دراصل اس سے اس کاارادہ اپنے علم وفضل کی نمائش اور اپنی عظمت کے اظہار کاہے.

وہ خود انسان کو اکساتاہے کہ اس پر لعنت کرے یا اس کی زبان غیرارادی طورپر "اعوذباللہ من الشیطان الرجیم" کہلواکر اسے بیوقوف بنائے.

استعماری طاقتوں کی سیاست:

معاون ومددگا ہوتتے ہیں بعض اوقات اپنے سیاسی مصالح کی وجہ سے وہ انہیں ہدایت کرتے ہیں کہ ان کو برابھلا کہیں گالیاں دیں اور استعمار کی مذمت کریں لیکن یہ سب کچھ وہ اپنی سیاست کی پردہ پوشی اور اصلیت کو چھپانے کے لئے کرتے ہیں تاکہ ان افراد کے توسط سے اپنے استعماری منصوبوں کی تعمیل وتکمیل وبہترانداز میں کرسکیں.

شیطان کی سیاست کتنی عجیب ہے سب سے پہلا سیاستدان اور سب سیاستدانوں کا استاذ اور پیرومرشدیہی ملعون ہے سیاست کامعنی ہی درپردہ کام کرنا ہے یہ ہرایک کوبے وقوف بناتاہے لیکن اپنا نقش یاکہیں بھی نہیں چھوڑتاہرخراب اس کے اشارے سے ہوتی ہے لیکن کسی کو محسوس نہیں ہوتاکہ انگیخت اس کی تھی.

استعاذہ کی حقیقت گناہ سے فرار ہے:

پروردگارا! ہمیں ہمت دے کہ شیطان ملعون سے گریز کر سکیں گناہ سے فرار کر سکیں اور جرائم سے محفوظ رہ سکیں اللہ تعالیٰ سے یہ استعاذہ ہمیں گناہوں سے دور رکھتا ہے اور ہماری زبانوں کو لگام میں رکھتا ہے کہ لغوبات نہ کریں بلکہ اس کی بجائے اعوذباللہ کہیں. خداوندعالم کے حضور شرورابلیس سے پناہ مانگیں بالفاظ دیگر اعوذباللہ کا مطلب ہوا کہ:

''اعوذ بطاعة الله من طاعة الشيطان''

میں شیطان لعین کی جرم وگناہ سے بھرپور اطاعت سے فرار کرکے اطاعت الٰہی کی پناہ میں آتا ہوں.

ہاتھ شیر کے منہ میں اور پیروں سے فرار:

اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ تو شیر کے منہ میں ڈال دے اور زبان سے کہے کہ میں شیر سے بہت ڈرتا ہوں اور اس سے کسی مستحکم ومضبوط قلعہ میں پناہ طلب کرتا ہوں یہی مثال اس شخص کی ہے جو منہ سے تو شرابلیس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہو لیکن بندہ مطیع وفرمابردار ی طرح پوری عاجزی کے ساتھ شیطان کے دام تزدویر میں جکڑا ہوا ہو.

تازہربدزبانت کوتہ نیست

یک اعوذت اعوذباللہ نیست

جب تک کسی کی زبان پر لغوجاری رہے گا وہ شیطان کا حلقہ بگوش غلام رہے گا اس صورت میں اس کا لعنت پر شیطان کہنا دروغ محض ہوگا ''اعوذباللہ گوئی'' سے اسے استغفار کرنا چاہئیے.

بلکہ آن نزد صاحب عرفاں

نیست الا اعوذبالشیطان

گاہ گوئی اعوذگہ لاحول

لیک فعلت بود مکذب قول

لغوگوانسان کا عوذباللہ کہنا صاحب عرفان کے نزدیک اعوذبالشیطان ہے زبان سے کبھی وہ اعوذ کہتا ہے اور کبھی لاحول لیکن اس کے عمل سے اس کے قول کی تکذیب ہوتی ہے.

اگر شیر آپ کے پیچھے لگا ہو تو آپ کو چاہیئے کہ کسی مضبوط پناہ گاہ میں خود کو محفوظ کریں نہ کہ مزید اس کے نزدیک ہوں اور اپنا ہاتھ تو اس کے منہ میں ڈال دیں اور زبان سے پناہ کے لئے چیخ وپکار کریں استعاذہ کی حقیقت در اصل یہی ہے کہ شر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے مضبوط و محکم قلعے میں پناہ لی جائے۔

سچا خواب اور شیطان کادام فریب:

جناب شیخ انصاری کے کسی شاگرد سے روایت ہے کہ جس زمانے میں میں ان کے پاکیزہ درس کے فرشتگانہ ماحول میں زیر تعلیم تھا تو ایک رات میں نے عالم واقعہ میں شیطان ملعون کو دیکھا کہ اپنے ہاتھ میں چند لگامیں پکڑے ہوئے ہے میں نے اس سے پوچھا یہ کسی لئے تونے پکڑی ہوئی ہیں؟ کہنے لگا ان کو لوگوں کی گردنوں میں ڈال کر انہیں اپنی طرف کھینچتا ہوں کل میں نے ایک شیخ مرتضیٰ انصاری کی گردن میں ڈال دی اور انہیں ان کے کمرے سے نکال کر ان کے گھر کے دروازے کے سامنے تک باہر گلی میں لے آیا لیکن وہ گلی کے نصف میں مجھ سے چھوٹ کر واپس چلے گئے۔

جب میں بیدا ہوا تو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب ان سے بیان کیا۔

شیخ نے فرمایا: شیطان نے تم سے ٹھیک کہا کیونکہ کل اس ملعون نے چاہا تھا کہ اپنے دلفریب بہانوں سے مجھے اپنے دام پھانسے در اصل ہوا یہ کہ گھر میں کوئی چیز درکار تھی لیکن میرے پاس اس کے لئے پیسے نہ تھے دل میں آئی کہ سہم امام علیہ السلام میں سے کلام پاک کا ایک نسخہ جو میرے پاس بے مصرف پڑا ہے اسے قرض کے ارادے سے بیچ کر اس کی قیمت لے وہ حاجت پوری کروں اور بعد میں وہ قرض ادا کردوں۔

اس کلام پاک کے نسخہ کو لے کر گھر سے باہر آیا حتیٰ گلی میں پہنچ گیا اور جب جنس خریدن نے لگا تو عین وقت پر مجھے خیال آیا کہ اس قسم کی حرکت کیوں کروں؟ پس اپنے اس ارادے پر پچھتایا اور شرمندہ ہو کر گھر واپس آگیا اور قرآن پاک کو اس کی جگہ پر واپس رکھ دیا۔

بعض لوگوں نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے کہ اس شاگرد نے بہت رسیاں شیطان کے ہاتھ میں دیکھیں ان میں سے ایک رسی بہت مضبوط اور موٹی تھی اس نے ملعون ازلی سے پوچھا کہ یہ رسیاں کسی لئے ہیں تو اس نے جوابدیا ان سے آدم کی اولاد کو اپنی طرف کھینچتا ہوں اور انہیں گناہ میں گرفتار کرتا ہوں، اس نے پوچھا یہ بڑی رسی کس کے لئے ہے؟ تو اس نے جواب دیا: یہ تمہارے استاد شیخ انصاری کے لئے کل اس سے میں انہیں بازار تک لے آیا تھا لیکن وہ اسے توڑ کر آزاد ہو گئے اور واپس گئے، اس نے پوچھا: میرے لئے ان میں سے کونسی رسی ہے؟ اس نے جواب دیا: تمہارے لئے رسی کی ضرورت نہیں تم باتوں ہی سے بآسانی شکار ہو سکتے ہو۔

ارکان پنجگانہ استعاذہ

مجلس5

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ)

لفظ سے مفہوم واضح ہونا چاہیئے:

استعاذہ دینی مقامات میں سے ایک مقام ہے اور ہر مسلمان پر واجب ہے اور جیساکہ عرض کیا گیا پورے عزم وارادہ سے اور اپنی پوری روح کے ساتھ ہونا چاہیئے نہ کہ صرف زبان سے کیونکہ صرف لفظ ادا کردینا تو پڑھ دینا ہی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں اور جو قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ (فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ) اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو، اس سے مراد ان الفاظ کی حقیقت ہے نہ کہ ان کا ظاہر محض اور حقیقت دو امروں کی متقاضی ہے: ایک شیطان لعین سے فرار اور دوسرے خدائے رحمان کے حضور اس راندہ درگاہ ایزدی سے پناہ طلبی اگر یہ دو مقصد حاصل ہوتے ہوں تو استعاذہ واقعی استعاذہ ہے ورنہ محض سخن گتری ہے غرضیکہ لفظ سے مفہوم واضح ہونا چاہیئے اور اس میں اس کی روح کی حقیقت جھلکنی چاہیئے.

استعاذہ کی حقیقت پر غور کرنے اور کلام پاک کے مطالعہ سے اس کے بارے میں یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ استعاذہ کے پانچ بنیادی رکن ہیں:

رکن اور جو شیطان لعین سے فرار ہے، تقوی پر مبنی ہے.

اس کے دوسرے ارکان: تذکر، توکل، اخلاص اور اللہ کے حضور عاجزی ہیں. اور ان کے مجموعی طورپر حاصل ہوجانے سے استعاذہ کی حقیقی کیفیت پیدا ہوتی ہے جب مومن ان ارکانت پنچگانہ پر عمل پیرا ہوتاہے تو شیطان لعین اس سے کوسوں دور ہوجاتاہے خواہ وہ زبان سے پر "اعوذباللہ من الشیطان الرجیم" کہے یا نہ کہے اور اس کی سچی اور بہترین صورت یہ ہے کہ شیطان مومن کے نزدیک آکر اسی طرح "آدم زدہ" ہوجائے جس طرح ایک عام انسان جن کی نزدیکی سے "جن زدہ" ہوجاتاہے اس صورت میں ابلیس ملعون ہرگز مومن انسان کے قریب پھٹکنے کی جرات نہیں کرے گا.

شیطان پرہیزگاروں سے دور بھاگتا ہے:

ارکان استعاذہ کے شواہد کلام پاک سے مختصراً پیش کئے جاتے ہیں (إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُون) "پرہیزگاروں کو جب شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ محسوس ہوتا ہے تو وہ خدا کے ذکر میں مشغول ہوجاتے ہیں پس یکایک ان کی بصیرت روشن ہوجاتی ہے۔"

پس اولین شرط ابلیس کے شرے سے خود کو محفوظ رکھنے کی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے.جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی جوہنی کوئی وسوسہ ان کے دل میں وارد ہوا، وہ یاد خدامیں مشغول ہوگئے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی، فوراً ان پر روشن ہوگیا کہ یہ شیطان کی حرکت تھی چنانچہ اس سے فرار کرکے وہ حق تعالیٰ کی پناہ میں آگئے چنانچہ اس آیہ شریفہ میں تقویٰ و ذکر خدا کی طرف اشارہ ہوا.

توکل اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہئے:

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے: (فَإِذا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطانِ الرَّجِيم،إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَلى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُون) "قرآن پڑھتے وقت شیطان ملعون و مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو ایمان والوں اور خدا پر توکل کرنے والوں پر اسے کوئی غلبہ ونفوذ حاصل نہیں".

جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے شیطان کو اس پر کوئی تسلط و اختیار حاصل نہیں شیطان کی حکومت صرف ان لوگوں پر ہے جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کرتے ان کا سرا بھروسہ مادی اسباب اور دنیاوی امور پر ہوتا ہے لیکن اگر بھروسہ فقط ذات الہیٰ پر ہو تو یقین کیجئے کہ شیطانت بے چارہ بے بس اورناکارہ ہے.

اگر کسی شخص کو دل سے اللہ تعالی پر بھروسہ ہو تو زبان سے لاکھ کہتا رہے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتاہوں لیکن در اصل وہ مادی اسباب دنیاوی طاقت ، اثر ورسوخ ،مال و دولت اور رشتہ داریوں وغیرہ سے پناہ مانگ رہا ہوتا ہے، چنانچہ آیہ شریفہ مذکورہ کے مطابق شیطان اس پر مسلط ہے بعد کی آیہ مبارکہ میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے.

(إِنَّما سُلْطانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَ الَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُون) شیطان کا تسلط ان پر ہے جو اس کی دوستی کادم بھرتے ہیں اور اس کے فرمان بردار ہیں اور اس کی حکومت ان پر ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کا شریک گرادنتے ہیں.

وہ شخص جوذات باری مسبب الاسباب کو بھلاچکا ہے وہ شیطان کا دوست ہے، اسے استعاذہ یا شیطان ملعون سے فرار سے کیاسروکار؟.

شیطان کا اہل اخلاص سے کوئی تعلق نہیں:

استعاذہ کا ایک رکن "اخلاص" ہے قرآن مجید میں شیطان کے یہ الفاظ مذکور ہیں:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ. إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ

تیری عزت کی قسم اے پروردگار میں تیرے با اخلاص بندوں کے سوا سب انسانوں کو بہکاوں گا.

اخلاص کا معنيٰ کلام پاک الہی میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے ہم نے بقدر ضرورت تفسیر آیات میں متعدد مقامات پر اس سے بحث کی ہے اورہمارے خیال میں مزید تکرار کی ضرورت نہیں.

غرضیکہ استعاذہ صرف با اخلاص بندوں ہی کا درست اور انہیں کو زیبا ہے کیونکہ شیطان کا ان پر کوئی تسلط نہیں اور اس سے فرار کی صلاحیت انہیں میں ہے.

کیا ہم تقويٰ اور تذکر کی صلاحیت رکھتے ہیں:

اتنی لمبی عمریں گذارنے کے باوجود ہم نے دینی تعلیمات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا اب اللہ کرے کہ کم از کم جہل مرکب کا شکار تو نہ ہوں استعاذہ کا اولین رکن ہم نے عرض کیا کہ "تقويٰ" ہے جو شخص صاحب تقويٰ نہیں وہ شیطان سے کیسے فرار کرسکتا ہے کیونکہ صرف تقويٰ ہی سے شیطان کی اطاعت ترک کی جا سکتی ہے.

جو عورت بے پردہ کوچہ بازار میں آتی ہے وہ سراپا شیطان ہے.اس کا ظاہر باطن شیطنت ہے.اور جو نامرد اپنے ہمراہ ایسی عورت کو گھر سے باہر لاتا ہے اور ادھر ادھر پھراتا اور کھیل تماشے دکھاتا ہے وہ شیطان سے کیسے فرار کرسکتا ہے؟مختصر یہ کہ جو شخص حرام سے نہیں بچتا تو وہ شیطان سے بھی دوری نہیں اختیار کرسکتا.استعاذہ اس کے نزدیک ایک مہمل لفظ ہے لاکھ منہ سے (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم)کا ورد کرتا پھرے شیطان اس پر بہرحال غالب وتسلط ہے اگر کوئی شخص کسی غصب کردہ مکان میں رہتا ہو تو تاوقتیکہ وہ اس سکونت کو ترک نہیں کرتا، شیطانت سے فرار نہیں کرسکتا اور اگر کوئی شخص فواحش کا عادی ہو ،تو جب تک ان عادات کو ترک نہ کرے استعاذہ نہیں کرسکتا.

حرام خوری سب سے برا مانع استعاذہ فعل ہے:

استعاذہ کے مسالہ میں کامل تقويٰ اور مکمل طور پر ترک حرام اور بالخصوص حرام خوری کو ترک کرنا نہایت ضروری ہے جس شخص کا کھانا پینا حرام ہو اس کا گوشت پوست شیطانی ہے اور وہ ہمیشہ ابلیس کے ساتھ متصل ہے کیونکہ "إِنَّ الشَّيطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّم" شیطان خون بن کر اس کی رگوں میں دوڑتا ہے.

جس زبان سے وہ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) کہتا ہے وہ شیطان ہی کی ہے کیونکہ حرام ہی کی خوارک سے اس کی زبان بنی ہے اور اسی کی طاقت سے وہ گویا ہوکر (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) کہتی ہے یہ استعاذہ بھی کوئی استعاذہ ہے؟

مادرون رابنگریم وحال را

مابرون رانگریم وقال را

شہید ثانی نے "آسرارالصلوۃ"میں خاتم الانبیاء ﷺ سے یہ روایت کی ہے:" اِنَّ اللہَ لَا یَنْظُرُ اِلَی صُوَرِکُمْ وَ أَعْمالِکُمْ وَ اِنَّما یَنْظُرُ اِلَی قُلُوبِکُمْ "اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں اور اعمالوں کو دیکھتے ہیں تمہاری شکلوں کو نہیں دیکھتے.

یہاں یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ بے حقیقت زبانّبازی اور سخن آرائی کی مخلوق کے نزدیک تو کچھ اہمیت ہو تو لیکن عالم الغیب اور علیم و خبیر خدا کے نزدیک جس کے لئے پنہاں و آشکار برابر ہیں سوائے حقیقت کے کوئی چیز مفید نہیں.

چنانچہ قربانیوں کے بارے میں جو آپ عموماً راہ خدا میں کرتے ہیں کلام پاک میں صاف صاف ارشاد ہے: (لَنْ يَنالَ اللَّهَ لُحُومُها وَ لا دِماؤُها وَ لكِنْ يَنالُهُ التَّقْوى مِنْكُم) ان قربانیوں کا گوشت یا خون اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا بلکہ صرف تمہارا تقویٰ اس کی بارگاہ ینّت پہنچتا ہے.

جب تک حرام کے آثار برطرف نہیں ہوتے استعاذہ ممکن نہیں:

جب تک لقمۂ حرام انسان کے بدن میں ہے اس کی حیثیت شیطان کی ہے شیطان سے فرار کاڈھنڈورہ پٹینا اس کا دروغ محض ہے جب تک اس کے اثرات اس کی ذات سے زائل نہیں ہوتے اس سے فرار کی حالت اس میں پیدا نہیں ہوسکتی.اس صورت میں اس کی ساری عبادت محض ڈھونگ اور نمائشی ہوں گی.

بالخصوص رزق حلال کے بارے میں بہت سی روایات اہلبیت علیہم السلام سے نقل ہوئی ہیں.

رزق حلال ایک بیج کی مانند ہے جس پرپورے درخت کے وجود کا انحصار ہوتا ہے اسے ضراب نہ کرو تاکہ درخت بھی درست انداز سے اور صحت مندانہ طورپرپروان چھڑھے.

کلام پاک میں اراشاد خداوندی ہے:

(يا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلالًا طَيِّباً وَ لا تَتَّبِعُوا خُطُواتِ الشَّيْطان) اے لوگو پاکیزہ اور حلال خوارک کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو.

یہ نہیں کہا کہ مرغ وگوشت اور پلاؤ وبریانی نہ کھاؤ خوب کھاؤ لیکن حلال کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو.

مشکوک و مشتبہ غذا سے پرہیز:

جس غذا کے حلال ہونے میں شبہ ہو اس سے بھی پرہیز واجب ہے جب تک آپ کو یقین نہ ہو کہ آپ کی خوراک اور آپ کا لباس حلال میں ان کے استعمال سے پرہیز کریں. اس کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ نوبت یہان تک پہنچ جاتی ہے کہ حق اپنے کمال ظہور کے باوجود شک میں بتلا انسان کے وسوسہ کی آماجگاہ بن جاتا ہے.

ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ذات میں شک کرنے لگتا ہے جو خود اس کا اور کائنات کا خالق ہے: (أَ فِی اللَّهِ شَكٌّ فاطِرِ السَّماواتِ وَ الْأَرْض) اور اس کے اس کمال ظہور اور وجوب کے باوجود اس کے ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں شک کا شکار ہوجاتا ہے.یہاں شیطان کہاں ہے جس نے اس کو اس گومگو میں ڈالا؛ وہ شیطان یقیناً اس حرام و مشتبہ لقمے کے اندر تھا جسے اس نے کھایا اور جو غذا کے ذریعے اس کے ذہن کا حصہ بنا.

شیطان سے فرار نہ کرکے اس نے یہ روزبد دیکھا یعنی اپنے ہاتھوں سے شیطان کو اپنے گوشت پوست اور رگ و خون میں جگہ دی.

مجلس 6

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ

پچھلی راتوں کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ استعاذہ کی حقیقت در اصل شیطان ملعون سے فرار کرکے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہے لہذا اس کا لازمہ تقویٰ ہے. شیطان سے پرہیز کا مطلب یہ ہے کہ انسان سے واجبات فوت نہ ہوں اور حرام اس سے سرزد نہ ہو اور اگر وہ بے پرواہے تو شیطان سے فرار نہیں کرسکتا. اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص جسمانی طور پر تو کسی وحشی درندے سے گھتے گتھا ہو لیکن زبان سے کہتا ہے جائے کہ میں اس درندے سے فرار کررہا ہوں.

زبان سے کہتے رہتے (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) یعنی میں شیطان سے فرار کرکے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں لیکن استعاذہ کے آداب سے بے پروا ہو کر آپ کیسے اس سے فرار کرسکتے ہیں.

(إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا) جو لوگ گناہ سے فرار کی حالت میں ہیں گر شیاطین ان پر غلبہ پانا چاہیں تو وہ فوراً ذکر الہیٰ میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اس کی برکت سے غفلت کا پردہ ان کی نگاہوں سے اٹھ جاتا ہے اور ان کی آنکھیں بینا ہو کر شیاطین کی نقل و حرکت کو واضح طور پر دیکھنے لگتی ہیں اس لئے وہ اس کے دام فریب سے خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں.

اگر کوئی شخص شیطان کے دام سے بچ سکتا ہے تو صرف اہل تقویٰ ورنہ دام اس کا ہمیشہ ہر جگہ موجود ہے.

ہم نے عرض کیا کہ تقویٰ کو خصوصاً کھانے پینے میں ملحوظ رکھنا چاہئے کیونکہ خوارک بمنزلہ بیج کے ہے جس سے بدن شیطانی یا رحمانی نفس کے ساتھ مرکب ہو کر پروان چڑھتا ہے. اگر یہ تخم شیطانی ہوا تو بدن پر شیطان کی حاکمیت ہوگی. اگر لقمۂ حرام حلق سے نیچے اتر گیا تو جس کی حکومت شیطان لعین کے ہاتھ آگئی اور جب تک بدن میں اس لقمۂ کا اثر رہے گا بدن میں شیطان موجود رہیگا.

روایات میں آیا ہے کہ صرف ایک لقمۂ حرام کھالینے سے پورے چالیس دن انسان کی نماز قبول نہیں ہوتی اور چالیس روز تک اس کی کوئی دعا درگاہ ایزدی میں بار نہیں پاتی. کیونکہ دعا کرنے والی زبان تو شیطان ہی کی ہے. اگر قرآن پڑھے گا تو شیطان ہی کی زبان سے اور اگر اعوذباللہ کہے گا تو بھی اسی کی زبان سے.

لقمۂ حرام کی پہچان:

ہر وہ چیز جو آپ کے ہاتھ میں حرام ذریعے سے پہنچے وہ حرام ہے اگر روٹی آپ کے پاس ناجائز مال سے آئی ہے کسی کو دھوکا دے کے آپ نے پائی ہے یا اسے کسی سے غصب کیا ہے وہ مال سود کا تھا یا کسی دوسرے حرام وناجائز طریقے سے اسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر تصرف میں لایا گیا تھا یا شرع مقدس کے قوانین کی خلاف ورزی کرکے حاصل کیا گیا تھا. تو یہ سب حرام ہے.

اس کے بعد حرکت میں مردار کا درجہ ہے ہر وہ چیز جسے مردار کہہ سکیں خواہ وہ حیوان حلال گوشت ہو لیکن با طبعی موت مرا ہو یا اسے شرع مقدس کے قانون کے مطابق ذبح نہ کیا گیا مثلاً ارادۃً اور عمداً اس پر بسم اللہ نہ کہی گئی ہو اور اللہ کا نام بوقت ذبح نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے. (وَ لا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ) مت کھاؤ وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو.

اگر کسی حلال جانور کا سر بسم اللہ کہے بغیر کاٹا گیا ہو تو وہ مردار ہے اور شیطانی بیج ہے جسے آپ کے حلق سے نیچے نہ اترنا چاہیئے.

آیت کے مفہوم سے استعاذہ کی عمومیت:

سید ابن طاووس نے اس آیہ شریفہ کو عموم کے معنی میں لیا ہے ہرچند کہ اس سے مراد حلال جانور کا گوشت ہے لیکن سید نے اسے عموم کے معنی دئے ہیں جن کے رعایت بہرحال خوب ہے اور مستحسن ہے. آپ فرماتے ہیں: "ہر وہ خوارک جو اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر بسم اللہ کہے بغیر تیار کی جائے میں اسے نہیں کھاتا وہ روٹی جس پر نانبائی نے پکاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا، مومن اسے کھا سکتا ہے؟!

نانبائی کا تنور اور شیطانی راگ:

عجب زمانہ تھا اور عجیب انداز میں وہ بدلا ہے. اگر سید آج زندہ ہوں تو دیکھیں مجھے وہ بھی زمانہ یاد ہے جب کسی نانبائی کو لاتے تھے تو وہ تنور پر وارد ہو کر پہلے حدیث کساء پڑھتا اور پھر دعا کرتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کی برکتیں اس کے شامل حال ہوں.

اور آج یہ زمانہ ہے کہ روٹی کو موسیقی کی دھنوں اور نغمہ کےتال پر پکایا جاتا ہے. "اناللہ وانا الیہ راجعون" روٹی کو شیطان کے ذکر کےت ساتھ پکاتے ہیں اور اسی شیطنت سرشتہ لقمے کو ہم اور آپ کھاتے ہیں.

ہم بے بس اور مجبور ہیں:

اگر کبھی کوئ یان حقائق پر غور کرے تو یقیناً پکار اٹھے گا. (أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَ) پروردگا پکا کریں؛ یہ کھانے سراسر ظلمت و تاریکی ہیں، ان میں کوئی روشنی نہیں جوروح کی تقویت کرم ہماری زبانیں بھی اسی سے متاثر ہیں اور جھوٹ، لغو گمراہ کن لہو، غیبت ان کا شعار ہے ہماری آنکھیں اس کے زیر اثر خیانت کیش اور کان اس کے اثر سے لغو و لہو اور غیبت کے رسا ہو چلے ہیں. غرضیکہ ہمارے سب اعضائے جسمانی اس کے اثر سے حرام زدہ یا مکروہ ہو چکے ہیں یا کم از کم حرام وحلال کی تمیز کھو چکے ہیں کہ نفس کو ذکر خدا اور یاد الہیٰ سے انہوں نے غافل کردیا ہے ہمارے تمام اعضاء وجوارح شیطان کی بازی گاہ بن گئے ہیں.

خوارک کی طہارت و نجاست:

اس کے علاوہ حرام خوارک کی ایک صورت نجس یا نجاست زدہ کھانا ہے اگرناپاک خوارک حلق سے نیچے اترے گی توشیطانی بیج کی طرح اپنا اثر سارے بدن میں پھیلائے گی.

حتیکہ چھوٹے بچوں کو بھی نجس خوراک نہیں کھلانی چاہیئے یہ کہیں کہ بچہ تکلیف شرعی سے آزاد ہے آپ تو آزاد نہیں آپ کا فرض ہے کہ اپنے بچے کے گوشت وپوست کی پرورش حلال وپاک غذا سے کریں.کیونکہ باآلاخر اسی سے اس کی شخصیت کی تعمیر ہوگی اور حرام یا نجس خوراک اس کے بدن میں منفی، غیر اسلامی اور غیر انسانی رجحانات پیدا کرے گی.ہاں حیوانات غیر ظاہر غذا کھا سکتے ہیں.

جن بعض مواقع پر حلال اور پاکیزہ خوارک سے بھی پرہیز واجب ہےت ان میں سے ایک سیری کی حالت میں کھانا ہے یہ سخت مکروہ اور شیطانی عمل ہے اور ایسے اوقات میں تو کہ جب یہ کھلے نقصان اور ضرر فاحش کا باعث بن سکتا ہو قطعی طور پر حرام ہے.

مجلس7

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحيم إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ

شیطان سے دشمنی رکھو:

ہم نے عرض کیا کہ جب تک کوئی شخص شیطان سے دوری اختیار نہیں کرے گا حقیقت استعاذہ اس میں پیدا نہیں ہوگی. گناہ کا مرتکب انسان کا اطاعت گذار ہے اللہ تعالیٰ (فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا) اسے اپنا دشمن جانو، وہ تمہارا ازلی دشمن ہے تم بھی اس سے دشمنی کرو، اس کے دوست نہ بنو. لیکن اگر تم گناہ کروگے تو یہ اس کی عین اطاعت ہوگی اور اطاعت دوستی کا لازمہ ہے ہمیشہ خبردار ہو رکہ یہ کینہ دشمن تمہاری گھات میں ہے. ایک لحظ بھی انسان سے غافل نہیں اور نہ انسان اس کے شر سے کوئی لحظ محفوظ ہے. اگر آپ خود کو اس سے امان میں سمجھتے ہیں تو یہ آپ کی بے خبری اور بھول ہے.

کیا شیطان سوتا ہے:

کسی نے ایک خدا رسیدہ عالم سے دریافت کیا کہ کیا روایات میں شیطان کے بارے میں کہیں آیا ہے کہ وہ سوتا اور آرام کرتا ہے؛ عالم عارف نے مسکرا پڑا پر لطف جواب دیا فرمانے لگے: اگر اس ملعون پر کبھی نیند طاری ہو سکتی تو ہمیں کچھ آرام مل جاتا. جب آپ محو خواب ہوتے ہیں تو یہ ملعون پوری طرح بیدا ہوتا ہے وہ کبھی نہیں سوتا. بلکہ ہمیشہ آپ کی نگرانی کرتا ہے اور آپ کی ضرررسانی کے لئے آپ کی گھات میں رہتا ہے. (إِنَّهُ يَراكُمْ هُوَ وَ قَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لا تَرَوْنَهُم) وہ اور اس کے کارندے ایسی جگہ سے آپ کو دیکھتے جہاں سے آپ نہیں دیکھ سکتے، وہ آخر دم تک آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتا ا.

آپ کو مسلح رہنا چاہیئے:

پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے اور جب دشمن اس قدر قوی و چالاک ہے اور ہر ظاہر اور مخفی طریقے سے ہمارے درپے ہے تو ہم پر کیا فرض عائد ہوتا ہے یہی تاکہ ہم پورے طور پر مسلح ہوں اور ہمیشہ مسلح رہیں اور جب دشمن ہر لحظ آپ کی معمولی سی غفلت کا منتظر ہے تو آپ کو بھی چاہیئے کہ کسی لحظہ اپنا اسلحہ نہ اتاریں اگر آپ نے ایک لحظہ کے لئے بھی اپنا اسلحہ اتاریا ایک لمحہ کے لئے بھی غافل ہوئے تو آپ کی خیر نہیں.

انسان کا اسلحہ تقویٰ ہے ابلیس کے مقابل آپ کو ہمیشہ خبردار اور مسلح رہنا چاہئیے.

مومن کا اسلحہ مستجبات اور ترک مکروہات:

اپنی قوت و استطاعت کے مطابق مستجبات انجام دینادفع دشمن اور اس کے رفع شر کے لئے بہت موثر ہے. اسی طرح ترک مکروہات حتیٰ کہ ترک غفلت بھی اس مقصد کے لئے بہت مفید ہے.

جتنا انسان دشمن سے غافل ہوگا اور گناہوں پر عمل پیرا ہوگا اتنا ہی خود کو اژدھا کے منہ سے قریب لے جائے گا اور اسی اندازے سے شیطان کا تقریب بھی حاصل کریگا لیکن اتنی دوستی اور قربت کے باوجود بھی اگر شیطانت بوقت مکافات عمل اس کے سر سے ہاتھ اٹھالے اور دوستی کا کوئی پاس نہ کرے تو اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے؟!

شیطان تدریجا اپنے حملوں میں شدت لاتا ہے:

اس کی ابتدائی کوشش یہ ہوتی ہےت کہ مومن کومکروہات کے ارتکاب پر اکسائے اس کے بعد وہ اس کے سامنے گناہاں صغیرہ کی راہ کھولتا ہے پھر ان پر اصرار پر اور انہیں معمولی سمجھنے پر جو خود ایک گناہ کبیرہ ہے. جناب مصنف کی کتاب "گناہاں کبیرہ" اور اسی طرح "قلب سلیم" میں یہ موضوع پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اسے مجبور کرتا ہے اس کے بعد اسے گناہاں کبیرہ پر لگادیتا ہے اور آخر میں اس کے قلب وروح پر غلبہ وتسلط حاصل کرکے اس کے ایمان پر حملہ آور ہوتا ہے اور مومن کو وسوسہ اور شک میں مبتلا کرکے اسے اپنا صید زبوں بنالیتا ہے کہ اس بچارے کو یہ سمجھنے کے قابل بھی نہیں رہنے دیتا کہ وہ کس دام میں پھنس گیا ہے.

صرف اہل تقویٰ ہی اپنے کاری اسلحہ کی مدد سے خود کو شیطان کے شر سے محفوظ کرسکتے ہیں بچارے نہتے لوگوں کی کیا مجال کہ ملعون دشمن کے مقابلے میں آئیں.

وضو مومن کا تیز دھار اسلحہ ہے:

بہت سے مستجبات ہیں جودفع دشمن کے لئے ضروری اسلحہ میں شمار ہوتے ہیں ان میں سے ایک وضوء ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے "الوضوء سلاح المؤمن" وضوء مومن کا ہتھیار ہے، مومن کا فرض ہے کہ شیطان کے سامنے خود کو یوں سمجھے کہ دشمن کے مقابلے میں صف آرا ہے لہذا لازمی طورپر وضوء رہے اور جسم کو ہمیشہ پاک وطاہر رکھے.

اور سب سے بہتر یہ ہے کہ ہمیشہ باوضوء رہے اور جب وضو کئے ہوئے کافی وقت گذر جائے ہرچند وضو نہ ٹوٹا ہو تو اس کی تجدید کرے کیونکہ "الوضوء نور والوضوء علی الوضوء نور علی نور" وضو نور ہے اور وضو پر وضو نور علی نور ہے،یہی وضو وہ نور ہے جو شیطانت کی افریدہ ظلمت کو دور کر کے ضلالت سے باز رکھتا ہے.

سوتے وقت بھی وضو کر کے بستر پر جانا مستحب ہے آپ کو چاہیئے کہ مسلح ہو کر سوئیں تاکہ آپ کے وضو کا نور نیند کے دوران شیطان کی ظلمت کو آپ سے درور کھے.

روزہ اور صدقہ سے شیطان کی کمر ٹوٹتی ہے:

اس اسلحہ میں چند ہتھیار ایسے ہیں جن سے مسلح رہنے کی تاکید سرور عالم خاتم الانبیاء ﷺ نے فرمائی ہے:" وَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ص لِأَصْحَابِهِ أَ لَا أُخْبِرُكُمْ بِشَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ فَعَلْتُمُوهُ تَبَاعَدَ الشَّيْطَانُ عَنْكُمْ كَمَا تَبَاعَدَ الْمَشْرِقُ مِنَ الْمَغْرِبِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الصَّوْمُ يُسَوِّدُ وَجْهَهُ وَ الصَّدَقَةُ تَكْسِرُ ظَهْرَهُ وَ الْحُبُّ فِي اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ الْمُؤَازَرَةُ عَلَى الْعَمَلِ الصَّالِحِ يَقْطَعُ دَابِرَه" "حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا...روزہ سے شیطان کا منہ کالا ہوتا ہے صدقہ سے اس کی کمر توڑتا ہے استغفار سے اس کی رگ حیات کٹتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور عمل صالح سے اس کی جڑ اکھڑ جاتی ہے".

روزہ سے، اگر آپ اس کی سکت رکھتے ہوں، آپ کے دشمن کو روسیاہی ملتی ہے. اگر غیب کے پردے آپ کی آنکھوں سے اٹھالئے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ شیطان ملعون کا مکروہ چہرہ آپ کے روزے کے اثر سے سیاہ ہوگیا ہے.

لیکن شیطان اتنا کمزور ناتوان بھی نہیں ہے کہ آسانی سے ایک روزہ رکھ کر آپ اس ک منہ کالا کردیں گے اور صدقہ کی ایک ہی ضرب سے اس کی کمر توڑدیں گے انسان کو چاہیئے کہ ہر عمل پورے اخلاص سے انجام دے اور ہفت حجاب سے گذر ابلیس کی کمر توڑ کر اسے خاک ملادے.

پھر صدقہ ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق شیطان کی کمر توڑتا ہے ضرور توڑتا ہے لیکن اس کے لئے اس کا بارگاہ الٰہیٰ میں مقبول ہونا شرط ہے.

میں نے شیطان کی ماں کو دیکھا:

انوراجزائری میں منقول ہے ایک دفعہ قحط سای کے دوران ایک واعظ مسجد کے منبر پر بیٹھا کہہ رہا تھا: اگر کوئی چاہیئے کہ صدقہ دے تو ستر شیطان کے ہاتھ سے چمٹ جاتے ہیں اور اس سے باز رکھنےم کی کوشش کرتے ہیں.

ایک مومن جو منبر کے پائے کے ساتھ بیٹھا یہ سن کر تعجب سے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: بھلا صدقہ سے شیطان کا کی تعلق ہے لو میرے پاس گھر میں گندم موجود ہے میں ابھی جاتا ہوں اور اسے مسجد میں لا کر فقراء میں تقسیم کرتا ہوں بھلا دیکھوں شیاطین مجھے کیسے روکتے ہیں. پس اٹھا اور گھر چلا گیا.

جب گھر پہنچا اور اس کی بیوی اس کے ارادے سے آگاہ ہوئی تو اسے سرزنش کرنے اور ڈانٹنے لگی کہ اس قحط کے زمانے میں اپنی اور اپنے بیوی بچوںٹ کی پروا نہیں کرتے ہو شاید یہ قحط طول پکڑ جائے تو ہم بھوکے مریں گے. وغیرہ وغیرہ...بہرحال وسوسہ میں بتلا ہو کر وہ مرد مومن خالی ہاتھ مسجد میں اپنے ساتھیوں میں واپس آگیا.

دوستوں نے پوچھا: کیا ہوا خالی ہاتھ لوٹ آئے ہو دیکھا! آخر وہ شیطان تمہارے ہاتھ سے چمٹ ہی گئے اور انہوں نے تمہیں صدقہ نہیں دینے دیا. اس نے جواب دیا: "شیطان تو مجھے نظر نہیں آئے البتہ ان کی ماں کو میں نے ضرور دیکھا جو اس کار خیر میں رکاوٹ بنی".

الغرض انسان چاہتا ہے کہ شیطان کا مقابلہ کرے لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات بیوی یا اس کی دوست عورتوں کی مصلحت بینی کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کر سکتا.

اور صدقہ یہ بھی نہیں ہے کہ جب کو ٹوٹل کھرچ کر ایک دو روپیہ نکال کر دے دیں کیونکہ (لَنْ تَنالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ) تم نیکی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہ خدا میں انفاق نہ کرو.

آپ کی مالی قوت کیا ہے؟ اگر آپ واقعی مال دار ہیں تو تاوقتیکہ پانچ سو یا ہزار روپیہ کا چک جیب سے نہ نکالیں گے شیطان کی کمر نہیں ٹوٹے گی. اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس عطئے کو جتلا کر یا اس کے بارے میں دوسرے شخص کو اذیت دیکر باطل نہیں کر دیں گے. نمائش اور شہرت کا تو ذکر ہی کیا؟!

توبہ بھی ایک طاقتور ہتھیار ہے:

شیطان اپنی ہر ممکن کوشش سے انسان کو گناہ کی دلدل میں ڈالتا ہے اس وقت اگر انسان سچے دل سے توبہ کر لے تو شیطان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے.

لیکن دشمن بہت ہوشیار ہے اور اپنی سی انتہائی کوشش کرتا ہے کہ انسان توبہ تک نہ پہنچ سکے، وہ اس کے دل میں القاء کرتا ہے آخر ہوا کیا؟ کون اس اتنا بڑا گناہ تم نے کر لیا ہے کہ اب نادم ہو. نہیں دیکھتے کہ دوسرے کیا کچھ کرتے پھرتے ہیں ابھی تو تم جوان ہو اتنی جلدی بھی کیا ہے. اگر توبہ ضروی ہی کرنی ہے تو بڑھاپے میں کر لینا. اس وقت توبہ ٹھیک رہے گی کیونکہ کمزوری اور ناتوان کی وجہ سے توبہ توڑ نہیں سکو گے اور وہ قائم رہے گی. اب جوانی کے عالم میں کی ہوئی توبہ اس توبہ شکن دنیا میں کیسے قائم رہ سکتی ہے...

دوطاقتور شیطان کش ہتھیار:

مزید طاقتور ہتھیار جوکہ بنی ﷺ کے فرمان کے مطابق شیطان کونابود کرسکتے ہیں دو ہیں : ایک خداکی مخلصانہ اطاعت اوردوسرے عمل صالح پرمداومت.

ہم نفس کے ماروں کو بہ ہنگام قیامت
افسوس بہت ہوگا کہ کیوں نفس نہ مارا

یہ جہاد اکبر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محض اسی کی ذات کے لئے اپنے منافع و مصالح اور خواہش نفس کو یکسر نظر انداز کرکے دوستی کی جائے یہ جہاد کفار کے ساتھ جہاد سے افضل ہے.کیونکہ اپنے حقیقی داخلی دشمن نفس امارہ سے ہے.اگرجہاد کامیاب نہ ہواتو کفار کے ساتھ جہاد بھی ناکام رہے گا بلکہ شیطان ہی کی انگیخت پر ہوگا جس میں جان بھی بہر حال جائیگی اور عاقبت بھی برباد ہوگی.

حضرت امام سجاد علیہ السلام اپنی دعامیں یوں عرض کرتے ہیں:"اے پروردگار میں اس دشمن سے تیری پناہ طلب کرتاہوں.اے گھر کے مالک یہ کتامجھ پر حملہ آور ہوتاہے میری فریاد کو پہنچ اور مجھے اس سے بچا".

"واغوثاه من عدو استكلب علی"

ابلیس پائے امام سجاد علیہ السلام کوکاٹتاہے:

"مدینۃ المعاجز" میں مذکور ہے کہ جناب سید ساجدین علیہ السلام ایک روز نماز میں مصروف تھے ابلیس نے چاہا کہ امام علیہ السلام کی استغراق کی کیفیت می کمی ہوجائے.اپنے ایک چیلے کو اس نے حکم دیا کہ امام علیہ السلام کوکوئی جسمانی اذیت پہنچا کر آپ کی توجہ الی اللہ استغراق فی اللہ میں خلل ڈالدے.وہ راضی ہوگیا اور روایت میں آیا ہے کہ اس نے ایک بڑے سے اژدھاکی شکل اختیار کی"ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں کہ شیطاطین کوئی بھی شکل اختیار کرسکتے ہیں اور امام علیہ السلام کے پاس آیا آپ بدستور بے حس و حرکت عبادت میں مصروف رہے.اس ملعون نے پائے مبارک امام علیہ السلام کے انگوٹھے کوکاٹ لیا لیکن آپ کو اس کا ہرگز کوئی احساس نہ ہوا پس آسمان سے قہر الہی کی ایک خوفناک گونج نے اس لعین کے اس فعل کو قطع کیا اور زمین وآسمان کے درمیان آواز بلند ہوئی "انت زین العابدین" "آپ واقعی عبادت گذاروں کی زینت اور ان کے لئے سرمایۂ فخر ونازہیں".اس وصف عظیم کے مالک یہ فخر عبادت گذاران عالم اللہ کے حضور التجاء فرماتے ہیں کہ اے پروردگار مجھے اس کتے سے اپنی پناہ میں رکھ اے صاحب آستانہ قدس مجھے اس کے حملے سے محفوظ رکھ.

شیطانی ہتھکنڈوں سے لوگوں کو آگاہ کرو:

سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا حال بیان کیا گیا تو ہم ناچیز کس شمار قطار میں ہیں جو جہل میں اسیر اپنی ذات سے بھی بے خبر ہیں جس کی وجہ سے ہم شیطان کی ادائی سی انگیخت پر راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں.

اے اہل عقل شیطانی ہتھکنڈوں سے عوام کو روشناس کراؤ. فسا اخلاق کے ان اسباب نے شیطان کی آنکھیں آگے ہی بہت ٹھنڈی کردی ہیں تم مزید اس کے شیطانی کارناموں پر مہر تصدیق ثبت نہ کر نہی عن المنکر ہر انسان پر واجب ہے کم از کم ان شیطانی کاموں سے نفرت کا اظہار کرو. اس کے لئے تو کوئی شرط نہیں ہم سب کا فرض ہے کہاس غلط اور نازیبا صورت احوال سے نجات حاصل کریں.

ہروہ شخص جو کسی کے فعل بد کو دیکھے اور اس پر ناراضگی کا اظہار ن کرے بلکہ اس سے خوش ہو، اس کے گناہ میں شریک سمجھا جائے گا. کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص صرف معاشرہ کی نظروں میں گرجانے کے خوف سے سینما تھیٹر یا فسق وفجور کے دوسرے مقامات میں نہیں جاتا. لیکن ان جگھوں سے دلی طور پر نفرت نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے زیادہ بندوں سے ڈرتا ہے. وہ بھی یقیناً گناہوں میں برابر کا شریک ہے.

بال سے باریک اور تلوار سے تیز:

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی شیطان ملعون کے ہی ساتھی ہوں اور وہ ہمارے رگ وپے اور گوشت پوست میں رچا بسا ہوا ہو. ایسا نہ ہو کہ اپنے خیال کے مطابق تو ہم کار خیر انجام دے رہے ہوں اور بزعم خود حسنات بجالا رہے ہوں لیکن در اصل یہ سب کچھ شیطان ہی کی انگیخت پر ہو رہا ہو. یہ مقام اتنا نازک ہے کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے آپ کو معلوم ہی ہے کہ صرف ایک نقط کے اضافے سے محروم بن جاتا ہے.

بقول حاجی نوری، بعضی لوگ اسی غرور میں ہلاک ہوجاتے ہیں کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے محب ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ محبت کا صرف زبانی دعویٰ انہیں جنت میں لے جانے کے لئے کافی ہے. اگر دل سے حب علی علیہ السلام پر قائم ہوں تو دین کے جملہ احکام کی پوری اخلاص سے تعمل کریں اور نہ عین ممکن ہے کہ حب علی علیہ السلام کے کھوکھلے دعوے بھی شیطان ہی کی انگیخت کے مرہون منت ہوں.

اے بچارہ وبے بس مسلمان خبردار ہو کہ تیرے ایمان کی اصل خطرے میں ہے اگر شیطان نے تجھے وقت مرگ وسوسے میں بتلا کردیا تو کیا کرے گا. اپنے زعم میں تو تُو علی علیہ السلام کا محب ہے.

یہ زبان کیاہے تیرادل کس کے سامنے جھکاہواہے.کہاں جارہاہے، کس کی اطاعت میں بتلا ہے بس وہی تیرا محبوب و مطلوب بھی ہے خدانے چاہاتو حب علی ؑ بھی موجود ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ اس پر کوئی اور محبت غالب آجائے سچ بتاتُواپنی نفسانی خواہشات کو دوست رکھتاہے یا علی ؑ کو اپنی دنیا سے زیادہ پیار کرتا ہے یا دین سے اگرتیری دنیادرست ہوجائے تو کیا تجھے آخرت کی کوئی فکر باقی نہیں رہے گی.....

امور آخرت بہ نیت دنیوی:

دلوں کو شیاطین شکار کرچکے ہیں.آخرت کی فکر کسے ہے جب حضرت ابوالفضل عباس ؑ کی مجلس میں توسل کے لئے جاتے ہیں کہ فلاں دنیوی حاجت پوری ہوجائے پس یہ عبادت کار دنیا کے سدھرنے کی عرض سے کرتے ہیں اور بہانہ اس کا"توسل" کو بنالیتے ہیں.اگر بلاتوسل آپ کا یہ کام ہوجاتا تو جناب ابولفضل عباس ؑ سے آپ کو کوئی سروکار نہ ہوتا.

کیا کبھی ایسا بھی ہواہے کہ اس ارادے سے آپ نے توسل کیا ہو کہ حب علی ؑ پرزندگی کا انجام ہو ایسا نہ ہو کہ یہ مختصر سی دوستی دم نزع شیطانی تصرفات کی وجہ سے ہو.

تین لاکھ کافاصلہ:

روایات میں آیا ہے کہ بعضی محبان علی ؑ تین لاکھ سال (کےعذاب کے)بعد حضرت امیرالمؤمنین ؑ تک پہنچیں گے.

یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ آپ کا دل کاہزاروان حصہ علی ؑ کے لئے تھا خدمت امام میں پہنچنے سے قبل یہ حجابات دور ہونے ضروری ہیں پہلے غیر کی بے حقیقت محبت کارنگ دل سے برطرف ہوگا تو علی ؑ پہنچنا ممکن ہوگا اے امیرالمؤمنین ؑ آپ خودہی نظر کرم فرمادیں.

ہمیں امید کرنی چاہئے کہ ہماری موت حب اہل بیت علیہم السلام پر ہو اور حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہمارے شامل حال رہے.

رکن اول

تقویٰ

مجلس 8

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ

تقویٰ استعاذہ کا پہلا رکن:

ہماری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ استعاذہ کا اولین رکن تقویٰ ہے تو سب سے پہلے ستوں کو درست اور مضبوط ہونا چاہیئے تاکہ عمارت اس پر قائم رہ سکے۔

تقویٰ "وقایۃ" سے ہے جس کا معنی نگہداشت اور حفاظت ہے شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی مخالفت سے پرہیز کو تقویٰ کہتے ہیں۔

یہ بہت ضروری ہے کہ تقویٰ ایک عادت اور ایک ملکہ کی طرح ہمارے اخلاق میں اتنا راسخ ہوجائے کہ گناہ ہمیں تلخ محسوس ہونے لگے اور مثلاً اگر سب لوگ مل کر بھی اگر چاہیں کہ ہمیں کسی کی غیبت پر آمادہ کریں تو کامیاب نہ ہوسکیں یعنی ایسی حالت ہمارے نفوس میں پیدا ہوجائے کہ اس کا برطرف کرنا محال یا کم از کم سخت مشکل ہو اور مداومت کی وجہ سے اپنے نفس اور شیطان ملعون پر قدرت وتسلط حاصل ہوجائے۔ اس کو ملکۂ تقویٰ کہتے ہیں۔

ترک مکروہات برای محرمات:

اس مقام تک پہنچنے کے لئے مکروہات کا ترک کرنا بہت ضروری ہے تاکہ حرام کا ترک کرنا ہمارے لئے آسان ہوجائے اور اس پر تکرار ومداومت سے تقویٰ کا ملکۂ اور عادت ہم میں پیدا ہوجائے اور جب ہم مکروہات کو کہ جن کے ارتکاب کی کوئی سزا نہیں، ترک کردیں گے تو ترک حرام ہمارے لئے بہت آسان ہوجائے گا اور پھر بالتدریج ہماری عادت بن جائے گی۔

اور جہاں تک ممکن ہو ہمیں چاہیئے کہ مستحبات کو ترک نہ کریں کیونکہ مستحبات کی انجام دہی کی برکت سے واجب کو ترک کرنا ہمارے لئے محال ہوجائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص نماز نافلہ کو ترک نہ کرتا ہو، نماز واجب اس سے کبھی فوت نہیں ہوسکتی۔

پرخار جنگل اور پابرہنہ مسافر:

کسی عالم عارف نے تقویٰ کی بہت پر لطف تعریف فرمائی ہے اور بڑی دلچسپ مثال سے اسے واضح کیا ہے فرماتے ہیں:
جب آپ کسی کانٹوں بھر سے جنگل میں ننگے پاؤں چل رہے ہوں تو راستہ کیسے طے کریں گے کیا اسی طرح اٹھاکر نظریں افق میں جمائے چلتے رہیں گے یا پوری توجہ واحتیاط سے پھونک کرقدم رکھیں گے تاکہ پیرمیں کانٹا نہ لگ جائے اور آپ اذیت سے دوچانہ ہوجائیں.
بس تقویٰ کا یہی معنیٰ ہے کہ زندگی راہ میں قدم قدم پر شیطان کے بکھرے ہوئے کانٹوں سے آپ بچ جائیں.اور سلامتی کے ساتھ راہ حیات طے کریں.

دانہ ودام ابلیس:

یہ احتیاط اتنی ضروری ہے کہ حضرت امام سیدالساجدین زین العابدین علیہ السلام سے صحیفہ سجادیہ میں یہ دعا منقول ہے:اے پروردگار میں ابلیس کے پھندوں اوردام ہائے فریب سے آپ کی پناہ طلب کررہاہوں آپ نے بارہا دیکھا ہے کہ شکاری اپنے جال کوپوشیدہ کرکے یا اسے ہم رنگ زمین بناکر اس پر دانہ بکھیرتاہے.اس کا شکاردانے کو دیکھ لیتاہے لیکن دام اس کی نظروں سے پوشیدہ رہتاہے.دانے کے لالچ میں آتاہے لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے ہی دام میں پھنس جاتاہے.
ابلیس لعین کے دام بے شمارہیں گناہ ومعصیت کے بے شمار گڑھے اس نے کھودکران کو خاشاک فریب سے پوشیدہ کیا ہواہےاور ترغیب و تحریص کے دانے ان پرڈالے ہوئے ہیں تاکہ ناسمجھ انسان سے کےدلرباظاہرپر فریفتہ ہوکردام پھنس جائے.

تقویٰ دام ابلیس کودیکھ لینے کی صلاحیت ہے:

تقویٰ کامقتضایہ ہے کہ ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھیں نگاہ کوکسی چیزکے خیرہ کن زرق برق ظاہر سے فریب نہ کھانے دیں دام ابلیس کو دیکھیں.بندہ خوش بخت بس وہ ہے جو آخرین ہے.
اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمیں بصیرت دینی عطاہوتاکہ ہم ابلیس کے پھندوں اور اس کےدام ہائے فریب کو دیکھ سکیں نہ کہ دارنہ دنیاکے طمع میں اندھے ہوکر اس میں جاگریں.

کچھ ناگزیر مثالیں بازار دام شیطان ہے:

رسول خدا ﷺ سے روایت ہے کہ بازار ابلیس کا میدان ہے:"عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شَرَّ بِقَاعِ الْأَرْضِ الْأَسْوَاقُ وَ هُوَ مَيْدَانُ إِبْلِيسَ يَغْدُو بِرَايَتِهِ وَ يَضَعُ كُرْسِيَّهُ وَ يَبُثُّ ذُرِّيَّتَهُ فَبَيْنَ مُطَفِّفٍ فِي قَفِيزٍ أَوْ طَائِشٍ فِي مِيزَانٍ أَوْ سَارِقٍ فِي ذِرَاعٍ أَوْ كَاذِبٍ فِي سِلْعَةٍ" روئے زمین کا بدترین حصہ بازار ہے، یہ شیطان کا میدان ہے جہاں وہ صبح کے وقت اپنا جھنڈا گاڑ دیتا اور اپنی کرسی لگا لیتا ہے اور بساط فریب بچھا کر ناپ، تول اور پیمائش میں بددیانتی کرتا اور ناخالص مال بیچتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ازروئے فرمودات معصومین علیہم السلام بازار میں زیادہ دیر تک ٹھہرانا مکروہ ہے۔کیونکہ بازار صرف جا جائے معاملات ہے اور بازار کے ساتھ خصوصی نسبت صاحبان فہم کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔

نیز سب سے پہلے بازرا میں داخل ہونا اور سب کے بعد وہاں سے نکلنا بہت مکروہ ہے کیونکہ اس دوران میں شیطان انسان کا رفیق ہوتا ہے چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ جناب امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے 18 رمضان المبارک کے دن عبد الرحمن ابن ملجم کو کوفہ کے بازار میں گھومتے دیکھا تو اس سے فرمایا:"یہاں کیا کر رہے ہو" اس نے عرض کیا: گھوم رہا ہوں، آپ نے فرمایا: بازار شیطانوں کی جگہ ہے۔

یعنی بازرا میں بلا ضرورت گھومنا خواہ مخواہ قابل اعتراض سرگرمیوں میں مصروفیت کو مستلزم ہے چنانچہ آج بھی بازار میں بلاوجہ گھومنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔اگر آپ تقویٰ چاہتے ہیں تو آپ کو اسی طرح احتیاط کرنا ہوگی جس طرح راہ پرخار کا مسافر کرتا ہے۔

بازار میں داخلے کے وقت استعاذہ:

جب آپ بازار میں داخل ہوں تو اللہ تعالیٰ سے پناہ کی یوں التجا کیجئے:

پروردگار میری حفاظت فرما کہ گناہ میں نہ پھنس جاؤں، معاملے میں بددیانتی کا مرتکب نہ ہوں جھوٹ نہ بولوں کسی کی بے عزتی اور توہین نہ کروں دھوکے اور فریب سے بچوں، غلط قسم کے خیالات کی تبلیغ نہ کروں اور حرص اور لالچ کا شکار نہ ہوں یہ سارے کے سارے شیطانی فریب اور ابلیسی ہتھکنڈے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ بازار مت جائیے اور لین دین نہ کیجئے بلکہ مقصد میرا صرف یہ ہے کہ اپنے خداداد عقل وجود اس سے کام لیجئے اور محتاط رہئیے۔

ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے:"میں نے آنجناب سے پوچھا میرا ایک عورت سے لین دین ہے مجھے ناچار اس کا چہرہ دیکھنا پڑتا ہے۔کیا مجھے اسے دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ آنے فرمایا: اتقی اللہ، بس خدا کا خوف دل میں رکھ اور احتیاط کر"۔

ملاحظہ فرمائیں یہی نگاہ بار بار اس عورت کے چہرے پر پڑنے سے شہوت زدہ ہو سکتی ہے اور حفظ نفس کا باعث بنکر اس کی بد بختی کی وجہ بن سکتی ہے.

بازار کے اندر شیطان کا پھندا:

حتی کہ آپ کو رستہ چلتے ہوئے بھی متوجہ و محتاط رہنا چاہئے اگر آپ سمجھتے کہ ایک راہ میں دام شیطان موجود ہے تو دوسرا راست اختیار کیجئے خواہ وہ کتنا ہی دور ہو مثلاً اگر آپ کے رستے میں سینما یا دوسرے فواحش کا کوئی مرکز ہے، بازاری یا عریان و بے پردہ عورتیں یا ان کی تصویریں جو ہیجان شہوت کا باعث ہو سکتی ہیں تو دوسرا رستہ اختیار کریں تا کہ آپ کی نگاہ ایسے حرام مناظر پر نہ پڑے آپ یہ نہ کہیں کہ ہم ایسے فریب میں پڑنے والے نہیں ہیں لیکن پھر بھی احتیاط بہت ضروری ہے کیونکہ کم از کم ایسے مناظروں کو خدائے تعالیٰ سے غافل تو کر ہی سکتے ہیں.

رفیق سفر خطرناک پھندا:

کبھی کبھی خود انسان کا رفیق سفر بھی ابلیس کا دام ثابت ہو سکتا ہے وہ بد زبان غیبت کرنے والا اور نا اہل ہو سکتا ہے ایسے ساتھی کو فوراً بدل دینا چاہیئے.

دو ہم نشینوں کا بالخصوص جب وہ عورتیں ہوں جو عموماً کم حوصلہ ہوتی ہیں شیطان فریب میں پھنس جانے کا زیادہ اندیشہ ہے جب آپس میں باتیں کرتے کرتے دوسروں کا ذکر درمیان میں آتا ہے تو کبھی کسی کا اور کبھی کسی کا ذکر کرتی ہیں اور رفتہ رفتہ مباح باتوں سے گذر کر غیبت، تہمت، افترا، استہزا، اور افشائے راز اور ہتک حرمت تک پہنچ جاتی ہیں.

دام ابلیس ایسا ہی ہے وہ پہلے تو خوش کلامی، خوش گپیوں اور احوال پرسیوں کا دانہ دکھاتا ہے اور پھر ان کے نیچے چھپے ہوئے فعل حرام کے جال میں انہیں پھنسا دیتا ہے.

کئی بار آپ نے مشاہدہ کیا ہے کہ دو شخص بڑی دوستانہ صحبت میں بیٹھ گئے، ان کی باتوں میں ابتداء میں کوئی عیب یا خرابی نہ تھی لیکن ایک گھنٹے ہی کے اندر ان کی باہمی باتوں نے انہیں دوزخ کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا. اب وہاں سے نکلنا ایک طویل محنت ہی سے ممکن ہے. اس صورت میں اگر وہ دونوں مسجد میں بھی جائیں گے تو یہ خیال نہ کیجئے کہ خدا پرست ہو گئے کیونکہ شیطان بدستور ان کے ہمراہ ہے.

اپنے آپ کو پہچانئیے:

الغرض ابلیس کے پاس اتنے دام ہیں کہ اگر انسان صاحب تقوي یا محتاط ہو تو اس کو اس طرح جکڑتا ہے کہ جب تک جہنم میں نہ پہنچادے چھوڑتا نہیں.

اے اہل عقل !احتیاط کیجئے اور خصوصاًزبان کو پورے قابو میں رکھے آپ کو دوسروں میں کیڑے نکالن سے کیا مطلب !!ہر شخص اپنے اعمال وافعال کے حساب کا ذمہ دار ہے کسی ایک کا بوجھ دوسرے کی گردن میں نہیں ڈالا جائے گا

. وَ لا تَزِرُ وازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرى

یادر کھے کہ ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنا ،چغلی کھانا یا غیبت کرنا شیطان کا دام ہے جب آپ دوسروں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے ہوں تو اس دام سے محتاط رہئیے.

عورت سب سے خطرناک دام ہے:

سب سے اہم اور بقول صحیح شیطان کا خطرناک ترین دام عورت ہے ماسوائے ان عورتوں کے جنہوں نے عمر بھر شیطان سے مردانہ وار مقابلہ کیا.

مرد کے شکار میں تو کچھ وقت لگتا ہے لیکن عورت بہت جلد شیطان کا شکار ہوکر مرد بیچارے کے لئے اس کا دام بن جاتی ہے .کیا آپ نے سنا نہیں کہ شیطان اپنے تمام قويٰ کے بھرپور استعمال کے باوجود جناب آدم علیہ السلام کو نہ بھکا سکا اور بالآخر حوا علیہا السلام کو اپنے دام فریب میں پھنسا کر ان کے ذریعے سے آدم علیہ السلام کو فریب دیا.

روایت میں آیا ہے کہ شیطانت نے جناب یحیی سے کہا:"جب کبھی بھی میں کسی کو اپنے دام میں لانے سے عاجز ہوجاتا ہوں تو اپنی مقصدبراری کے لئے کسی عورت کا دامن پکڑتا ہوں".

جی ہاں عورت کی مدد سے وہ اپنے مقصد کی طرف بڑھتا ہے اور اس کی برکت سے اپنی مراد کو پہنچتا ہے.

وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْليسُ ظَنَّه

یقیناًابلیس نے ان کے بارے میں اپنے گمان کو سچ کر دکھایا.

عورت کی ہمنشینی گناہ کا مقدمہ:

یہی وجہ ہے کہ روایات اہل بیت ؑمیں وارد ہوا ہے کہ عورت کی زیادہ ہمنشینی انسان کو سخت دل بنادیتی ہے.

اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت سے کنارہ کش ہوجانا چاہئے بلکہ احتیاط ضروری ہے کیونکہ اس کی قربت شیطان کے داموں میں سے ایک دام ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ اس کا ایک حرف آپ کی فکر کی راہیں بدل دیتا ہے، آپ کو جذباتی کردیتا ہے اور بہت سے گناہوں کی وجہ بن جاتا ہے.

اور بہت افسوس کا مقام ہے اگر عورت بیگانہ ونامحرم ہو اور اس پر مستزاد اگر وہ آپ کے ساتھ اکیلی ہو تو پھر شیطان بڑا ہی سخت اور خطرناک ہے.

بیگانہ یا اجنبی عورت سے مصافحہ یا اس کے ہاتھ میں لینا حرام ہے. ان غیر متقی حیوانوں کو ذارا دیکھو کس قدر شیطان کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ عورت کے بدن کا مرد کے بدن سے چھوجانا بھی شیطان کا ایک دام ہے.

برصیصائے عابد کا واقعہ:

ایک عابد گوشہ نشین جس کا نام برصیصا تھا، ہمیشہ عبادت الہی میں مصروف رہتا تھا لوگ اس کو مستجاب الدعوۃ کہتے تھے کہ اس کی دعا ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت پاتی تھی بادشاہ وقت کی بیٹی کسی سخت مرض میں مبتلا ہوگئی اور کوئی علاج بھی اس پر کارگر ثابت نہ ہوا آخر کار اس کے علاج اور شفایابی کو برصیصائے عابد کی دعا پر منحصر سمجھا گیا لیکن وہ اپنی عبادت کی خلوت کو چھوڑ کر شہر یا قصر شاہی میں جانے پر راضی نہ ہوا.

آخر کار لوگ مجبور ہو کر بیمار شہزادی کو برصیصا کی عبادت گاہ میں لائے تاکہ اس کی دعا سے وہ صحتیاب ہوجائے اور اسے اس کے پاس چھوڑ کر چلے گئے.

یہ بدبخت عابد اگر واقعی صاحب تقویٰ ہوتا تو فریاد کرتا، شور مچاتا کہ اجنبی لڑکی کو میرے عبادت خانے میں چھوڑنا جائز نہیں اسے لے جاؤ میں اس کے لئے دعا کروں گا وہ صحتیاب ہوجائے گی... اس مقام پر اس نے احتیاط نہ کی تقویٰ کا تقاضا یہ تھا کہ بے گانہ لڑکی کے ساتھ خلوت میں نہ رہے لیکن اس نے حقیقت کو اہمیت نہ دی اور شیطان کے دام میں پھنس گیا...

اس نے لڑکی کی طرف دیکھا اس کے حسن بیمار نے اس کی تمام تر توجہ کو اپنی طرف مرکوز کرلیا وہ ساری عمر ایسی صورت حال سے دوچار نہ ہوا تھا یہاں ذہنی اور جذباتی دلالی شیطان جیسا جغادری فریب کار کر رہا تھا اتنے سالوں کی عبادت اس عابد کی شہوت کو قابو میں نہ رکھ سکی اور بالآخر اس نے منہ کالا کر ہی لیا اور فعل حرام کا مرتکب ہوگیا.

لیکن شیطان نے اس پر اکتفا نہ کی اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ ظالم تو نے خود کو رسوا کرڈالا کل جب لوگوں کو پتہ چلے گا کہ تو نے بادشاہ کی بیٹی سے زنا کیا ہے تو تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے اگر تو موت سے بچنا چاہتا ہے تو اس لڑکی کو قتل کرکے زمین میں دفن کردے اور جب تجھ سے پوچھیں کہ لڑکی کہاں ہے تو کہنا کہ مجھے کیا خبر کہاں چلی گئی.

قصہ مختصر کہ اس اتنا وسوسہ زدہ کیا کہ اس نے لڑکی کو سوتے میں گلا گھونٹ کرہلاک کردیا پھر اس کو ایک گڑھے میں دفن کردیا اور اس پر مٹی وپتھر ڈال کر اسے ڈھک دیا.

یہ ملعون دشمن ایک ہی دام پر اکتفا نہیں کرتا اورتاوقتے کہ خود اپنے مقام پر نہ پہنچائے دم نہیں لیتا تاکہ ایمان وانسانیت کی اگرذرہ بھر بھی کوئی رمق اس میں باقی رہ گئی ہے تو اس سے بھی اسے محروم کردے.

دوسرے دن جب بادشاہ کے لوگ برصیصاء کےپاس لڑکی کی خبر کو آئے تو اس نے تجاہل کیا اور کہا !میں نے دعا کی اور وہ ٹھیک ہوگئی، اس کے بعد کا مجھے کوئی علم نہیں.

روایت ہے کہ ابلیس لڑکی کو تلاش کرنے والوں میں سے ایک کے سامنے انسان کی شکل میں ظاہر ہوا اور اس سے کہنے لگا: میں جانتاہوں کہ لڑکی کہاں ہے.پھر ان سب کو اس کے مقام دفن پر لے گیا اور ان کو قبر کی جگہ دکھائی.

لوگوں نے برصیصاکاعبادت خانہ ڈھاڈالااور اس کو گھسیٹ کر بادشاہ کے پاس لے گئے سب اس کی شکل پر تھوکتے تھے.

دیکھا آپ نے ایک لحظہ ہوس رانی یک عمر پشیمانی ایک لمحہ کی لذت نفس اور اس کے بعد مفاسد کاطوفان !

غرضیکہ بادشاہ نے اس کے قتل کاحکم صادر کیا اور اسے پھانسی دے دی گئی.

پرانے زمانے کی پھانسی آج جیسی نہیں ہوتی تھی کہ فوراً گلا گھونٹ کے ماردیابلکہ وہ کافی دیر لٹکارہا اور تڑپ کرہلاک ہوا بدبخت برصیصا کے پاس تختہ دار پر کوئی فریاد نہیں تھی جس وقت انتہائی فشار کے عالم میں اس کی جان نکلنے لگی تو شیطان اس کے سامنے نمودار ہوا اور کہنے لگا اگر اس وقت تو مجھے سجدہ کرلے تو تجھے بچالوں.جان بچانے کی خواہش میں وہ اس پر بھی راضی ہوگیا اس طرح شیطان نے دم آخر کو ایمان سے بھی محروم کردیا تاکہ اسفل السافلین میں اسے اپنا ہمنشین بنائے.

مجلس 9

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ

استعاذہ صرف تقويٰ کے ساتھ مفید ہے:

رات کی بحث کال خلاصہ یہ ہے کہ استعاذہ کارکن اول تقويٰ ہے.اگر تقويٰ موجود ہو تو استعاذہ کی حالت وکیفیت اور شر ابلیس سے اللہ تعاليٰ کے حضور پناہ طلبی اور جملہ (اعوذ بالله من الشيطان الرجيم)کی زبان سے ادائیگی نتیجہ خیزہیں ورنہ آپ ہزار بار اعوز باللہ کہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا.

آج رات سے ایک اور مطلب جو اس آیہ شریفہ سے مستفاد ہوتاہے عرض کرتا ہوں.

بے تقويٰ دل شیطان کا گھر:

جودل تقويٰ سے بے نصیب ہے یقین جانے کہ وہ شیطان کاڈیرا ہے ایسے دل سے شیطان آسانی سے رخصت نہیں ہوتا.

بے تقويٰ دل وہ دل ہے جس میں یادخدا نہیں ہے بلکہ وہ دنیوی شہوات،نفسانی خواہشات ،عارضی امیدوں،ہوا وہوس حرص وآز،خودپسندی ،خودنگری اور شیطانی وسوسوں کی آماجگاہ ہے اور دنیا کی چند روزہ زینت وآرائش کی بے مصرف آروزوگاہ ہے ایسادل شیطان کی اقامت گاہ اور اس کی اخلاق سوزسرگرمیوں کامرکز ہے اور جب تک ان امراض سے یہ شفایاب نہ ہو اور شیطانی اہداف ومقاصدکی تحقیق میں تعاون سےدست بردار نہ ہونا ممکن ہے کہ ہمیں حقیقت استعاذہ پیدا ہو.

مرغن غذا اور بھوکا کتا:

آپ نے تجربہ کیا ہوگاکہ اگر کوئی بھوکا کتا درانحالیکہ آپ کے پاس روٹی اور گوشت ہو،آپ کی طرف رخ کرے تو کیا وہ صرف آپ کےدھتکارنے اور" چیخ "کہنے سے آپ کا پیچھا چھوڑدے گا.اگر آپ اس کو دفع کرنے کی غرض سے ڈنڈابھی اٹھائیں گے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا اگروہ بھوکا ہے اور آپ کے پاس موجود خوراک پر اس کی نظر ہے تو اسے ڈنڈابھی ماریئے وہ دور نہیں ہوگا اور حصول غذا کے ارادے سے دست بردار نہیں ہوگا.

لیکن جب آپ کے پاس کچھ ہوگا ہی نہیں تو اگر کتا آپ کی رخ کریگا تو آپ کے صرف "چیخ" کہنے سے دفع ہو جائے گا کیونکہ اس کی تیز قوت شامہ اسے بتادے گی کہ آپ کا پیچھا کرنے کی زحمت سے کوئی فائدہ نہیں.

بیمار دل شیطان کی ضیافت گاہ:

آپ کادل شیطان کی نظر میں ہے. اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس میں اس کی خوراک موجود ہے یعین اس میں جب جاہ ومال وزروزیور اور شہرت دنیوی کی آرزو موجود ہے تو سمجھ لیجئے یہ اس کا پسندیدہ اقامت خانہ ہے جب وہ دیکھتا ہے اس میں ایسی حرص موجود ہے کہ سب کچھ پالینے کے باوجود کم نہیں ہوتی، اس میں ایسا بخل موجود ہے ہے جوہاتھ سے کچھ نہ دینے کے باوجود قائم رہتا ہے اور بغض و حسد بھی اس میں فراواں مقدار میں موجود ہے تو بہت خوش ہوتا ہے کہ واہ واکیا خوب مزید ار جگہ ہے کہ ہر مومن بھائی چیز یہاں موجود ہے.چنانچہ وہیں براجمان ہوجاتا ہے. لاکھ اعوذ باللہ من اشیطان الرجیم کا ورد کریں.اس معمولی سی "چیخ "کا اس پر قطعا کوئی اثر نہیں ہوگا. یہ دشمن بڑا ضدی ہے (إِنَّ لشَّيْطانَ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبين ، إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِين) یہ آپ کا کھلا دشمن ہے ، اس سے نجات پانے کے صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس کی خوارک اور اس کی سب من بھاتی چیزیں وہاں سے نکلا دیں پھر یہ ایک ہی (اعوذباللہ) سے بھاگ جائے گا .ایک ہی استعاذہ سے آپ جان چھڑاوے گا کیونکہ جس دل میں حب جاہ ومال ومنال دینا نہیں ہے اس ملعون ازلی کو وہاں سے کیا مل سکتا ہے.

اکثریت گرفتار ہے:

روایت ہے کہ ایک دفعہ جب شیطان جناب یحیی کے سامنے نمودار ہوا تو آپ نے بنی آدم کے ساتھ اس کے سلوک کے بارے میں سوال کیا اس نے جواب میں بتایا کہ انسان تین گروہوں میں منقسم ہیں.

پہلا گروہ تو ان برگزیدگان ایزدی کا ہے جن پر ہماری کوئی دسترس نہیں .وہ گروہ انبیاء و معصومین علیہم السلام کا ہے.

دوسرا گروہ ان انسانوں کا ہے کہ ہم پوری قوت اور عزم وارادے سے اور بڑی زحمت اٹھا کر ان کو منحرف تو کرلیتے ہیں لیکن وہ توبہ و استغفار سے ہماری محنتوں پر پانی پھیر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور تلافی مافات کرلیتے ہیں. اور پھر خرد ہوجاتے ہیں.

تیسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں ہما بسیرا ہے اور یہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں.

تو اے اہل ایمان ایسے اعمال بجالاؤ کہ شیطان تمہارے دلوں میں راہ نہ پا سکے ورنہ صرف زبانی طور پر استعاذے کا کوئی فائدہ نہیں.

چور نقیب کی فکر میں:

شیطان کو دل میں جاگزین ہونے سے باز رکھنے کے لئے سب سے پہلے تقویٰ کی ضرورت ہے یعنی ہر اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہے۔از قسم ہوا وہوس ، رذیل اخلاق،کمینہ خصائل اور ایسی تمام صفات قبیحہ جو انسان کو حرام کاری اور حرام خوری پر اکساتی ہیں۔دل پاک وصاف ہو۔

جب دل ان رذائل سے پاک ہوگیا تو پھر اس میں تقویٰ ہوگا اور خوف خدا اور خوف روز آخرت اس میں ہوگا تو پھر شیطان کچھ نہیں کرسکتا لیکن اس کی یہ انتہائی خوایش و کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرف سے کسی طرح سے اس دل میں راہ پالے لیکن اسے راہ ملتی نہیں یہ یا سے چور کی طرح ہے جو کسی قلعے میں داخل ہونے کے لئے اس کی مضبوط فصیل میں پاؤں رکھنے کی جگہ یا کسی سوراخ کی تلاش میں سرگردان ہو، لیکن جب وہ دیکھتا ہے ت کہ قلعے کے محافظ بیدا اور خبردار ہیں تو باہر ہی سے کھسک جاتا ہے۔

ابلیس خانہ دل کے گرد:

(إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا) یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے دل ہر گناہ سے پاک ہیں۔اور دل پاک ہو تو سب اعضاء وجوارح کی اصلاح ہوجاتی ہے اور ان سے کوئی شر یا بدی سرزد نہیں ہوتی چنانچہ ان کی زبان آنکھ ،کان،ہاتھ اور پیر سب گناہ سے پاک ہوجاتے ہیں۔

(إِذا مَسَّهُمْ طائِف) طائف یعنی طواف کرنے والا۔چکر لگانے والا۔یہاں مراد خانہ دل کے گرد نقیب زنی کے لئے سوراخ وغیرہ کی تلاش میں گھومنے والے شیطانوں کا کوئی فرد ہے۔

(مِنَ الشَّيْطان) گروہ ابلیس سے یہ ان چوروں کذکر ہے جو خانہ دل کے گرد نقب زنی کے لئے سوراخ کی تلاش میں سرگردان رہتے ہیں۔لیکن یک بارگی۔

(تَـذَكَّرُوا) خانہ دل کا مالک مومن یا دخدا میں مشغول ہوجاتا ہے اور کہتا ہے "یا اللہ استغفر اللہ" "اعوذباللہ من الشیطاالرجیم "!پروردگار شرابلیس سے مجھے پناہ عطا فرما!

چنانچہ

(فَإِذا هُمْ مُبْصِرُون) فوراً ان کی آنکھیں نور بصیرت سے روشن ہوجاتی ہیں اور وہ چور سے خبردار ہوجاتے ہیں۔

یہاں میری غرض طائف من الشیطان کے الفاظ سے ہے یعنی مومن کے دل گرد اس میں وسوسہ اندازی کے ارادے سے چکر لگانے والا شیطانی گروہ کا فرد۔

یادرکھئے اگردل میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہو تو وہ پاک وپراخلاص ہوتاہے.اور تقویٰ کا چراغ اپنی تیز روشنی کے جھماکوں سے چور کو رسوا کردیتاہے اور وہ وہاں سے فرار کرجاتاہے.افسوس ہے اس دل پر جس میں تقویٰ نہ ہو بلکہ اس کی بجائے حب دنیا ہو جس کی وجہ سے وہ شیطان کے چنگل سے کبھی رہائی نہ پاسکے اور آخر کار اس کے ہاتھوں ہلاک ہوجائے.

خودکشی کیوں کی؟!:

خوف خدا سے محروم حریص تاجر نے اپنا تیس ہزار روپے کا مال ایک لاکھ میں بیچ دیا اور بڑا خوش تھا کہ بہت نفع کمایا لیکن جب تیسرے ہی روز وہی مال تین لاکھ روپے میں فروخت ہوا تو وہ دکھ سے بے حال ہوگیا کہ کیوں جلدی کرکے دولاکھ روپے کے نفع سے بے نصیب رہا اپنے ساتھی تاجروں کے حسد میں انگاروں پر لوٹ گیا اور آہ وزاری میں بتلارہا نہ دن کو چین نہ رات کو نیند نہ کھانا نہ پینا یہی حسرت اس کی جان کا روگ بنگئی کہ دولاکھ روپے کھودئے آخر کار چونا اور گندھک پھانک کرزندگی کے عذاب سے رہا ہوا اور شیطانی گروہ میں جاملا.اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کا دل مال دنیا کی محبت میں بتلاتھا اور وہ ہزار جان سے اس پر فدا تھا.حب دنیا اس کے قلب وروح پر ایسا سوار تھا کہ اس کے لئے اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا.

استعاذہ کیوں کارگر نہیں؟:

ہم سب کو خواب غفلت سے بیدا ہونا چاہئے کیونکہ ” حب الدنیا راس کل خطیۃ“ہرگناہ کی جرحب دنیا ہے.

آپ اپنے دل کو ہر آلودگی سے پاک رکھیں کیونکہ ارگ صرف زبان کی حرکت ہی کافی ہوتی تو کیاآپ ہر نماز کی ابتداء (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) سے نہی کرتے.؟

آخر وجہ کیا ہے کہ نماز کے دوران آپ کے حواس سوائے نماز کے ہرجگہ موجود ہوتے ہیں حالانکہ دوران نماز آپ کی زبان پر بہر حال ذکر خدا جاری ہوتاہے.اس کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ تنہا زبان کسی کام کی نہیں.

ایک شخص کا بٹوا کھوگیا، وہ صبح سے شام تک اس کی تلاش میں سرگدان رہا مغرب کے وقت نماز کے دران سے یاد آیا کہ بٹوا اس نے فلاں جگہ رکھا تھا چنانچہ سلام کے فوراً بعد اس نے نوکر کو بلاکر اس جگہ سے بٹوالانے کا حکم دیا.غلام نے عرض کیا حضور آپ نماز پڑھ رہے تھے یا بٹوا ڈھونڈرہے تھے.

یادرکھئے کہ دل میں نور کی آمد کوروکنے والی چار چیزیں ہیں:

جب تک ہم ان سے نہیں بچیں گے دل پرتاریکی کا غلبہ رہے گا سب سے پہلی چیز جس کا دور کرنا لازمی ہے، نجاست بدنی ہے.دوسری خداکی نافرمانی ،تیسری شر اور وسوسہ شیطانی اور چوتھی چیز جس سے احتراز ضروری ہے، اخلاق رذیلہ ہیں جو انسان کو حیوان جیسا بنادیتے ہیں اور جب تک دلی اخلاقی رذیلہ میں گرفتار رہے گا.استعاذہ کی حقیقت سے بے بہرہ رہے گا.

ایسا انسان موت کےوقت بھی شیطان ہی کے تصرف میں اور اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے:"یحشر الناس علی نیاتہم "انسان اپنی نیتوں پر محشور ہوں گے،کیونکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ باطن اور نیت کو دیکھتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیاہے: (ان الله ینظر الی قلوبکم لاالی صورکم) اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے ،تمہارے چہروں کو نہیں دیکھتا.

موت کی یاد حقیقت نما ہے:

نہج البلاغہ میں جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام کے بہت کم خطبے ایسے ہیں جن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ موجود نہیں. آپ کا ارشاد ہے:"موت کو مت بھولو کیونکہ یہ قلب وروح کے امراض کاسب سم بڑا علاج ہے جو شخص اس حقیقت کو ہمیشہ نظر میں رکھتا ہے یوں سمجھو کہ اپنی ہدایت واصلاح کادروازہ اس نے کھول لیا ہے".

دن کے کام کاج کے بعد جب شام کو گھر جاؤ تو یہ یادرکھو کہ عین ممکن ہے کہ صبح تمہارا جنازہ اس گھر سے برآمد ہو اور صبح کے وقت جب رزق کی تلاش میں گھر سے نکلو تو اس امکان کو نظر انداز نہ کرو کہ گھر میں واپسی نصیب نہ ہوگی.

اگر انسان اس انداز فکر کو خود میں راسخ کرلے تو رفتہ رفتہ حسد،بخ ،حرص،نفاق،کینہ،وساس شیطانی ،غفلت وغیرہ جیسی بے وقعت اور فضول چیزوں سے نجات پالیتا ہے.

مجھےجب معلوم ہی نہیں کہ کل تک میں زندہ بھی رہوں گا یا نہیں تو پھر میں حرص کیوں کرکروں اور خواہ مخواہ اپنی بے اعتدالیوں سے دوسروں کوناراض کیوں کروں.

شہد کے گرد مکھیاں:

ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمائیے:آپ نے بارہا دیکھا ہے کہ کرڑے مکوڑے اور مکھیاں کس طرح مٹھاس اور چکنائی کے گرد موجود رہتے ہیں.کتنا ہی آپ چکھوں سے انہیں اڑائیں اوردور کریں وہ دور نہیں ہوں گے انہیں دفع کرنے کے لئے آپ کو چاہئے کہ شرینی اور چربی وغیرہ کو اٹھا لیں تاکہ یہ حشرات مایوس ہوکر خودبخودوہاں سے چلے جائیں یا پھر آپ کے ہلکے سے اشارے سے وہ جگہ چھوڑدیں.

اے مومن اپنے دل کو جملہ کثافتوں سے پاک کرتا کہ شیاطین تمہارے ایک ہی استعاذے سے اس سے دور ہوجائیں سید سجاد جناب امام زین العابدین علیہ السلام دعائے حزین میں جسے آپ نماز شب کے بعد قرائت فرماتے (حاشیہ مفاتیح الجنان772) اللہ تعالیٰ کے حضوریوں عرض گذار ہیں: "فیا غوثاہ ثم واغوثاہ یا اللہ من ہوی قد غلبنی ومن کعدو قد استکلب علی" پروردگا! میری مدد فرما شیطان میرے دل پر حملہ آور ہے. جب مومن کے دل میں شیطان کی خوراک بننے والی کوئی چیز ہے ہی نہیں تو اگر وہ اہل ذکرت ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ہی استعاذے سے شیطان لعین کو دفع فرمادے گا.

شیطان توبہ میں بڑی رکاوٹ ہے:

روایت ہے کہ جب ایہ (وَ الَّذِينَ إِذا فَعَلُوا فاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ...) گناہ کا ارتکاب کرکے بعد میں توبہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے، نازل ہوئی شیطان چیخا اس کے چیلے اس کے گرد اکٹھے ہوگئے اور پوچھنے لگے: کیا ہوا کیوں چیخ رہے ہو؟ تو اس ملعون ازلی نے جواب دیا:

کیونکہ رنہ چیخوں ہم اتنی زحمت اور کوشش سے انسان سے گناہ کرواتے ہیں اور وہ توبہ کرکے ہماری تمام محنتوں پر پانی پھیر دیتا ہے.

ہر شیطان نے اس بارے میں اپنی رائم دی لیکن کوئی بھی رائے تسلی بخش ثابت نہ ہوئی خناس نے کہا: اس کا صرف ایک راستہ ہے کہ انسان کو درتوبہ تک نہ پہنچنے ت دیں اور اسے اس کی توفیق سے محروم رکھیں.

ابلیس بولا: ٹھیک ہے، تیری رائے بالکل صحیح ہے یقیناً اس کا اگر کوئی علاج ہے تو صرف یہی ہے.

امام سجاد علیہ السلام کا اسوہ:

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضوریوں فریاد کرتے ہیں: "ومن عدو قد استکلب علی" خداوندا مجھے اس دشمن سے اپنی پناہ میں رکھنا جو میری ہلاکت کے درپے ہے.

"یا عون کل ضعیف" اے ہر درماندہ وبے چارہ کے مدگار! میں بے چارہ اور بے بس ہوں میری مدد فرما. ایک طرف سے یہ کتا مجھ پر حملہ اور ہے اور دوسری طرف سے دنیا اپنی تمام تر آرائشوں، نیرنگیوں اور فریب کاریوں سے رجھا رہی ہے جبکہ میرے قلب وباطن پر ہوئ وہوس کا غلبہ ہے." واغوثاہ من ہوی قد غلبنی" میں تجھ سے اس کے خلاف مددکار طالب ہوں.

زمان غیبت میں دعائے غریق:

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام جب حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کے زمانہ غیبت کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس پر فتنہ زمانے کے مفاسد اتنے شدید اور عام ہوں گے کہ حالت ایمان میں مرنے والے پر فرشتے تعجب کریں گے".

روای نے عرض کیا کہ اس عہد پرفتن کے لوگوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: "انہیں چاہیئے کہ دعائے غریق پڑھا کریں: "یا اللہ یا رحمن یا رحیم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک" اے رحمان و رحیم اے دلوں کو ہدایت دینے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ.

انسان کو چاہیئے کہ خود کو واقعی بے بس اور بے چارہ سمجھے بالخصوص اس عہد میں جبکہ شیاطین دندناتے پھر رہے ہیں کوئی دل ان کا شکار ہونے سے بچا ہوا نہیں پروردگار تو ہمارے دلوں کو شر شیاطین سے اپنے حفظ و امان میں رکھ.

مجلس10

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحيم إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ

شب گذشتہ کے عروضات سے یہ ثابت ہوگیا کہ استعاذہ کارکن اعظم تقويٰ ہے اور اگر کوئی شخص شیطان کی مخالفت اور رحمان کی مطابعت کی توفیق سے محروم ہے تووہ دام شیطان میں گرفتار ہے اور اس کا استعاذہ بے معنی ہے.

استعاذہ کیوں؟:

یہاں یہ پوچھا جاسکتاہے کہ تقويٰ کی موجودگی میں استعاذہ کی کیا ضرورت ہے.اگر ایک شخص گناہ ہی نہیں کرتا اورت اس سے کوئی خطا سرزدہی نہیں ہوتی تو پھر شر شیطان سے اللہ تعاليٰ کی پناہ طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے.

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہی الٹاہے کیونکہ استعاذہ ہے ہی اہل تقويٰ کے لئے جو شخص اہل تقويٰ ہوگا ہمیشہ اللہ تعاليٰ کی بارگاہ سے پناہ کا طالب رہے گا کہ مبادا شیطان اس کےدل و ضمیر پر غلبہ پالے کیونکہ اگر شیطان اس کے دل میں موجود ہے تو اس کے تمام افعال وحرکات کی انگیخت سے عمل میں آئیں گے.

اور وہ شخص جس کے دل پر شیطان کا تصرف نہیں اور جو اللہ تعاليٰ سے لو لگا ئے ہوئے ہے اس پر لازم ہے کہ شیاطین کے وسوسوںؔ سے اللہ تعاليٰ کی پناہ طلب کرے کیونکہ ان کی دست بردے کوئی شخص محفوظ نہیں اوروہ ہر وقت گھات میں رہتے ہیں کہ موقعہ ملے اوردل پر حملہ آور ہوکر اس پر قبضہ جمالیں.مومن کو محتاط رہنا چاہنا چاہئے کہ مبادا وہ اچانک اس کے دل پر قابو پالین اگر وہ ایک لحظہ کے لئے بھی غافل ہوا تو عین ممکن ہے کہ یہ موذی اور طاقتور دشمن اسی لحظہ میں اس کے دل پر قابض ہوجائے.

کارہائے خیر رہنمائے شر:

شیطان کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح مومن کے دل میں راہ پالے روایت میں آیاہے کہ مومن متقی ننانوے بار شیطان کو زک دیکر خیر کی توفیق سے ہمکنار ہوکر دسوویں بار بھی اس کے شرمیں بتلا ہوسکتاہے اور عین ممکن ہے کہ ان ننانوے کارہائے خیرکی انگیخت بھی اسی کی ہو اور اسی نے اس کے سامنے ان کی راہ کھولی ہوتا کہ دسوویں بارا سے کسی ہلاکت خیر شرمیں بتلا کرکے اس کا کیا کرایا خاک میں ملادے دراصل خیرا ور شرمیں فاصلہ اتنا تھوڑاہے کہ بے بصیرت انسان کو وہ نظر ہی آتا.اسی لئے امام علیہ السلام اللہ تعاليٰ کے حضور اپنی دعامیں عرض کرتے ہیں "هَبْ لِي بَصِيرَةً فِي دِينِي" پروردگار مجھے دین میں بصیرت عطا فرما ،تاکہ کارخیر کی انجام دہی کےدوران شیطان مجھے وسوسہ میں بتلا کرکے شرمیں نہ دھکیل دے.

شر براہ خیر:

کسی کے عزیزوں کے ہاں کوئی محفل برپا ہے شیطان اسے ترغیب دیتا ہے کہ صلہ رحم ایک کارخیر ہے تمہیں چاہئے کہ وہاں ضرور پہنچو لیکن جب وہ شخص وہاں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ زن و مرد یکجا ہیں محفل رقص و سرور جمی ہے، شراب کا دور چل رہا ہے...اس کا ذہن اس صورت حال کو پسند نہیں کرتا اس کی عقل کہتی ہے یہاں سے فوراً اٹھ چل ایسی محفلوں میں شرکت حرام ہے "لیکن شیطان کہتا ہے" ان کی رونق خراب ہوگی، وہ ناراض ہوں گے او رتمہارا یہ اقدام قطع رحم کے مترادف ہوگا...

خیر کی راہ سے وہ انسان کو شر کی منزل کی طرف لے جاتا ہے اور آخر کار اسے گناہ کی دلدل میں پھنسا دیتا ہے.

ترک واجب کے لئے مستحبات کی ترغیب:

بعض اوقات شیطان انسان کو مستحب عمل پر اکساتا ہے تاکہ اسے فعل واجب سے باز رکھے مثلاً وہ اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ زیارت حضرت امام رضا علیہ السلام بڑے ثواب کا کام ہے اور اتنے اصرار کے ساتھ اس مستحب عمل پر اسے اکساتا ہے کہ وہ ماں باپ یا بال بچوں کے نفقہ کی جو اس پر واجب ہے، پروانہ کرتے ہوئے زیارت شریف کو چلا جاتا ہے.

یا ایسے فعل واجب پر وہ آپ کو اکسائے گا کہ اہم تر واجب آپ سے فوت ہوجائے.

عبادت سے نفرت کی اکساہٹ:

بعض اوقات وہ انسان کو کسی مستحب عمل پر اس انداز سے اکساتا ہے کہ اس کے دل میں واجبات سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے مثلاً وہ اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ کربلا معلی کی زیات کو جا تیرے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے اور جان ومال کی خیروبرکت او رسعادت دینا وآخرت تجھے حاصل ہوگی اور اگر غیر قانونی طور پر جائے تو ثواب دوگنا ملے بس اب دیر نہ کر جناب ابی عبد اللہ الحسین علیہ السلام کی زیارت کو سدھار.

وہ وہاں پہنچ کر جب قانوں کی گرفت میں آکر قید خانہ مین چلا جاتا ہے تو پچھتاتا ہے کہ کاش میرے پاؤں ہی ٹوٹ جاتے اور میں یہاں نہ آتا.

دیکھا آپ نے ملعون ازلی نے پہلے تو اس کو فعل مستحب پر اکسایا اور پھر اسے اس عظیم عبادت سے متنفر کردیا.

پروردگار دین میں بصیرت عطافرما:

استعاذہ سے اہل تقویٰ کو کوئی چارہ نہیں.وہ شیطان کے تصرفات سے ہمیشہ ترساں رہتے ہیں کیونکہ وہ انہیں عبادت الٰہی سے منحرف کرتاہے اللہ تعالیٰ سے دعاہے کہ وہ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطافرمائے کہ جوبظاہر فعل خیر ہم انجام دے رہے ہیں، حقیقت میں شیطانی یا رحمانی.کیونکہ عام طورپر دیکھنے میں آیاہے کہ ایک کام بظاہر بہت اچھا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ براہوتاہے.

عبادت کے ذریعے شیطان کی فریب دہی کے امکان کی وضاحت کے لئے ایک روایت پیش کرتاہوں.

شیطان کافضامیں قیام نماز:

بحارالانوار میں اصول کافی سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی گئی ہے کہ زمانہ سلف میں ایک شخص ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتا تھا اور اس کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ شیطان اپنی تمام ترکوششوں کے باوجود اس کی توجہ میں خلل ڈالنے سے عاجز رہا ناکامی سے زچ ہو کر اس نے اپنے چلیون کو اپنے گرد اکٹھا کیا اور کہنے لگا:

میں اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود اس عابد کو ورغلانے میں ناکام رہا ہوں کیا تم میں سے کسی کے پاس اس کی شکست کی کوئی سبیل ہے؟ایک کہنے لگا:

میں وسوسہ اندازی سے اس میں زنا کی خواہش پیدا کروں گا.

شیطان نے جواب دیا.

اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ عورت کی خواہش اس میں ختم ہوچکی ہے.

دوسرا بولا:

اس کو لذیذکھانوں کےزریعے فریب دونگا کہ حرامخوری اور شراب نوشی سے ہلاک ہو.

اس نے کہا:اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اتنے سالوں کی عبادت کے بعدکھانے کی خواہش بھی اس کے دل سمٕ رخصت ہوچکی ہے.

تیسرے نے کہا: عبادت ہی کی راہ سے کہ جس کاوہ راہی ہے میں اس کو فریب دے سکتاہوں.

شیطان نے جواب دیا:ہاں اگر تقدس کی راہ سے کچھ کرے توکامیابی ممکن ہے.

بہرحال اس شوریٰ کانتیجہ یہ ہواکہ وہی شیطان اس کام پرمامور ہوا(اکثرعبادت گذاروں کے بارے میں یہ مثال صادق آتی ہے)اس نمے انسان کی شکل اختیارکی اور اس عبادت گذار کے سامنے زمین وآسمان کے درمیان فضامیں مصلیٰ بچھا لیا اور نماز

مشغول ہوگیا عبادت گذار نے دیکھا کہ عجیب انسان ہے کہ عبادت میں اس سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے اور فضا میں معلق مصلا پر قیام نماز میں کھڑا ہے اور کسی قسم کی تھکاوٹ یا خستگی محسوس نہیں کرتا.

آخر کار اس کے دل میں آئی کہ کیوں نہ اس کے پاس جاؤں اور اس سے پوچھوں کہ کونسے عمل کی برکت سے تو اس مقام تک پہنچا لیکن شیطان اپنی عبادت میں اتنا منہمک تھا کہ اس نے ذراسی بھی توجہ اس کی طرف نہ کی اور جونہی سلام نماز سے فارغ ہوتا فوراً دوسری نماز کی نیت کرکے اس میں مشغول ہوجاتا.

زچ ہوکر عابد نے اسے قسم دی کہ میرے صرف ایک سوال کا جواب دے دے شیطان نے نماز سے توقف کیا عابد نے پوچھا وہ کونسا عظیم کام تو نے کیا ہے کہ جس کی دولت اس بلند مقام پر فائز ہے.

اس نے جواب دیا میں اس مقام تک ایک گناہ کے ذریعے سے پہنچا ہوں میں نے اس کا ارتکاب کرکے بعد میں توبہ کی اور اب ہر وقت اپنے کئے ہوئے گناہ کے لئے توبہ میں مصروف ہون اور روزبروز عبادت میں قوی ترہورہاہوں. اور تیری بھی بہتری (اگر تو اس مقامت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو) اسی میں دیکھتا ہوں کہ زنا کا ارتکاب کر اور پھر میری طرح توبہ کر اور عبادت میں مشغول ہوجاتا کہ اس مقام تک پہنچ سکے.

عابد نے کہا میں کیسے زنا کرسکتا ہوں جبکہ میں اس کام سے واقف ہی نہیں اور نہ ہیں میرے پاس مال دنیا ہے.

شیطان نے اسے دودرہم دئے اور ایک فاحشہ عورت کے گھر کا پتہ دے دیا.

عابد پہاڑ سے اترا اور شہر میں داخل ہوا اور لوگوں سے اس فاحشہ کے گھر کا پتہ پوچھنے لگا لوگوں نے سمجھا کہ فاحشہ کے پاس جاکر اسے وعظ و نصیحت کرنا چاہتا ہے. فاحشہ کے پاس پہنچ کر اس نے پیسے پیش کئے اور اسے اس فعل حرام کا تقاضا کیا.

یہاں اللہ کی توفیق اس کی مدد کو آئی اور اس نے فاحشہ کے دل کو اس کی ہدادت پر آمادہ کیا.

اس عورت نے دیکھا کہ اس شخص کے چہرے پر زہدوتقویٰ کا نور برس رہا ہے اور وہ ایسی جگہوں پر آنے کا عادی نہیں لگتا.

اس سے پوچھنے لگی کہ تو یہاں کیسے آگیا ہے اسنے کہا تجھے اس سے کی مطلب ہے تو اپنی اجرت لے اور اپنا آپ کو میرے حوالے کر.

عورت نے کہا جب تک تجھ سے حقیقت دریافت نہ کرلوں گی، ہرگز راضی نہیں ہوں گی. آخر کار مجبور ہوکر عابد نے پوری صورت احوال اس کم گوش گذار کردی. فاحشہ نے کہا اے زاہد اگرچہ اس میں میرا نقصان ہی ہے لیکن خوب سمجھ لے کہ تجھے مجھ تک پہنچانے والا صرف شیطان ملعون ہے.

عابد نے کہا تو غلط کہتی ہے کیونکہ اس نے میرے ساتھ وعدہ کی ہے کہ میں اس فعل کے ارتکاب سے اس کے مقام تک پہنچ جاؤں گا.

عورت نے کہا اے عابد ہوش کے ناخوں لے تجھے کیسے یقین ہے کہ زنا کے بعد تجھے توبہ کی توفیق ملیگی یا تیری توبہ قبول ہی ہوجائیگی علاوہ ازین کپڑا سالم اچھا ہے یا پھاڑ کر سیا ہوا، یقین کرہ تو شیطان کم بہکاوے میں آگیا ہے.

لیکن جب عابد کو پھر بھی سمجھ نہ آئی تو فاحشہ نے اس سے کہا، اچھا میں تیار ہوں لیکن تو ایک دفعہ واپس جا اگر وہ شخص تجھے ویسا ہی عبادت میں مشغول ملا تو واپس آجانا میں تیری منتظر ہوں گی اور اگر وہ وہاں موجود نہ ہوا تو یقین کر لینا کہ وہ شیطان ملعون تھا.چور جب پہچانا جائے تو فرار کرجاتا ہے جب مومن شیطانی وسوسے کا ادراک کرلیتا ہے تو ہلاکت سے بچ جاتا ہے.

جب عابد واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے پس اسے معلوم ہوگیا کہ شیطان ملعون اسے اپنے دام فریب میں الجھا کر ہلاک کرنا چاہتا تھا.

چنانچہ اس نے اس فاحشہ کے لئے دعا کی.روایت میں آیا ہے کہ جب اپنی زندگی کی آخری رات میں فاحشہ نے انتقال کیا تو صبح کے وقت اس زمانے کے پیغمبر کو وحی ہوئی کہ اس کے جنازے میں شرکت کریں پیغمبر نے عرض کی پروردگار وہ تو ایک مشہور فاحشہ تھی جواب ملا ہاں لیکن اس نے ہماری بارگاہ سے بھاگے ہوئے ہمارے ایک بندے کو واپس ہمارے دروازے تک پہنچایا اور اس کی نجات کا سبب بنی ہے.

وعظ و نصیحت بڑی قیمتی شے ہے ہر ممکن کوشش کریں کہ گناہ گار گناہ سے باز رہے.اسے توبہ کی ترغیب دی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے گا اور آپ کو بھی پاک کردے گا.

بڑی حیرانی کا مقام ہے.اگر ہم شیطان ملعون کے وسوسوں اور فریبوں اور اپنی اخلاقی کمزوریوں کو دیکھیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا انجام کیا ہوگا کیا اپنی جان ہی بچا کر اس کے حضور میں پہنچ سکیں گے یا نہیں بس اس کا فضل و کرم شامل حال ہو تو امید ہے کہ نجات ہوجائے "یا ارحم کل ضعیف" اے ہر کمزور پر رحم فرمانے والے.ہم پر رحم فرما اور اپنی توفیق سے ہمیں محروم نہ رکھ.

"إِذَا رَأَيْتُ مَوْلَايَ ذُنُوبِی فَزِعْتُ وَ إِذَا رَأَيْتُ كَرْمَکَ طَمِعْتُ"

پروردگار اپنے گناہوں کو دیکھ کر مجھے ڈر لگتا ہے لیکن جب ترے کرم عمیم دیکھتا ہوں تو مجھے ڈھارس ہوتی ہے.

مجلس11

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ

شیطان محرک افعال:

گفتگو کا موضوع استعاذہ تھا کہ استعاذہ اہل تقویٰ کا خاصہ ہے ورنہ جو لوگ پرہیزگار نہیں ہیں، شیطان خود ان کے وجود میں متمکن ہے اور ان کی جملہ حرکات وسکنات اسی کی انگیخت پر ہوتی ہیں وہ کس سے فرار کریں گے اور کس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ جائیں گے شیطان سے فرار تو وہی چاہے گا جو اہل تقویٰ ہو کر جونہی شیطان اس کے دل سے قریب ہوتا ہے، وہ فوراً ذکر خدا میں مصروف ہو کر اس ملعون کی وسوسہ اندازی پر مطلع ہو جاتا ہے اور استعاذہ کی قوت سے اسے فرار پر مجبور کر دیتا ہے.

اہل تقویٰ ہمیشہ محتاط ہوتے ہیں کہ ان سے حرام سرزد نہ ہو اور کوئی واجب ان سے فوت نہ ہو اگر شیطانی گروہ کا کوئی فرد ان کے دل سے نزدیک ہوتا ہے تو انہیں فوراً خبر ہو جاتی ہے اور وہ استعاذہ میں مصروف ہو جاتے ہیں اور جب شیطان دیکھتا ہے کہ یہاں اس کی خیر نہیں تو بھاگ جاتا ہے.

اہل تقویٰ جب ذکر خدا میں مشغول ہوتے ہیں تو اپنے نور بصیرت و معرفت سے دام ابلیس کو دیکھ لیتے ہیں.

میری عرض یہاں لفظ ”مبصرون“ سے ہے یعنی اہل تقویٰ ذکر خدا سے بصیرت حاصل کر کے دام ابلیس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اور جب اسے اپنی شامت نظر آتی ہے تو وہ وہاں سے نو دو گیارہ ہو جاتا ہے. یہ بہت مبارک بات ہے کہ مومن شیطانی وسوسوں کے بارے میں صاحب بصیرت ہو خواہ وہ وسوسے عقائد کے ضمن میں ہوں یا اخلاقیات یا عبادات کے ضمن میں.

انبیاء علیہم السلام سے بھی باز نہیں آتا:

کچھ وسوسے اس کے اعتقادی نوعیت کے ہوتے ہیں اور اس باب میں وہ انبیاء کے دلوں میں بھی وسوسہ اندازی سے نہیں چوکتا.

روایت ہے کہ شیطان جناب عیسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوا جبکہ آنحضرت ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے اس نے آپ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا اے روح اللہ اگر آپ اس پہاڑ پر سے نیچے گر جائیں تو کیا آپ کی جان بچا سکتا ہے آپ نے فرمایا: ہاں میں اپنی بصیرت و معرفت کی بناء پر پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھے ضرور بچا سکتا ہے. کہنے لگا اگر آپ کا کہنا درست ہے تو آپ کو گرا دیجئے تاکہ وہ آپ کو بچالے.

عیسیٰ سمجھ گئے کہ اس ملعون کا کام ہی مغالطہ کاری اور وسوسہ انداز ہے لہذا جواب میں فرمایا: اسے ملعون تو یہ چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا امتحان کروں یہ تو لفظ ہی غلط اور شیطانی ہے.جب میرا ایمان ہے کہ وہ ذات قدیر یقیناً مجھے بچا سکتی تو اس آزمائش کی غرض سے کہ آیا یہ ممکن ہے یا نہیں تو چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو گرادوں؟.

علاوہ ازین میرے خالق نے مجھے اس کام سے نہی فرمائی ہے کیونکہ خودکشی فعل حرام ہے.ہاں اگر تو بے اختیار گرجائے اور اللہ تعالیٰ کی مشیّت یہ ہو کہ تو بچ جائے تو وہ تجھے بچانے پر قادر ہے.

حضرت مسیح علیہ السلام کی شیطان لعین سے گفتگو:

روایت ہے کہ ایک دفعہ شیطان نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے روح اللہ آپ ہی خدائے محی و ممیت ہیں.آپ ہی خدائے علیم وخبیرہیں...جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فوراً ڈانٹ دیا کہ ملعون کیا بکتا ہے میں تو اس کا بندہ اور غلام ہوں جس کی عا پر وہ ذات اقدس مردوں کو زندہ کرتی ہے.

جب جناب مسیح علیہ السلام نے اس طرح اس ملعون کے وسوسوں کو رد کیا تو وہ فریاد کرتا ہوا آپ کے پاس سے بھاگ گیا اس قسم کے اعتقادی وسوسے وہ اہل تقویٰ کے دل میں ڈالتا ہے لیکن وہ ذکر الہی کے نور سے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شیطانی وساوس ہیں مثلاً کبھی وہ کسی مومن متقی کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ فلان آدمی جوان وتوانا ہے،گدا کیسے بن گیا ایسی وسوسہ کاری سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکمت وقضائے الہی کے بارے میں مومن کے دل کو شک میں بتلا کردے.لیکن ذکر الہیٰ سے شرفیاب مومن اس کے جواب میں کہے گا: استغفر اللہ میری کیا مجال کہ حکمت و مشیّت خداوندی میں داخل انداز ہوں.منہ چھوٹا اور بڑی بات میرا ایمان ہے کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا.!

ابراہیم علیہ السلام اور شیطان کی وسوسہ اندازی:

اعمال کے بارے میں بھی چونکہ صاحب تقویٰ کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ کا خیر انجام دے شیطان کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے کوئی نیک کام سرزد نہ او راگر ہوجائے تو بعد میں اسے ضراب کی کوشش کرتا ہے مثلاً یہ کہ فاعل خیر کو تکبر یا ریا وغیرہ میں بتلا کردیتا ہے قصہ مختصر یہ کہ یہ ملعون ہرنکی کا دشمن ہے.

مثال کے طور پر پھر ایک مثال اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی کی پیش کی جاتی ہے.

آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سنا ہوگا کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنے نوجوان تیرہ سالہ جمال ظاہر وباطنی وار ایمان ومعرفت کے حاصل نورنظر اسماعیل کو منیٰ پر لے جاکر قربان کرو تو شیطان سراسیمہ ہوگیا کیونکہ اسے خوب معلوم تھا کہ اگر ابراہیم علیہ السلام یہ کام کرگذرے تو مقام خلّت پر فائز ہوجائیں گے لیکن کرے تو کیا کرے!

سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا جناب ہاجرہ کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان سے کہا: میں نے ایک سن رسیدہ انسان کو دیکھا ہے کہ ایک لڑکے کو ہمراہ لئے جارہا تھا آپ کا وہ کیا لگتا ہے؟ ہاجرہ نے فرمایا وہ میرے شوہر ہے کہنے لگا آپ جانتی ہیں کہ ان کا ارادہ کیا ہے وہ آپ کے بچے کا سر کاٹیں گے جناب ہاجرہ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام نے کبھی کسی دشمن کو بھی تکلیف نہیں پہنچائی، بھلا اپنے ہی بیٹے کا سر وہ کیوں کاٹنے لگا۔ ابلیس نے کہا ان کا خیال ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے یہ عظیم خاتون نے فوراً سمجھ گیئں کہ یہ شیطان ہے اور انہیں وسوسے میں بتلا کررہا ہے فرمانے لگیں ملعون دور ہو اگر اللہ کا حکم ہے تو سب ٹھیک ہے۔

ابلیس ایمان کی آزمائش:

ابلیس کی خلقت کا مقصد اس امر کا امتحان ہے کہ اللہ تعالیٰ اور روزجزاء پر ایمان میں کون ثابت قدم ہے اور کون کشمکش اور تذبذب کا شکار چنانچہ واضح طور پر کلام پاک میں ارشاد ہے: (وَ ما كانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطانٍ إِلاَّ لِنَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْها فِي شَكٍّ) اور شیطان کو ان پر اختیار حاصل نہ ہوتا مگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کی طرف سے شک میں بتلا ہے۔

اگرچہ جنبا ہاجرہ عورت ہیں لیکن ان کے ایمان کی پختگی اور ضبط نفس کا یہ عالم ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو جو جمال ظاہری حسن باطن اور مکارم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے، اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کرنے کے لئے بلاتوقف وتذبذب راضی ہوجاتی ہیں اور امرخدا کے سامنے اپنی ماتا کو ایک بے حقیقت چیز سمجھ نظرانداز کردیتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شیطان کی وسوسہ اندازی:

اس کے بع ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اسماعلی کو قربان کرونگا شیطان کہنے لگا اس نے کوئی جرم تو کیا نہیں ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: اللہ کا حکمت ہے۔ شیطان نے کہا: اگر آپ اسے قتل کریں گے تو کیا خدا کی خوشنودی کے حصول کی غرض سے آپ کا یہ عمل دوسرں کے لئے سنت قرار نہیں پاجائے گا؛ ابراہیم علیہ السلام نے پھر اپنا جواب دہرایا کہ خدا کا حکم یہی ہے۔ شیطان بولا گیا یہ ممکن نہیں کہ یہ امر خداوندی نہ ہو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ملعون کو پتھر مارا اور اسی مناسبت پر دوران حج رمی جمرات سنت قرار پائی۔

یہ چند مثالیں ہیں شیطان کی وسوسہ اندازی کی مومن کو چاہیئے کہ ذکر خدا میں مصروف رہے تاکہ اس کے وساوس اس پر اثر انداز ہو سکیں بالخصوص خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں تو اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ فعل محل میں نہ آئے پھر یہ ملعون ازلی اسماعیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا جو اپنے والد محترم کے پیچھے پیچھے جارہے تھے اور کہنے لگا صاحبزادے! جانتے ہو کہ تمہارے والد تمہیں کہاں لے جارہے ہیں اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: نہیں کہنے لگا ان کا ارادہ ہے تمہیں ذبح کرنے کا ہے اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا وہ یہ کام کیسے کرسکتے ہیں شیطان نے کہا ان کا کہنا ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا اگر خدا کا حکمت ہے تو میری جان اس پر فدا ہے لیکن اس کے باوجود جب شیطان وسوسہ اندازی پر مصر رہا تو جناب اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ باباجان یہ دیکھئے کون ہے جو میرے پیچھے پڑا ہوا ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا شیطان ہے اسماعیل علیہ السلام نے بھی اس ملعون پر سنگ باری کی.

کیا ہم نے بھی کبھی شیطانت کو دھتکارا ہے:

جناب حاجی صاحب آپ نے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء میں شیطانت پر رمی جمرات کیا یہ رمی جمرات صرف مناسک حج میں ہی منحصر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ آپ کی ساری عمر اسے اپنی لعنت کا نشانہ بنانا چاہیئے.

کہاں ہیں وہ لوگ جو ہر وسوسہ شیطانی کم موقعہ پر اس پر لعنت کے پتھر برساتے ہیں مردانہ وار اس کے مقابلے میں قائم رہتے ہیں غیظ وغضب کے عالم میں خود کو قابو میں رکھتے ہیں اور فعل حرام کی خواہش کے جوش کے وقت اپنے اپ میں رہتے ہیں.

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کوئی کار خیر انجام دینا چاہتا ہے تو شیطان دوسرے انداز سے کہتا ہے فلان کام اس سے بدرجہا بہتر ہے وہ شخص تردد میں مبتلا ہوجاتا ہے اور دونوںّت میں سے کوئی کام بھی نہیں کرتا اور فعل خیر سے بھی محروم ہوجاتا ہے .

عظیم تر کون؟:

روایت ہے کہ جب دونوں باپ بیٹے نے امر الہي کی تعمیل کے لئے مستعد ہوئے باپ بیٹے کو قربان کرنے کے لئے اور بیٹا خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لئے اور بوڑھے باپ نے بیٹے کے جوان چہر کو خاک پر اور تیز چھری کو اس کے گلے پر رکھا تو ملائکہت حیران ہوگئے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے باپ بیٹے سے عظیم ترہے یا بیٹا باپ سے؛ باپ عظیم تر ہے جو اپنی زندگی کے ثمر کو اس طرح قربان کررہا ہے یا بیٹا جو عنفوان شباب میں اپنی عزیز جان خدا کے حضور پیش کررہا ہے.

دونوں اپنے امتحان میں کامیاب ہوئے لیکن (وَ فَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيم) اللہ تعالیٰ کی تقدیر یہ تھی کہ اسماعیل ذبح نہ ہو.

اے مومنت !حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کی قربانی آمادہ ہوگے، اسماعیل علیہ السلام نے راہ خدا میں اپنی عزیزجان سے صرف نظر کردیا تو صرف اجنبی عورت کے جسم کو چھونے، نظر حرام اور لقمہ حرام ہی سے صرف نظر کرلے روحانی مقام اور الہیٰ درجات مفت نہیں ملتے.

رنج و محن بغیر نہ گنج گراں ملے

یہ میری اور آپ کی مرضی پر منحصر نہیں ہے کہ بدکار انسان جزا کا حقدار ہوجائے (لَيْسَ بِأَمانِيِّكُمْ وَ لا أَمانِيِّ أَهْلِ الْكِتابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءاً يُجْزَ بِه) کوئی کام نہ تمہاری امیدوں سے بنے گا نہ اہلِ کتاب کی امیدوں سے- جو بھی کام کرے گا اس کی سزا بہرحال ملے گی.

خدا کے نیک بندوں کے مقام اور ہمنشینی انبیاء مقربین کو پانے ت کے لئے عمل مجاہدہ نفس اور نفس امارہ پر پورے قابو کی ضرورت ہے.

گریہ ابراہیم علیہ السلام :

روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ چھری کاٹ نہیں رہی اور پھر جب معلوم ہوا کہ قربانی کا حکم منسوخ ہوگیا ہے تو انہیں بہت افسوس ہوا اور ان پر گریہ طاری ہوگیا جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے پوچھا آپ کیوں گریہ کررہے ہیں؛آپ نے جواب دیا معلوم ہوتاہے کہ میں اس قابل نہ تھا کی میری قربانی بارگاہ ایزدی میں قبول ہو جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ نے امتحان کی ساری شرطین پوری کردیں اوراس میں خوب کامیاب ہوئے پھر اس مقصد کے لئے آپ کے دل پر رقت طاری ہو اور بیٹے کے ذبح ہونے کا اجر آپ کو ملے، جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے سامنے مصائب سیدالشہدا امام حسین علیہ السلام بیان کئے.

مجلس12

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ

اس آیہ شریفہ میں حقیقت استعاذہ:

اگر اس آیہ شریفہ میں جو ہماری بحث کا عنوان ہے، غور کیا جائے اور اس میں مذکورہ حقائق میں فکر کی جائے تو معلوم ہوگا یہی آیت حقیقت استعاذہ کی پورے طور سے آئینہ دار ہے.

وہ لوگ جنہوں نے ہوس پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی وہ گویا شیطان کے گھر سے نکل کر حریم خداوندی میں پہنچ گئے. وہ لوگ جن کے دلوں میں شیطان کا بسیرا نہیں ہے، جب بھی شیطان ان کے دل پر حملہ آور ہونے کے لئے ان کے گرد گھومتا ہے تو وہ ذکر خدا میں مشغول ہوجاتے ہیں جس سے ان کے دل میں روشنی آجاتی ہے اور وہ اس کی وسوسہ اندازی پر مطلع ہو کر استعاذہ کی قوت سے اسے بھگادیتے ہیں.

دعائے حضرت امام سجاد علیہ السلام :

حضرت زین العابدین علیہ السلام صحیفہ سجادیہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور یوں عرض گذار ہیں:

"وَ إِذَا هَمَمْنَا بِهَمَّيْنِ يُرْضِيكَ أَحَدُهُمَا عَنَّا، وَ يُسْخِطُكَ الْآخَرُ عَلَيْنَا، فَمِلْ بِنَا إِلَى مَا يُرْضِيكَ عَنَّا" اے پروردگار جس وقت ہمارے سامنے دو مقصد ہوں کہ ایک میں تیری رضا اور دوسرا تیری ناراضگی کا باعث ہو. ایک تیری خوشنودی اور دوسرا تیرے غیظ و غضب کا موجب ہو تو ہمارے دل کو اس کی طرف پھیر دے جس میں تیری رضا اور خوشنودی ہو اور اس سے متفرق فرما دے جس سے تو ناراض اور ناخوش ہو.

جب اللہ تعالیٰ دل کو کس طرف متوجہ کردے تو انسان اپنی سوچ بدل دیتا ہے لیکن جب تک ہم تقویٰ کو اپنا شعار نہ بنائیں گے ہمارے دلوں پر شیطان کی حکومت رہے گی ایسی حالت مین ذکر الٰہی سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا جب دل پر شیطان کا غلبہ و تسلط ہو تو انسان کیسے اپنی راہ عمل متعین کرسکتا ہے.

اس مطلب کی وضاحت کے لئے پھر ایک حکایت پیش کرتا ہوں.

بتی بجھانے والا چور:

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں جب گھروں میں روشنی کے لئے موم یا چربی وغیرہ جلانے کا رواج تھا ایک رات ایک چور کسی گھر میں گھس گیا اور کمرے میں داخل ہو کر چیزیں اکٹھی کرنے لگا.

گھر کے مالک نے پیر کی آہٹ سنی تو اسے چوری کی موجودگی کا شک ہوا بستر پر سے اٹھا اور چراغ جلانے لگا چور کو جب معلوم ہوا کہ مالک بیدار ہو چکا ہے تو اس کے سرہانے کی طرف کھڑا ہو گیا اور جب اس نے چراغ کو دیا سلائی دکھائی تو آہستگی سے پھونک مار کر اسے بجھا دیا.

جب اس نے دوبارہ چراغ جلانا چاہا تو چور نے اپنی انگلی لعاب دہن سے تر کر کے اس سے چراغ کی بتی کو گیلا کر دیا تا کہ جل ہی نہ سکے.

نادان صاحب خانہ نہ سمجھ سکا کہ کوئی موجود ہے جو یہ حرکت کر رہا ہے وہ یہی سمجھتا رہا کہ ہوا ہے جو چراغ کو روشن نہیں ہونے دیتی آخر کار جب چراغ روشن ہوا اور پیروں کی آہٹ بھی اس کے بعد سنائی نہ دی تو مطمئن ہو کر سو گیا اور چور اپنا کام کر کے رخصت ہوا.

خانہ دل میں چور:

یقین کیجئے کہ عالم باطنی کی بھی یہی صورت ہے اگر شیطان دل میں جاگزین ہو جائے تو انسان کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ وہ ذکر خدا کر سکے کیونکہ ذکر الہیٰ صرف اہل تقویٰ کا خاصہ ہے اگر تقویٰ نہ ہو تو انسان ہزرا ذکر کرے بصیرت حاصل نہیں کر سکے گا.

آپ نے ملاحظہ نہیں فرکایا کہ جھگڑے سے فساد کے دروان غیظ و غضب کے عالم میں ذکر خدا کےت باوجود انسان نہیں سمجھتا کہ وہ شیطان کے دام فریب میں جکڑا ہوا ہے اور اس کے قلب وروح پر اس کا تسلط و تصرف ہےت. اس حالت میں کتنا ہی اس کے لئے اللہ رسول اور ائمہ کا نام لیں، کوئی فائدہ نہ ہوگا شیطان اسے ذکر الہیٰ پر آنے ہی نہیں دے گا کیونکہ وہ صاحب تقویٰ نہیں.

حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے بچئے:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق پر ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی جھگڑے سے بچے گا تو میں اس کے جنت میں اعلیٰ مقام کا ضامن ہوں اور اگر وہ حق پر نہیں اور جھگڑا بھی نہیں کرتا تو جنت کے پست ترین درجہ میں اس کا مقامت ہوگا.

جھگڑے کو ترک کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان ہوس پرست نہ ہو ورنہ شیطان اسے کبھی بچنے دے گا. اور وہ اسی حالت میں مرجائے تو شیطان کے بندوں میں مشہور ہوگا.

نماز کے دوران بھی کیا پتہ ہے کہ انسان کس کے حکم سے حرکات نماز بجالاتا رہا اور کیا معلوم کہ اللہ کے گھر میں شیطان کی انگیخت پر ارکان عبادت نہیں ادا کرتا رہا کیا وہ واقعی امر خداوندی سے مسجد میں آیا اگر اللہ ہی کے حکم سے مسجد میں آیا تو خود پرستی کیوں جھگڑے سے بچے گا ہی تو تقویٰ کی کیفیت اس میں پیدا ہوگی اور اس کی بصیرت ونجات کا سبب بنے گی.

ذوالکفل کا پیمان:

حضرت ذوالکفل علیہ السلام انبیائے سلف میں سے تھے ان کی قبر شریف حلہ کے قریب ہے اور ان کا ذکر کلام پاک الہیٰ میں موجود ہے بحار الانوار میں آپ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں یہ روایت. بیان کی گئی ہے.

ان سے پہلے ایک پیغمبر تھے جن کا نام ت یسع تھا ان کا ذکر بھی کلام مجید میں موجود ہے (وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ) جناب ذوالکفل حضرت یسع علیہ السلام کے اصحاب اور حواریوں میں سے تھے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جناب یسع نے اپنے اصحاب سے کہا: آپ میں سے وہ شخص جو اس عہد پر جو میں آپ لوگوں سے کررہاہوں اللہ تعالیٰ کو حاضرناضر جان کر قائم رہے گا، میرا وصی وجانشین ہوگا. میرا عہد یہ ہے کہ غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھو اپنے آپے میں رہو اور شیطان کی انگیخت کا شکار نہ ہوجاؤ. جناب ذوالکفل نے پورے یقین و اعتماد سے وعدہ دیا اور دل میں عہد کرلیا کہ کبھی غضب شیطانی میں بتلا نہ ہونگے یہی وجہ تھی کہ وہ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور اس کے بعد پیش آنے والے امتحانات سے بھی بخوبی عہدہ برہوئے.

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جتنا زیادہ کوئی انسان اپنے عہد پر سختی سے قائم رہتا ہے، شیطان ملعون اتنا ہی زیادہ دباؤ اس پر اس عہد کو توڑنے کے لئے ڈالتا ہے حضرت ذوالکفل نے غضب شیطانیت سے ہر قیمت پر دور رہنے کا عہدت کیا ہوا تھا لہذا شیطان نے بھی اس عہد کو توڑنے کے لئے بڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن آپ اس کی ہر کوشش کے سامنے پہاڑکی طرح ثابت قدم رہے.

شیطان مدد طلب کرتا ہے:

ایک روز شیطان نے اپنے چیلوں کو پکار جب وہ اس کے گرد اکٹھے ہوگئے تو ان سے کہنے لگا ذو الکفل کے ہاتھوں عاجز ہوگیا ہوں جو کوشش بھی میں انہیں غیظ وغضب میں لاکر ان کے عہد کو توڑنے کے لئے کرتا ہوں، ناکام ہوجاتی ہے.

ایک شیطان جس کا نام ابیض تھا بولا میں ذوالکفل کو غصے میں لاؤں گا شیطان نے اسے اس کام پر مامور کردیا.

جناب ذوالکفل کی یہ خاص عادت تھی کہ رات کو سوتے نہیں تھے اور ساری رات ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے دن کو بھی ظہر سے پہلے اپنے اور دوسرے لوگوں کے کاموں میں مصروف رہتے ظہر سم ذراپہلے سوجاتے اور عصر کے وقت بیدار ہوکر پھر خلق خدا کے کاموں میں مصروف ہوجاتے.

شیطان کا دق الباب:

ایک دن جبکہ آپ قبل ظہر سوئے ہوئے تھے اس شیطان نے دروازہ پیٹا دربان نے پوچھا تجھے کیا کام ہے ؟کہنے لگا میری ایک فریاد ہے دربان نے کہا صبح آنا اس وقت وہ سوئے ہیں.

شیطان نے چیخ وپکار اور فریاد شروع کردی کہ میں دور رہتا ہوں کل نہیں آسکتا آخر کار جناب ذوالکفل اس شور سے بیدار ہوگئے اور انہوں نے نہایت ٹھنڈے دل سے اسے کہا اب چلاجا اپنے مدعا علیہ سے کہدے کہ کل آجائے میں بھی پہنچ جاوں گا.

شیطان کہنے لگا وہ نہیں آئے گا آپ نے فرمایا یہ میری انگوٹھی نشانی کے طورپر لے جا اور اسے کہہ کہ ذوالکفل نے تجھے بلایا ہے ا س دن آپ نہیں سوسکے.

شیطان چلاگیا اور دوسرے روزپھر اسی وقت جبکہ حضرت ذوالکفل ابھی سوئے تھے آکرپھر اس نے چیخ وپکالر شروع کردی جناب پھر نیند سے بیدا ہوئے اوربڑی نرمی اور ملامت سے اس کے ساتھ پیش آئے اور اسے مدعا علیہ کے نام ایک چھٹی لکھ دی کہ اسے بلالائے.

ابیض چلاگیا اور اس دن بھی آپ نہ سوسکے اور ساری رات بھی جب معمول عبادت میں مشغول رہے.

شیطان عاجز ہوگیا:

جب کوئی انسان تین دن رات نہ سوئے تو آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ کتنا چڑچڑا اوربد مزاج ہوجاتا ہے لیکن تیسرے روز بھی شیطان نے عین اسی وقت جناب ذیالکفل کی نیند میں خلل ڈالا اورشور مچانے لگا کہ اس شخص نے آپ کے خط کی بخی کوئی پروانہیں کی اور یہاں آنے سے انکار کردیا .اور پھر آپ کے سامنے بے تحاشا چیخنے لگا کہ آپ علیہ السلام کو غصہ دلائے اور غیظ و غضب میں لائے آخرکار کہنے لگا اگر آپ خود اس وقت میرے ساتھ چلیں تو میراکام ہوسکتا ہے.

روایت میں ہے کہ اس دن دھوپ اتنی سخت تیز تھی کہ گوشت کاٹکڑا اس میں جل کے کباب ہوجائے.اس نے اتنا شور مچایا کہ کہ آخر کار آپ اس کے ساتھ جانے پر رضامند ہوگئے.

اس جلادینے والای دھوپ میں جب انہوں نے کچھ راستہ طے کیا توشیطان کو یقین ہوگیا کہ آپ علیہ السلام کو غصہ میں لانا ناممکن ہے.

چنانچہ وہ فریاد زناں وہاں سے فرار ہوگیا.

بے تقویٰ دل میں ذکر الٰہیٰ کا الٹا اثر ہوتا ہے:

کبھی ذکر الٰہی بے تقویٰ دل کی حالت کو مزید خراب کردیتا ہے اور اس کی بے دینی کو اشکار کردیتا ہے.

کیا آپ نے سنا نہیں کہ ملعوں شقی ابن زیاد جب سر مقدس جناب سید الشہدا علیہ السلام کو پکڑا ہوا تھا تو سر اقدس سے ایک خون کا قطرہ ٹپکا اور اس ملعون کی ران کو چھیدتا ہوا دوسری طرف نکل گیا اس ملعون نے سر کو نیچے رکھ دیا اور ہاتھ میں جو چھڑی پکڑی تھی اس سے آپ علیہ السلام کے لب ودندان سے گستاخی کرنے لگا.

زیدبن ارقم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت دی کی اے ابن زیاد میں بارہا بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لب و ندان کو چومتے ہوئے دیکھا ہے اس سے بڑھ کر یاد دہانی اور کیا ہوسکتی ہے لیکن یہ ملعون بجائے اس کے کہ اس گواہی سے نصیحت حاصل کرے ہنسے لگا افسوس ہے ہ تو بوڑھا ہوچکا ہے ورنہ اسی وقت تیری گردن اڑادیتا اور زیدبن ارقم کو اپنے دربار سے نکال دیا.

ابن زیاد ہیں پر منحصر نہیں ہر وہ شخص جو دل کاندھا اور بہرا ہوتا ہے اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی یاد دہانی کی نابینائی اور بہرے پن میں اضافے کا سبب بنتی ہے.

مجلس13

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحیم إِنَّ الَّذینَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ

تقویٰ مشق سے پیدا ہوتا ہے:

جب ہم بچے کو مدرسے میں داخل کرتے ہیں تو پہلے روزنہ وہ کچھ پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی لکھ سکتا ہے بلکہ کام کی ابتداء اس کے لئے سخت مشکل اور مشقت طلب ہوتی ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ پڑھنے لکھنے سے مانوس ہوجاتا ہے اور پڑھائی لکھائی اس کی عادت بن جاتی ہے تو پھر اس کے لئے اس میں کوئی مشکل باقی نہیں رہتی.

بالکل یہی حقیقت تقویٰ کی بھی ہے اہل تقویٰ ہونا ترک گناہ پر منحصر ہے.

انسان کو چاہیئے کہ وہ باربار گناہ ترک کرے جب بھی گناہ کا موقعہ ملے تو اس کے ارتکاب سے بچے جس طرح بچے کے لئے ابتداء میں لکھنا پڑھنا دشوار ہوتا ہے لیکن مشق سے آسان ہوجاتا ہے اور اس کی عادت بن جاتی ہے اس طرح اگر انسان پورے عزم وارادہ سے گناہ کوترک کرے اور اس سے ہر ممکن کوشش سے اپنے نفس کو بچائے تو رفتہ رفتہ کچھ مدت کی مشق کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور روشن فرماتا ہے جس کی وجہ سے ترک گناہ اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے اور اپنی زبان پر اسے اتنی قدرت حاصل ہوجاتی ہے کہ ساری دنیا کی بادشاہت کے عوض میں بھی وہ جھوٹ کبھی نہ بولے گا.

وہی گناہ جس کا ترک کرنا اس کے لئے جان جوکھم تھا اب اس کا انجام دینا اس کے لئے سخت مشکل ہوجاتا ہے انسان کو چاہیئے کہ خودمیں ایسی قوت وقدرت پیدا کرے کہ ہرگناہ کو آسانی ترک کرسکے اس سے اس کے دل میں اطمینان اور لذت کی کیفیت پیدا ہوگی.

ترک گنہ میں لذت قلبی جسے ملے وہ لذت حیات سے بیگانہ ہوگیا.

یقیناً اللہ تعالیٰ: (وَ لا يَرْضى‏ لِعِبادِهِ الْكُفْر) اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں فرماتا: (وَ لكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمانَ وَ زَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَ كَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوقَ وَ الْعِصْيانَ) لیکن خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا ہے اور کفر, فسق اور معصیت کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دے دیا ہے.

آخر کار گناہگار کو گناہ سے گھن آنے لگتی ہم اور وہ تقویٰ کے اس مقام کو پالیتا ہے جہاں گناہ اسے ہر تلخی سے تلخ تر اور ہر بدی سم بدتر نظر آنے لگتا ہے اور ہر گناہ بلا لحاظ شدت وخفت اس کے نزدیک قابل صد نفرین ہوجاتا ہے.

تقویٰ کا ملکہ انسان میں بڑی محنت اور مشق سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے کچھ درجات و مراتب ہیں.

ترک مشتبہات:

جب انسان میں ترک حرام کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے تو وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہے ت اور مزید کوشش سے ترک مشتبہات کا ملکہ حاصل کرلیتا ہے گویا وہ نہ صرف حرام سے مجتنب رہتا ہے بلکہ جس چیز کے حرام ہونے کا شبہ بھی ہو اس سے بھی پرہیز کرتا ہے اور احتیاط کرتا ہے کہ شاید حرام ہو۔

وہ ایسے بھی الفاظ سے پرہیز کرتا ہے جن کے بارے میں اسے شبہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہیں اور ان سے احتیاط کرتا ہے کہ کہیں خلاف واقعہ نہ ہوں اس طرح رفتہ رفتہ اس میں ملکہ ترک مشتبہات راسخ ہوجاتا ہے۔

ترک مکروہات:

اس کے بعد وہ تقویٰ کے اس مقام کو پالیتا ہے جہاں مکروہات بھی ترک ہوجاتے ہیں اور مستحبات کی انجام دہی کا پورا پورا اہتمام ہوتا ہے یہاں پہنچ کر وہ مستحب کو غیر واجب سمجھ کر اس کی کم اہمیتی کا قابل نہیں رہتا اور یہ نہیں کہتا کہ فلاں کام اگر نہ کیا تو کیا حرج ہے مستحب ہی تو ہے! یا یہ کہ فعل مکروہ کا ترک جائز ہی تو واجب نہیں کیونکہ بظاہر تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا ذرا باطنی ہی سے کراہت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ منہیات ضروریہ کے ذیل میں نہیں آتا. بہرحال مشق اور محنت سے راہ تقویٰ کا سالک ترک مکروہات کے ملکہ کو بھی حاصل کرلیتا ہے۔

ترک حرام کی غرض سے ترک مباح:

بلکہ وہ ایسے مباحات سے بھی مجتنب ہوجاتا ہے جن سے اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ ترک واجبات بن سکتے ہیں۔

مثلاً آدھی رات تک جاگتے رہنا اور خوش گپیاں کرنا مباح ہے اور اس دوران میں دو تین بار کھانا پینا اور پرخوری بھی شرعاً ناجائز نہیں لیکن شکم پری کی حالت میں دیر سے سونا صبح کی نماز کے فوت ہونے کا سبب ہوسکتا ہے اور ایک واجب سے محرومی کا باعث بن سکتا ہے چنانچہ یہ ملکہ اس میں اتنا طاقتور ہوجاتا ہے کہ وہ ہر اس فعل مباح سے بھی پرہیز کرتا ہے جس کے بارے میں اسے اندیشہ ہو کر فوت واجب کا سبب بن سکتا ہے۔

رمضان کے لئے روزانہ ایک پیسہ:

ایک نا بنائی ہمار دوست تھا جو اپنے کام میں بہت سیانا اور کماؤ تھا اتفاق سے اس سال روزے گرمیوں میں آئے اس نے پوری ماہ رمضان کام سے چھٹی کی اا س کا کہنا تھا کہ میں تنور کا ماہر ہونّت لیکن گرمیوں مین تنور پر بیٹھ کر روزہ نہیں رکھ سکتا.اس مقصد کے لئے میں گیارہ مہنے تک ہر ورز ایک پیسہ پس انداز کرتا ہوں تاکہ رمضان کا پورا مہینہ کام سے چھٹی کر کے روزہ رکھ سکوں.

اگرچہ ایک پیسہ ہر وز خرچ کرنا مباح تھا لیکن با تقویٰ شخص اس مباح کا مرتکب نہ ہوا کہ مبادا رمضان کا روزہ اس سے فوت ہوجائے اور وہ فعل واجب اس سے چھوٹ جائے.

ترک واجب کا سبب سفر:

روایت ہے کہ ایک شخص امام علیہ السلام کی خدمت حاضر ہوا او رکہنے لگا: مجھے ایک سرد ملک کا سفر درپیش ہے، ان دنوں وہاں اتنی برفباری ہوتی ہے کہ سارا ملک برف سے ڈھک جاتا ہے اور نہ وضو کے لئے پانی ملتا ہے اور نہ تیمم کے لئے مٹی دستیاب ہوتی ہے ایسی حالت میں نماز کے بارے میں مجھ پر کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے اس پر عتبا فرمایا کہ ایسا سفر تو کیوں کرتا ہے جس کی وجہ سے دین کےت ضروری واجبات کو انجام نہ دے سکے جب تجھے علم ہے کہ تیرے اس عمل سے تیری نماز فوت ہوجائے گی تو تجھے تقویٰ اختیار کرنا چاہئے اور اس ارادے سے باز رہنا چاہئے.

جب کسی محفل میں جانا مباح تو ہو لیکن وہاں گناہ میں بتلا ہونے کا اندیشہ بھی موجود ہوتو آپ کو شروع ہی سے خبردار رہنا چاہئے کہ کہیں اس فعل مباح یا مستحب کے اقدام سے آپ ترک واجب کے مرتکب تو نہیں ہو رہے اور کوئی فعل حرام تو اس کی وجہ سے آپ سے سرزد نہ ہوگا.

لیکن یہ سب اندیشے ضعیف الاعتقاد اور کم تقویٰ لوگوں کے بارے میں ہیں اہل تقویٰ انسان کبھی ایسی لغزش نہ کھائے گا وہ جو بھی کرنا چاہئے گا پہلے اس کے انجام پر غور کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ اس کا لازمی نتیجہ کیا ہے.

بینا ہے وہ جو دیکھ لے انجام کار کو

مادی وسعت:

بہت سے اسے مباحات ہیں جو انسان کو فعل حرام تک لے جات ہیں وہ سمجھتا ہے کہ مادی لحاظ سے ان میں کافی وسعت ہے اور اگرچہ کوئی کام مستحب یا مباح ہو، اہل تقویٰ کی نظر اس کے لوازم اور انجام و نتائج پر بھی ہوتی ہے وہ خوب غور کرتا ہے کہ اس کے ارتکاب سے اسے کس صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اسباب دینوی میں فضول خرچی اور اسراف کیوں؟ اور عمر کو فضول کاموں میں تلف کرنے سے کیا حاصل؟ جب انسان واجب خراجات سے صرف نظر کرے، اپنے غریب و مفلس اور محتاج و نادار اعزا کی مدنہ کرے اور نمائشی کاموں کو قرض لے کر بھی انجام دے تو اس کی عبادت ریا اور اس کی نماز بے کیف و بے حضور ہوجاتی ہے، وہ صرف اسی دنیا کا ہو کر رہ جاتا ہے اور حسن عاقبت سے بے نصیب ہوجاتا ہے۔

زندگی کے سازوسامان یمں دلچسپی حرام نہیں بلکہ شرعاً جائز اور مباح ہے لیکن جب اسے غیر معمول اہمیت دی جائے گی تو وی ہ قطع رحمت کا ارتکاب کرائے گا فسودپر قرض لینے کی انگیخت کرے گا اور حرام پر حرام کے ارتکاب پر مجبور کردے گا۔

دوسری مثال: خوشی مزاجی اور بذلہ سنجی جائز اور مباح ہے اور ربعض اوقات کسی اچھے مقصد کے لئے مستحب بھی ہے. لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حد اعتدال سے متجاوز ہو کر یہی مستحب فعل فریق ثانی کی دل آزاری کا سبب بن جاتا ہے اور ایذائے مومن کا باعث بنکر حرام مطلق ہوجاتا ہے۔

لہذا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے اور روضع مادی میں ناروا وسعت سے اور غیر معتدل شوخی اور ہنسی مذاق سے اجتناب کرنا چاہئے تاکہ کسی برادار ایمانی کا دل توڑ کر حرام کے مرتکب نہ ہوں۔

خلاصہ یہ کہ تقویٰ کے تین مراتب ہیں:

اولا: ملکہ ترک گنا.

ثانیا: ملکہ ترک مشتبہات و مکروہات .اور

ثالثاً: ایسے مباحات کے ترک کا ملکہ جو ترک واجب کا باعث یا ارتکاب حرام کا سبب بن سکتے ہوں.

رکن دوم

تذکرّ

مجلس14

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ

استعاذہ کا رکن دوم تذکر یعنی ذکر الہیٰ یا یاد خدا ہے جو شخص صاحب تقویٰ ہوجاتا ہے اس کا قلب و ضمیر شیطان کے غلبہ و تسلط سے آزاد ہوجاتا ہے کیونکہ جب تک اس کا تسلط رہتا ہے، استعاذہ کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی شیطان اہل تقویٰ انسان کے دل کے گرد گھومتا ہے تاکہ اس میں داخل ہونے کی راہ پیدا کرے لیکن جب وہ متقی شخص ذکر خدا میں مشغول ہوجاتا ہے تو فوراً ہی برق رحمت الہیٰ کوندتی ہے اوراس کے جھماکے میں اسے ابلیس کا بچھایا ہوا جال صاف نظر آتا ہے اور وہ اس کے شر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

آئیے اب دیکھیں کہ اس آیہ شریفہ میں تذکر سے مقصود مراد لہیٰ کیا ہے۔

خیال گناہ و یاد خدا:

تفسیر برہان میں اس آیہ کی تفسیر میں حضرت امام محمدباقر علیہ السلام اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت واردہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مومن کے دل میں دفعتاً کبھی گناہ کا خیال آتا ہے تو گروہ ابلیس کی جانب سے اس پر اس گناہ کو کرگذرنے کے لئے پوری خیال سے باز آجاتا ہے"ان الرجل یھم بالذنب فیذکر اللہ فیضعہ"یعنی انسان گناہ کا ارادہ کرتا ہے لیکن خدائے تعالیٰ کی یاد آتے ہی وہ اس ارادے کو چھوڑ دیتا ہے۔

ذکر خدا کے بھی درجات ہیں جو موقعہ و محل کی مناسبت سے مختلف ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ گناہ کا خیال آتے وقت انسان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسے اس پر اکسانے والا اس دشمن ہے اور دشمن کی مخالفت عقلاً واجب ہے علاوہ ازیں اس کا اللہ تعالیٰ سے یہ عہد ہے کہ وہ شیطان کی پرستش نہیں کرے گا کیونکہ وہ اس کا کھلا دشمن ہے۔

لہذا اسے نہیں چاہیئے کہ اپنے عہد سے بے وفائی کرے اور عبد رحمان بننے کی بجائے عبد شیطان ثابت ہو چنانچہ ضروری ہے کہ اپنے عہد کا پاس کرتے ہوئے وہ شیطانی القاء کی مخالفت کرے کیونکہ اس کی پیروی کا نتیجہ ہلاکت وگمراہی کے سوا کچھ نہیں (وَ

لَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلاًّ كَثيراً أَ فَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ) اس شیطان نے تم میں سے بہت سی نسلوں کو گمراہ کردیا ہے تو کیا تم بھی عقل استعمال نہیں کرو گے.

ایک دوسری آیت میں زیادہ وضاحت و صراحت سے ارشاد ہوتا ہے: (كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلاَّهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَ يَهْديهِ إِلى عَذابِ السَّعيرِ) ان کے بارے میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو شیطان کو اپنا دوست بنائے گا شیطان اسے گمراہ کردے گا اور پھر جہنمّ کے عذاب کی طرف رہنمائی کردے گا.

اگر کوئی شخص شیطانی خیالات کی پیروی کرے گا اور وسوسہ ابلیس کو قابل توجہ و اعتنا سمجھے گا تو اللہ تعالیٰ ہدایت کی تمام راہیں اس پر بند کرکے اسے جہنم میں بھیج دے گا.

ذکر شیطانی وسوسہ سے نجات دیتا ہے:

جب بھی کبھی شیطانی وسوسہ مومن کے دل میں داخل ہونے لگتا ہے تو وہ فوراً یادخدا میں مصروف ہوجاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اگر میں نے یہ گناہ کرلیا تو رحمت خداوندی سے دوری کی زندگی میرے کس کام کی ہوگی.

ممکن ہے کہ شیطا دوسری کوشش میں اس کے دل میں وسوسہ ڈالے کہ گناہ کی لذت سے خود کو محروم نہ کر.بعد میں توبہ کرلینا.تو صاحب تقویٰ اس کے وسوسہ کو رد کرنے کے لئے جواب دے گا کہ اس بات کا کیا یقین ہے کہ توبہ کی توفیق مجھے حاصل ہوگی اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ میری توبہ قبول ہوجائے گی؟ مختصر یہ کہ خدا کی یاد شیطان کو مومن کے دل پر غلبہ نہیں پانے دیتی کبھی شیطان صاحب تقویٰ انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ گناہ "صغیرہ" ہے لیکن اس کا یاد خدا میں مشغول دل جواب دیتا ہے کہ دور ہو مردود! اللہ تعالیٰ کی نافرنانی بہر حال "کبیرہ" ہے.

کبھی ابلیس ملعون صاحب تقویٰ کو ڈراتا اور دھمکی دیتا ہے کہ اگر تو نے میرے کہے پر عمل نہ کیا تو اس کا انجام برا ہوگا یا ترغیب و تحریص کے طور پر اسے گناہ کی خوش انجامی کی نوید دیتا ہے لیکن اس کی یہ تہدید و تحریص صرف ان پر اثر انداز ہوتی ہے جو اس کی دوستی کو کوئی اہمیت دیتے ہوں کیونکہ (إِنَّما ذلِكُمُ الشَّيْطانُ يُخَوِّفُ أَوْلِياءَهُ) یہ شیطان صرف اپنے چاہنے والوں کو ڈراتا ہے.

لیکن صاحب تقویٰ شخص ذکر الہیٰ کی مدد و برکت سم فوراً سمجھ جاتا ہے کہ ایسے خیالات محض شیطانی وساوس ہیں جن سے ہرگز ڈرنا یا متاثر ہونا نہیں چاہئے کیونکہ مومن صرف اپنے خدا سے ڈرتا ہے (. فَلا تَخافُوهُمْ وَ خافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنينَ) لہذا تم ان سے نہ ڈرو اور اگر مومن ہو تو مجھ سے ڈرو.

کبھی شیطان انسان کو اس کے تدین یا حب اہلبیت علیہم السلام پر مغرور کرتا ہے مثلا کہتا ہے "ماشاء اللہ "تم کتنی ہی بار کربلائے معلی کے سفر کی سعادت حاصل کر چکے ہو اور اپنی زیارت کے دوران کتنے ہی نیک عمل انجام دے چکے ہو حسین علیہ السلام ضرور تمہاری شفاعت فرمائیں گے اب کوئی گناہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا.

لیکن مومن کو چاہیئے کہ ان الفاظ سے مغرور اور مطمئن ہونے کی بجائے یوں جواب دے "اگر مجھ سے گناہ سرزد ہوا تو میرے شفیع مجھ سے ناراض ہوں گے. اور یہ گناہ حسین علیہ السلام اور میرے درمیان حجاب بن جائے گا. واللہ اعلم کہ ایک گناہ کے ارتکاب سے میں اپنے شفاعت کرنے والوں سے کتنا دور ہوجاؤں گا حسین علیہ السلام کی زیارت کی سعادت اور آپ علیہ السلام کی سفارش کی نوازش پر غرور بھی تو ایک گناہ ہی ہے جو مجھے آپ علیہ السلام کی شفاعت سے محروم کرسکتا ہے".

ہاں صاحب تقویٰ خود روحانی طور پر اس سعادت پر ناز کرسکتا ہے لیکن وہ صورت تشکر کی ہوگی جس کے لئے خارج سے وعظ و نصیحت کی ضرورت ہوگی کیونکہ خارج سے اس امر کی احتیاج اس وقت ہوتی ہے جب انسان کو خود ایسی سعادت کا شعور نہ ہو اور وہ اسے قابل تشکر نہ سمجھا ہو جناب امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: "حقیقی طور پر سعادتمند وہ ہے جو خود اپنا واعظ اور ناصح ہو".

غیظ و غضب کی حالت میں شیطانی وسوسہ:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان جدال کے دوران غصے میں آجاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا مخاطب اس سے بدکلامی کرتا ہے شیطان اس کے دل میں ووسہ ڈالتا ہے کہ تو بھی ویسے ہی الفاظ جواب میں کہہ لیکن تقویٰ کی برکت سم وہ فوراً خدا کو یاد کرتا ہے. اس کی عقل اسے کہتی ہے کہ تمہارے مخاطب نے برا کیا اگر تم بھی برا کروگے اور فحش کلامی کروگے تو تم دونوں میں فرق کیا رہا؟ اس نے فحش گوئی سے شیطان کی پیروی کی تم بھی اگر فحش گوئی کروگے ویسے ہی ہوجاؤگے.! ذکر کے فیض سے اس کا ضمیر اس کی رہنمائی کرے گا کہ غلط الفاظ کا جواب خدائے تعالیٰ کے دستور کے مطابق دے کہ (وَ إِذا خاطَبَهُمُ الْجاهِلُونَ قالُوا سَلاماً :) جب جاہل لوگ ان سے غلط انداز میں بات کرتے ہیں تو اخلاق کی سلامتی کے ساتھ انہیں جواب دیتے ہیں. اگر ذکر کی بدولت اس نے ابلیسی وسوسہ کا سدباب کرلیا تو بہتر ورنہ پھر ایک وہ کہے گا اور جواب میں ادھر سے ایک یہ کہے گا اور انجام کار دونوں ایک دوسرے سے دست بگریبان ہو ہوجائیں گے اور سوتے کا وہ سوراخ جو اس کے پھوٹتے وقت ایک مشت خاک سے بند سکتا تھا اب منوں مٹی سے بھی بندنہ ہوگا. اگر پہلے ہی ایک لفظ کو وہ برداشت کرجاتا تو یہ جھگڑا وہیں ختم ہوجاتا اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی.

اب ہم وضاحت سے دیکھ سکتے ہیں کہ لوگ کس قدر شیطان کے پھندے میں گرفتار ہیں حتیٰ کہ وہ بھی جو خود کو اہل تقویٰ سمجھتے ہیں متقی ہونے کے باوجود اگر تذکر سے محروم ہیں تو دام ابلیس میں ان کا الجھنا بالکل ممکن ہے.

آپ کے دل میں ایک ناصح اور واعظ کا وجود ضروری ہے جو آپ کو نصیحت کرے کہ غرور سے بچیں اور طفلانہ تصرفات سے باز رہیں یاد رکھئے کہ مردوہ ہے جو کام کے انجام کو دیکھے مثلا اوپر ہی کی مثال میں اگر آپ غصے کے دوران دل کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے جو بھی کرتے نقصان رسان نہ ہوتا لیکن کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ دل کی اس ٹھنڈک نہ ہونے سے فساد کی کتنی آگیں بھڑکتی ہیں اور شیطان کی اس ایک لحظہ کی پیروی سے کتنے بڑے گناہ جنم لیتے ہیں؟!

ہر مومن پر لازم ہے کہ خود اس کے وجود میں وسائل تذکر موجود ہوں زمانہ قدیم میں ایسے مومن موجود رہے ہیں جو اپنی زندگی میں قبر تیار کر کے اس میں کلام پاک کی تلاوت کرتے تھے تاکہ ان کے دل میں آخرت کی یاد تازہ رہے اور قبر کا اندرون نور تذکر سے روشن رہے۔

حزقیل کی عبرت:

روایت ہے کہ جب حضرت داوود علیہ السلام سے ترک اولیٰ سرزد ہوا اور وہ کوہ و بیاباں میں جا کر آہ وزاری اور گریہ وزاری کرنے لگے تو چلتے چلتے وہ اس پہاڑ پر پہنچے جہاں ایک غار میں حزقیل نبی علیہ السلام مصروف عبادت تھے جب حزقیل نے پہاڑوں اور حیوانوں کا گریہ سنا تو سمجھ گئے کہ داوودنبی علیہ السلام آئے ہیں کیونکہ داوود جب زبور کی تلاوت کرتے تھے تو شجر و حجر و حیوان سب ان کے ساتھ ہم آواز ہوتے تھے۔داوود علیہ السلام نے غار کے نیچے آکر آواز دی:"اے حزقیل علیہ السلام !کیا" داوود علیہ السلام کو ترک اولیٰ کی وجہ سے سرزنش نہ کریں بلکہ ہم سے ان کے لئے عفو و عافیت طلب کریں کیونکہ جب ہم کسی کو اس کے حال پر چھوڑتے ہیں تو اس سے خطا ضرور سرزد ہوتی ہے۔

پس حزقیل علیہ السلام نے داوود علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے پاس لے گئے۔

داوود علیہ السلام نے حزقیل علیہ السلام سے پوچھا:اے حزقیل !کیا آپ نے کبھی گناہ کا ارادہ کیا!انہوں نے جواب دیا: کبھی نہیں پھر انہوں نے پوچھا:

کبھی غرور مین مبتلا ہوئے ؟جواب دیا نہیں پھر پوچھا:

کبھی دنیا اور اس کی لذتوں پر آپ کا دل آیا؟کہنے لگے:ہاں پوچھا:تو آپ اس کا کیا علاج کرتے ہیں؟انہیں نے کہا:غار کے اس شگاف میں داخل ہوجاتا ہوں اور جو کچھ وہاں دیکھتا ہوں اس سے عبرت حاصل کرتا ہوں۔

داوود علیہ السلام ان کے ہمراہ اس شگاف میں داخل ہوئے اندر دیکھا تو ایک لوہے کا تخت نظر آیا جس پر بوسیدہ ہڈیاں پڑی ہیں اور ایک آہنی لوح اس تخت کے نزدیک رکھی ہے جس پر یہ عبارت لکھی ہے۔

میں اورائی بن شلم نے ہزار سال حکومت کی ہزار شہر آباد کئے اور ہزار کنواریوں کی بکارت زائل کی لیکن میرا انجام یہ ہے میرا بستر خاک اور میرا تیکہ پتھر ہے اور میرا جسم کیڑوں مکوڑوں کی آماج گاہ ہے پس جو کوئی مجھے دیکھے دنیا کا فریب نہ کھائے.

دو مٹھی خاک کا بستر:

دیکھا آپ نے، کہاں وہ شہنشاہانہ قدرت وسطوت وتصرف اور کہاں وہ جاہ نشینی اور خاک گزینی !مومن کو چاہئے کہ خود اپنی ذات کو تلقین کرے کہ:بالفرض میں نے شیطان اور ہوائے نفس کی اطاعت کی اور دنیا اور اس کے لوازم کے پیچھے بھاگا لیکن یہ سرگرمی آخر کب تک؟کیا اپنی ذات کے لئے ضرورت سے زیادہ سرگرم شخص ہمیشہ زندہ رہتا ہے؟؟مجھے چاہئے کہ جو کچھ بھی بن پڑے اور جیسے بھی ممکن ہو اس بادشاہ جیسا نہ بنوں اور اس جیسا میرا انجام نہ ہو...!

آخری جس کا ٹھکانا ایک مٹھی خاک ہو کیون بنائے زندگی میں قصروہ گردوں شگاف

ہمارا موضوع سخن تذکر ہے جو انسان خود کو آزاد چھوڑدیتا ہے اور خدا کو یاد نہیں کرتا وہ کہیں کا نہیں رہتا.انسان کو چاہئے کہ کردار میں پہاڑ جیسا ہو نہ تنکے جیسا جو شیطان کے ہر وسوسے کی لہریں میں بہ جاتا ہو.اسے چاہئے کہ دنیا کی ظاہری چکاچوند کو خاطر میں نہ لائے بلکہ اس کے انجام کو دیکھے جو بہر حال فنا اور نابودی ہے.

قبروں پر جانا چاہئے:

بہر حال یہ بہت ضروری ہے کہ خود آپ کا نفس آپ کا ناصح اور واعظ ہو یہ جو شرع مقدس میں قبروں اور بالخصوص والدین کی قبروں کی زیارت کی اتنی تاکید وارد ہوئی ہے کسی لئے ہے؟

اسی لئے ہے کہ ان کے لئے فاتحہ پڑھئے تاکہ انہیں ثواب واصل ہو ان کے لئے صدقہ دیجیئے کہ ان کی روحوں کو فائدہ پہنچے بلکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ والدین کی قبر پر جاؤ کیوں کہ وہ دعا کی قبولیت کا مقام ہے...

اور اس کا سب سے بڑا فائدہ خود آپ کی ذات کو ہے کہ آپ جان لیں کہ والد نہیں رہے تو ہم بھی نہیں رہیں گئے جلد یا دیر ان سے جاملیں گے اس دور روزہ زندگی کا فریب مت کھائے شیطانی وسوسے میں نہ آئیے اور ہر وقت خدا اور اس روز جزاء کو یادرکھئے.

جناب زہرا علیہا السلام شہدائے احد کی قبور پر:

صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی سیرت طیبہ میں آیا ہے کہ بعد وفات حسرت آیات سرور کائنات ؐ آپ کو ایسی گستاخانہ باتیں سننا پڑیں جن سے آپ علیہا السلام بیمار ہوگئیں لیکن پھر بھی سوموار اور جمعرات کو آپ علیہا السلام اپنے شوہر نامدار علی علیہ السلام کی اجازت سے احد میں اپنے جدامجد جناب حمزہ اور دیگر شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتیں.

خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض الموت کے دوران باوجود شدت بخار اور ضعف ونقاہت کے فرماتے تھے میری بغلوں میں ہاتھ دو اور مجھے قبرستان بقیع میں پہنچاؤ.

اے بار خدایا ہمیں اہل ذکر وتذکر بنا بحق محمد وآل محمد.

مجلس15

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ

پچھلی رات ہم نے ارکان استعاذہ میں سے دوسرے رکن کے بارے میں کچھ بیان کیا آج رات بھی ہم ابلیسی وسوسوں کے مقابل مین تذکر کے کچھ دیگر معانی کا ذکر کریں گے.

نبی ﷺ سے ایک حدیث پاک مروی ہے جس کی صحت پر مسلمانوں کے تمام مکتب فکر متفق ہیں اور سب نے اسے نقل کیا ہے ارشاد نبوی ہے"وَ إِنَّمَا الْأُمُورُ ثَلَاثَةٌ أَمْرٌ بَيِّنٌ رُشْدُهُ فَيُتَّبَعُ وَ أَمْرٌ بَيِّنٌ غَيُّه وَ أَمْرٌ بَيْنَ ذَلِک"ہدایت والے امور گمراہ کن امور اورہدایت اور گمراہی کےدرمیانی امور.

یقینی طور پر اچھی چیزیں (ہدایت والے امور):

کس کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں انسان کے دل میں جتنے بھی خیالات آتے ہیں انہیں تین صورتوں میں منحصر ہوتے ہیں اگر کوئی کام ایسا ہو کہ اس کی خوبی او راچھائی بالکل روشن ہو اور وہ سراسر خیر ہو تو اس کے بارم میں پاکیزہ اور رحمانی خیالات دل میں پیدا ہوں گے اور ایک روحانی تقاضا اس کی انجام دہی کا ذہن میں بھرے گا اگر اس طرح کا خیال کسی کام کے بارے میں آپ کے دل میں آئے جس کے مکمل طور پر خیر ہونے کے بارے میں آپ کو سوفیصدی یقین ہو ااور ذراس بھی شائبہ شبھے کا اس میں نہ ہو تو پورے عزم صمیم اور اور پختہ ارادے کے ساتھ اسے انجام دیں ویسے اعمال واجبات کی ذیل میں آتے ہیں.

قطعی طور پر برے کام(گمراہ کن امور):

اگرآپ کے دل میں کسی ایسے کام کا خیال آئے جس کے شیطانی ہونے کا آپ کو یقین ہو اور اس کےت سراسر شرہونے میں کسی قسم کے شبہے کی گنجائش آپ کے ذہن میں نہ ہو تو انگیخت کے باوجود آپ تذکر کے فیض سے اسے کرنے کاارادہ نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے شناسائی کی وجہ سے اسے گمراہی سمجھتے ہوئے اس کے خیال کو ردکردیں گےیہی مفہوم ہے (: فاذا هم مبصرون) کے الفاظ کا.

شبہ کے مقامات (ہدایت اور گمراہی کے درمیانی امور):

تیسری قسم میں وہ خیالات ہیں جن کے بارے میں بہت سے ایسے مباحات ہیں جن کے متعلق ہمیں علم نہیں ہوتا تاکہ کہاں سے اور کیسے ہمارے دل میں آتے ایسے مواقع پر ہمیں کیا کرنا چاہیئے.

وہ لوگ جو کامل تقویٰ کا مرتبہ پا چکے ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور معزز و مقرب ہیں اور ایسے ورشن ضمیر ہیں کہ تقویٰ کے نور کا پورا احساس رکھتے ہیں خود بخود سمجھ لیتے ہیں کہ کوئی کام اچھا ہے یا برا. ان کی بصیرت اتنی قوی ہوتی ہے کہ پوری وضاحت سے کسی ارم کے رحمانی یا شیطانی ہونے کا ادراک کرلیتے لیکن ایسے افراد کی تعدا بہت کم ہے اور وہ انگلیوں پر شمار ہوسکتے ہیں.

احتیاط ضامن نجات ہے:

اور اکثر لوگ جو اس حد کمال تک نہیں پہنچ سکے اور تقویٰ کے نچلے درجات پر فائز ہیں، وہ بھی تذکر کے فیض سے تاوقتے کہ انہیں کسی کام کے رحمانی ہونے کے بارے میں پورا یقین نہ ہوجائے وہ اسے کرنے کا خیال دل میں نہیں لاتے خواہ وہ ظاہر ہیں کتنا ہی جاذب نظر ہو کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی خرابی موجود ہو جس سے اس کے ایمان کو کوئی نقصان پہنچے اور وہ خطرے سے دوچار ہوجائے اسی لئے ارشاد ہوا کہ "قف عند الشبهة"

جب تمہیں کسی امر کے رحمانی اور حلال نے میں شبہ ہو تو اس پر عمل کرنے سے توقف کرو، جس لقمے پر تمہیں حرام ہونے کا شک ہو، یقین و اطمینان حاصل ہونے تک اسے کھانے سے باز رہو.

کسوٹی:

شرع مقدس میں امور دینا کے بارے میں حریت وتردد کے ازالے اور اچھے برے کی پرکھ کے لئے ائمہ ہدیٰ کے ارشادات وارد ہیں جن کا اہل تقویٰ تک پہنچنا ضروری ہے تاکہ وہ ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی عاقبت سنوارسکیں ان مقدس ہستیوں کا مقرر فرمودہ معیار یہ ہے: ہر وہ عمل جو انسان کے نفس کی خواہش کے مطابق ہوگا شیطانی ہوگا اور جو اس کے میلان کے خلاف ہوگا رحمانی ہوگا.

بعض کامت ایسے ہوتے ہیں کہ نفس کا میلان ان کی طرف ہوتا ہے مثلا ایک سفر درپیش ہے جو اس کے نفس کے میلان کے خلاف نہیں لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس میں خدا کی رضا ہے یا شیطان کی اور بعض اوقات تو یہ سفر غیر معمولی طور را سے اچھا لگتا ہے جب یہ صورت ہو تو اسے جان لینا چاہیئے کہ اس عمل کا محرک کوئی ناپاک شیطانی خیال ہے جس کا مقصد اسے اس سفر کے ذریعے کسی فعل حرام میں بتلاکرنا ہم یا کم ازکم کسی فعل واجب سے محروم کرنا ہے.

لیکن جب آپ محسوس کریں کہ آپ کا نفس اس کی طرف مائل نہیں تو جان لیجئے کہ وہ ضرور رحمانی ہے اور آپ کو چاہئے کہ اسے کرگزریں کیونکہ وہ خیرہی خیر ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ یہ معیار شخص کے لئے نہیں کیونکہ اکثر لوگ ہوس پرستی کی طرف میلان رکھتے ہیں اور ان حقائق سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

استخارہ تردد میں رہنمائی کرتا ہے:

روایات میں آیا ہے کہ جب آپ دوراہے پرہوں اور نہ جانتے ہوں کہ کون سا راستہ رحمانی ہے اور کونسا شیطانی تو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنے سے درست راہ ملی جاتی ہے۔

استخارہ "طلب الخیرہ من اللہ" اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا، کہ اے اللہ میں حیران ہوں نہیں جانتا کہ اس کام میں تیری رضا ہے یا نہیں، اپنے فضل وکرم سے مجھ پر اپنی رضا روشن فرما۔

لیکن یہ صورت حال ضروری طورپر دعا کو مستلزم ہے کیونکہ استخارہ حقیقت میں دعا ہی ہے۔

بعض لوگ استخارے کو غلط سمجھے ہیں:

مسلمانوں نے خود ایک بری عادت پیدا کرلی ہے، وہ استخارہ مالی منفعت کے حصول ے لئے کرتے ہیں یہ استخارہ تو نہ ہوا کیونکہ استخارہ تو جیسے عرض کیا گیا ایک دعا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کی جاتی ہے جس میں اس کی رضا ہو۔

قبرمقدس نبی ﷺ پر جناب امام حسین علیہ السلام کا استخارہ:

جناب ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام نبی ﷺ کی قبر مطہر پر حاضر ہوئے اور بہت روکر اللہ تعالیٰ سے یوں التجاء کی پروردگار! آپ گواہ ہیں کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چاہتاہوں اس بارے میں آپ مجھ پر اپنی رضا روشن فرمائیں۔

اور پھر نبی ﷺ نے آپ کو اللہ کی رضا سے مطلع فرمایا کہ کربلا کو جائیں۔

بہتر یہ ہے کہ اس ضمن میں آپ اپنے آقا و مولا جناب امام زین العابدین سید الساجدین علیہ السلام کی اقتدا کریں آپ کی دعا کو جو صحیفہ سجادیہ میں ہے پڑھئے عرض کرتے ہیں: "پروردگار! جب کبھی میرا دل دو خیالوں میں مبتلا ہو ایک خیال ایسے کام کا ہو جس میں آپ علیہ السلام کی رضا ہو جب کہ دوسرا ایسے کام کے لئے ہو جو آپ کے غضب کا موردہو (شیطان کی اس میں رضا ہو) تو اے اللہ میرے ارادے کو اپنی رضا کے مطابق بنادیں۔

استخارہ تسبیح یا قرآن مجید سے:

اگر دعا سے آپ کی حیرت و تردودہوگیافبھا اورنہ جیسا کہ رویات یںنّت وارد ہوا ہے آپ مجاز ہیں کہ تسبیح یا قرآن مجید سے اپنا تردو رفع کریں لیکن است کی دوشرطیں ہیں ایک تو یہ کہ آپ کو حالت دعامیں ہونا چاہئے یعنی اس کیفیت میں کہ ائے پروردگار اپنے کلام پاک کی برکت سے مجھے ورطہ حیرت و تردو سے نجات عطا فرما اور دوسری شرط یہ کہ آپ قرآن پاک کی آیات کو سمجھ سکتے ہوں اور اسے اپنے موضوع کے بارے میں صحیح مطلب اخذ کرسکتے ہوں.

حکایت عجیب دربارہ استخارہ:

اصفہان میں ایک بڑا آدمی خسرہ کے مرض میں بتلا ہوا علاج کے بعد پرہیزیہ تجویز ہوا کہ بالخصوص پرخوری سے بازر ہے ورنہ مرض واپس آسکتا ہے اسی دوران میں اصفہانت کے ایک بڑے عالم نے اس کے خاندان کی دعوت کی جب دسترخوان پر انواع واقسام کے رنگین ولذیذکھانے چنے گئے تو یہ حضرت کومگومیں بتلا ہوگئے کیونکہ اگر کھاتے ہیں تو پرہیزٹوتا ہے اور یقینی ضرر کا اندیشہ ہے اور اگر نہیں کھاتے تو خودپر بھی ناگوار ہے اور صاحب خانہ کو بھی ناگوار گذرے گا آخر کار اس نے کھانے کے بارے میں قرآن مجید سے استخارہ کیا سورہ نحل کی 69ویں آیت (ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ) نکلی جوشہد کی مکھی کی طرف وحی تکوینی کے طورپر آتی ہےت کہ سب پھل کھا.اور خوب شہد تیارکر.

بس پھرکیا تھا ان صاحب نے آستین چڑھالیں ایک زمانے سے پر ہیز سے تو تھے ہی.اتنا کھایا کہ اگلی پچھلی سب کسریں پوری کردیں.نتیجہ یہ ہوا کہ آپ الفاظ قرآن کی غلط فہمی کی وجہ سے بدپرہیزی کی بھینٹ جڑھ گئے مجلس دعوت مجلس تعزیت میں بدل گئی اور آپ کی بجائے آپ کا جنازہ اس گھر سے نکلا.

اس کے بعد استخارہ کے بارے میں گفتگو ہوئی تو ایک عالم نے فرمایا: اس آیہ مبارکہ کاروئے سخن شہد کی مکھی کی طرف ہے اگریہ حضرت مرحوم بھی ہرکھانے سے اتنا ساہی لیتے جتنا شہدکی مکھی ہرپھول یاپھل سے لیتی ہے اور تھوڑاکھاتے توہرگز کوئی ضرر نہ اٹھاتے یہ حکایت بیان کرنے سے غرض یہ ہے قرآن سے استخارہ کرنا اور اس سے صحیح مطلب اخذ کرنا آسان نہیں ہاں اگر صحیح کیفیت دعامیں ہوں اور قرآن پاک کی آیات سے استفادہ مفہوم کی صلاحیت موجودہو تو کوئی حرج نہیں.

قرآن استخارہ کے لئے نہیں نازل ہوا:

قرآن پاک استخارے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی معرفت عطا کرنے اور بندگی کی رسم وراہ اور آدا انسانیت سکھانے کے لئے نازل کیا گیا ہے اس کے نزول مبارک می غرض ہمیں یہ تبانا نہیں کہ کسی دینوی معاملے میں ہمیں فائدہ ہوگا یا نقصان یا مثلا یہ کہ کیا گھر کا حوض تبدیل کرنا ہمارے لئے سودمند ہوگا یا برعکس یہ استخارہ نہیں فال ہے.

امور کے خیر وشر کی جانچ کے لئے جو معیار ہمیں دیا گیا ہے اس کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے یعنی ہر وہ امر جو آپ کے نفس پر گران ہو خیر ہے اور رحمانی ہے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے انسان زیر بار نہیں ہوتا.

ہم بہر حال مذکورہ بالا دو شرطوں کی پابندی کے ساتھ استخارہ لے کے منکر نہیں ہیں نماز کی تعقیبات میں "اللھم اہدنی من عندی" بارالہا مجھے اپنے فضل وکرم سے ہدایت فرما، نہ صرف حصول ثواب کے ارادے سے پڑھیں بلکہ اس عبارت اور معنی سے جدا ہو کر بھی اس کا ورد کریں کہ خدایا مجھے ہلاکت وضلالت سے محفوظ رکھ. اے اللہ میرے دل کو خیالات شر کی بے روی سے اپنی پناہ میں رکھ.

قرآن سے فال لینا درست نہیں:

قرآن پاک سے ایسے استخارہ جات او رفال گیری جو آئندہ حالات کی پیش بینی کے لئے ہوں جائز نہیں مثلاً ماں اپنی بیٹی کو بیاہنا چاہتی ہے، اور یہ جاننے کے لئے کہ اس کا انجام کیا ہوگا استخارہ کرتی ہے، یا اس مقصد کے لئے کسی بزرگ کے پاس جاتی ہے جو اس کا انجام برا بتاتا ہے او راس کا دل پریشان ہوجاتا ہے پھر دوسری جگہ جاتی ہے. وہ عامل صاحب اس شادی کو مبارک اور خوش انجام بتاتے ہیں تو وہ دل ہی دل مین الجھ جاتی ہے کہ خدایا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی چیز اچھی اور خوش انجام بھی ہو اور بری اور بد انجام بھی.

لہذا سب سے پہلے اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ اسنے کس جواز کی بنا پر یہ کام کرکے یہ درد خرید ا. اسے شرع مقدس کے احکام کو دیکھنا چاہئے کہ وہ اس بارے میں کیا ہیں.

استخارہ کے بارے میں تصنیفات:

غواص بحور علوم آل محمد علیھم السلام مجلسی نے ایک مستقل کتاب مفاتیح الغیب کے نام سے تالیف کی ہے جس میں انہوں نے استخارہ کے متعلق واردشدہ تمام روایات کو جمع کیا ہے. اس موضوع پر دوسرے علماء نے بھی رسالے تحریر کئے ہیں لیکن لوگوں کی اکثریت حقیقت سے بے خبر ہے.

علامہ مرحوم نے مذکروہ بالا کتاب کے شروع میں استخارہ کی خوبی اور ضرورت کے بارے میں چند روایات نقل کرکے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے خیر وصلاح طلب کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں.

جاننا چاہئے کہ استخارہ کی چند اقسام ہیں:

1- ہر اس کام میں جس کا آپ ارادہ کریں اللہ تعالیٰ سے وسیلہ پکڑیں اور اس سے اس امر میں خیر طلب کریں اور بعد میں جو کچھ بھی اس کا انجام ہو اس سے راضی بہ رضائے خدا رہیں اور سمجھ لیں کہ خیر وصلاح اسی میں ہے.

2- اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کرنے کے بعد اپنے دل کی طرف متوجہ رہیں اور جیسا وہ چاہے ویسا کریں.

3- اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کے بعد کسی مومن سے مشورہ کریں اور جیسا وہ کہے ویسا عمل کریں.

4- استخارہ قرآن سے یا تسبیح سم یا پرچیوں سے یا گولیوں سے کریں اس کی تفصیل آگے آرہی ہے.

پھر کہتے ہیں: بہت سی احادیث پہلی قسم کی استخارہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور بہت سے علماء کرام مثلاً شیخ مفید محقق طوسی اور ابن ادریس کو قسم چہارم میں تامل ہے لیکن چونکہ احادیث ہر چہار قسم کے بارے میں واردہیں لہذا کسی سے بھی انکار نہیں بہر حال استخارہ کی پہلی تین صورتیں بہترین ہیں جو کہ ہمارے زمانے میں تقریبا متروک ہوچکی ہیں.

بہت سی نوجوان مدرسی امتحانات کے زمانے میں آتے ہیں کہ جناب ذرا استخارہ دیکھئے کہ میں کامیاب ہونگا یا نہیں ہم مختصرا شرع مقدس کے دستور کا اس بارے میں ذکر کرتے ہیں آپ براہ کرم دوسروں تک ہمارے یہ الفاظ پہنچادیجئے کہ اس غلط روش کو چھوڑدیں اوردین سلیم کو خرافات سے آلودہ نہ کریں.

استخارہ کے بارے میں واضح تاکیدات:

استخارہ ان موضوعات میں سے ہے جن کے بارے میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کی روایات کے مطابق نبی ﷺ سے بہت تاکیدوارد ہوئی ہے چنانچہ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق کسی بھی چھوٹے یابڑے کام میں اسے ترک نہ کرنا چاہئے.

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے یمن کے سفر میں جس پر میں نبی ﷺ کے حکم پر روانہ ہوا تھا حضور ﷺ کے دیگر ارشادات میں ایک یہ تھا کہ اے علی اس سفر کے دوران کسی مقام پر بھی استخارہ ترک نہ کرنا. "مَا حَارَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ" استخارہ کرنے والا پریشان نہیں ہوتا اور نہ ہی دوسروں سے مشورہ کرلینے والا پچھتاتا ہے.

ہر امام نے دوسرے امام کو استخارہ کی اتنی ہی تاکید فرمائی ہے جتنی قرأت قرآن کی.

یہ استخارہ جس کی اتنی تاکید وارد ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تسبیح کے دانوں کا طاق جفت دیکھ لیا جائے بلکہ اس کا مقصد" طلب الخيرة من الله" اللہ تعالیٰ سے طلب خیر ہے ہر کام جو آپ کریں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے خیر و رضا طلب کریں.

پھر استخارہ کی کیفیت، اس کا طریقہ اور اس کی دعا کے بارے میں مختلف روایات ہیں ایک یہ ہے کہ جزوی کاموں میں سات مرتبہ "استخیر اللہ برحمتہ خیرۃ فی عافیۃ" کہیں جبکہ ضروری امور مثلاً سفر، معاملہ یا جراحی وغیرہ میں یہی الفاظ ایک سو ایک بار کہیں. اور اگر یہ الفاظ سجدے کی حالت مین کہے جائیں تو بہت بہتر اور اگر سجدہ نماز نافلہ کا یا نافلہ نماز صبح کا ہو تو کیا ہی کہنے ہیں! دعا کی یہ بہترین کیفیت ہے.

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جزوی امور میں دس مرتبہ اور ضروری امور مثلاً سفر ف، وغیرہ کے موقعہ پر یہی الفاظ دو سو مرتبہ فرماتے تھے.

الغرض بہت تاکید اس امر کی وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انسان طلب خیر سجدہ کی حالت میں کرے جو اللہ تعالیٰ سے اس کے قریب کا وقت ہوتا ہے اب اگر انسان یہی رویہ اختیار کرے اور اس میں متردد نہ ہو تو اس کے ہاتھوں ہونے والا ہر کام خیر و برکت کا حامل ہوگا اور اگر اسے تردد و حیرت حق ہو تو اسے رفع کرنے کے لئے شرع اطہر میں جو طریقے وارد ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کرے.

رفع حیرت کے لئے مشورہ:

سب سے بہتر مشورہ ہے جو نص قرآن مجید (وَ شاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) کے مطابق ہو اور وہ ہر شخص سے نہیں بلکہ اس شخص سے کیا جائے جو.

1- عاقل، زیرک اور دور اندیش ہو. بنابریں. بیوقوف آدمی سے مشورہ جائز نہیں.

2- دیندار اور متقی ہو بے دین یا دین سے بے پروا شخص سے مشورہ نہیں کرنا چاہیئے جو شخص اللہ تعالیٰ سے خیانت کرتا ہو آپ کے ساتھ کب دیانت برت سکتا ہے.

3- آپ کا محب، دوست اور خیر خواہ ہو ایسے انسان سے جو آپ کا دشمن ہو اور آپ کا خیر خواہ نہ ہو مشورہ سے گریز کریں.

4- آپ کا راز دار ہو اور اسے دوسروں پر فاش نہ کرے.

اگر کسی شخص میں یہ چار صفات ہوں، اس سے ضرور مشورہ کیجئے وہ خدا جس سے آپ نے طلب خیر کر لیا ہے اس شخص کی زبان سے آپ کو اس امر کی خیر و صلاح کے بارے میں مطلع فرمائے گا.

ائمہ علیہم السلام مشورہ کرتے تھے:

علامہ مجلسی نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میرے والدبزرگوار جناب امام موسی بن جعفر الصادق علیہ السلام باوجود اس کے کہ خود عاقل ترین زمانہ تھا، کبھی اپنے غلام سے بھی مشورہ فرماتے تھے مثلاً کسی امر کا ارادہ فرماتے تو اپنے خیر اندیش غلام سے مشورہ فرماتے اور اگر اس کام میں مصلحت ہوتی تو اسے انجام دیتے.

آپ سے ایک دفعہ کہا گیا کہ آپ امام زمانہ ہوکر ایک غلام سے مشورہ کرتے ہیں مطلب یہ تھا کہ امام زمانہ ہونے کی حیثیت میں آپ کو ہر چیز کا ہر شخص سے زیادہ واقف ہونا چاہئے آپ نے فرمایا: تم کیا جانو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے خیر وصلاح کو اس کی زباں پر جاری فرمادے.

لہذا جن امور میں انسان متردد و متحیر ہو ان میں سے حسب روئہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وائمہ طاہرین معصومین علیہم السلام اور حسب فرمودہ صریح قرآن مجید عمل کرنا چاہئے.

استخارہ ذات الرقاع (پرچیوں سے استخارہ):

اگر کس وقت مشورہ میسر نہ ہو یا میسر تو ہو لیکن باہم معارض ہوں (آپ نے چار شرطوں کے حامل ایک شخص سے مشورہ کیا تو اس نے آپ کے ارادے سے موافقت کی لیکن دوسرے برابر کے ثقہ شخص نے مخالفت کی تو اس صورت میں رفع حیرت و تردد کے لئے آپ کو اس ترکیب پر عمل کرنا چاہئے: چھ پرچیاں لیں اور ہر ایک پرچی پر "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ خيرة من الله العزيز الحكيم لفلان بن فلانه" (اپنا اور اپنی والدہ کانا لکھیں) پھر ان میں میں تین پر عبارت کے نیچے "افعل" اور باقی تین پر اسی جگہ "لاتفعل" تحریر کریں.

ان چھ عدد پرچیوں کو مصلائے نماز کے نیچے رکھیں اور دو رکعت نماز استخارہ پڑھیں. سلام کے بعد (یا آخری سجدہ کے بعد) سجدہ میں جائیں اور ایک سو مرتبہ "استخيرالله برحمته خيرة فى عافيه" کہیں پھر فارغ ہوکر پرچیوں کو باہم گڈمڈ کردین اور ایک ایک کرکے پرچیوں کو اٹھا کر کھولیں. اگر تین پر یکے بعد دیگرے "افعل" نکلے تو بہت اچھا ہے اگر تین پر متواتر "لاتفعل" نکلے تو بہت برا ہے اور اگر کچھ پر "افعل" اور کچھ پر "لاتفعل" ہو تو پانچ پرچیاں نکالیں اگر تین پر "افعل" ہو اور دو پر "لاتفعل" تو اچھا ہے اس کام کو کرلیں اور اگر تین پر "لاتفعل" نکلے اور دو پر "افعل" تو برا ہے، اس کو نہ کریں.

پرچیاں بہرحال بالکل ہم رنگ اور مشابہ ہونی چاہیں.

اور اگر دعا ونماز وغیرہ می فرصت نہ ہو تو فہم آیات اور ان کی مصداق استخارہ کے ساتھ تطبیق کی صلاحیت کی صورت میں قرآن مجید سے بھی استخارہ کیا جاسکتا ہے.

شیخ طوسی نے تہذیب میں روایت کی ہے کہ سیع بن عبداللہ قمی ایک دن جناب امام جعفرصادق علیہ السلام کی خدمت میں یوں عرض گذار ہوئے:میں کسی کام کا ارادہ کرتاہوں لیکن میری رائے اثبات یانفی میں دوٹوک انداز میں قائم نہیں ہوتی، آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب نماز کے ارادے سے قیام کرے تو دیکھ دل میں کیابات آئی ہے اسی پر عمل کر کیونکہ یہ وقت ہوتا ہے کہ جب شیطان انسان سے دورترین ہوتاہے یا اس وقت قرآن مجید کھول اور اس کے مطابق عمل کر.

دوسروں کے لئے استخارہ:

یہ جو ہمار زمانے کی رسم ہوگئی ہے کہ قرآن کے اوپرنیک یابد لکھدیاجاتاہے یا کسی عالم کے پاس استخارے کے لئے جاتے ہیں .علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس نمونے کے طورپر کوئی ایسی روایت موجودنہیں کہ کبھی کوئی شیعہ امام کی خدمت استخارے کی غرض سے آیاہو.اس کام کی کوئی اصل نہیں ہے.

اس لئے بعض فقہاء دوسروںّت کے لئے استخارہ کرنے میں اشکال دیکھتے ہیں لیکن علامہ مرحوم اور کچھ دوسرے علماء اعلام ایسے افراد کےلئے جو خوددعا استخارہ وغیرہ نہ کرسکتے ہوں وکیل کے طورپر ایک مومن کو دوسرے مومن کی خواہش کے احترام میں قرآن مجید کھولنے کی اجازت کے قائل ہیں بشرطیکہ قرآن کھولنے والا صحیح حالت دعامیں ہو اور قرآنی آیات شریفہ کا معنی سمجھتاہو.

بہت سے فقہاء قرآن سے استخارے کو جائز نہیں سمجھتے.اگر آپ کو کسی امر کے ارادے میں حیرت وتردد لاحق نہ ہو تو استخارہ کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے توکل پر اس کو کرڈالنا چاہیئے (ِ فَإِذا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ)جب ارادہ کرلیا تو اللہ پر توکل کرکے اس کام کو کرڈالئے، لیکن اگر تردد موجود ہو تو اس طرح سے جیسا کہ ذکرکیاگیا یا الہام والقاء یامشورہ یا پرچیوں کے ذریعے اوریا پھر قرآن مجید سے بشرطیکہ کیفیت دعا اور فہم آیات کی صلاحیت ہو،یا تسبیح کے ذریعے استخارہ کرنا جائز ہے.جس نکتہ پر ہم نے زوردیاہے وہ اللہ تعالیٰ سے طلب خیر ہے اور وہی حقیقت استخارہ بھی ہے.

رکن سوم

توکُّل

مجلس 16

(بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحیم.اِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذينَ آمَنُوا وَ عَلى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُون).

توکل.توحید افعالی کالازمی جزو:

توکل کاموضوع دین مقدس اسلام کے اہم موضوعات میں سے ہے کیونکہ حقیقت توحید یعنی توحید افعال کا لازمہ اللہ تعالیٰ پر توکل ہے باالفاظ دیگر مسلمان وہ ہے جو نفع کے حصول اور ضرر کےدفع کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اوریہی معنی ومفہو" لااله الاالله ولا حول ولا قوة الابالله العلى العظيم" حوقلہ(یعنی لاحول ولاقوۃ الاباللہ کہنا)جنت کےدروازے کی چابی ہے اور توحید افعالی ہے یعنی انسان اس بات کا یقین کرلے وہ کوئی آزاد حیثیت نہیں رکھتا اور مشیت ایزدی کے مقابلے میں اس کی اپنی خواہش کی کوئی حیثیت نہیں اسے چاہیئے کہ مسبب الاسباب یعنی سبب ساز ہستی کے وجود کومانے"کن" کے اثر سے مخلوقات کے وجودمیں آنے کاسبب پہچانے اور اس اثر کویعنی کائنات کے وجود کو اس مسبب حقیقی کی قدرت کا کرشمہ سمجھے اور خود بخود از خود وجودمیں آئی ہوئی چیزنہ جانے.

اسباب کی پیروی اللہ کے بھروسے پر:

اسباب دنیا کے حصول کی کوشش انسان ضرور کرے لیکن مسبب اسباب جل شانہ پرتوکل کے ساتھ کرے نفع کے حصول اور ضرر کے دفعیہ کے لئے خواہ دینی ہویادینوی اس کےدل کی قوت کامنبع اللہ تعالیٰ پر توکل ہوناچاہیئے دینوی منفعت کے بارے میں اس کاعقیدہ وایمان یہ ہوناچاہئے کہ اگر خدا چاہیئے گا اور الہیٰ مصلحت اس میں ہوگی تو دنیاوی نفع اسے ضرور ملے گا ورنہ نہیں اور اضروی نعمت کے متعلق اسے سمجھنا چاہیئے کہ اس کا فرض صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کماحقھا بجالاتارہے اور اس کی رحمت پربھروسہ کرکے بدانجامی کے کھٹکے کودل سے نکال دے.

اللہ تعالیٰ کافرمان ہم کہ اے انسان اپنے دنیوی کاربار کے لئے تک ودوضرور کرلیکن لالچ اور حرص سے آزاد رہو.

اسباب دنیا کے حصول کی کوشش ضرور کر لیکن حرامت کے قریب نہ جانا اگر تیرا وکیل تجھے کہے کہ عدالت میں اپنی تمام اسناد کے ساتھ حاضر ہو تو کیا اس کے کہے کے خلاف کرے گا؟ جب تو نے خود کو نا کافی سمجھ کر وکیل پکڑا تو تجھے اس کی راہنمائی میں رہنا چاہیئے.

وکیل پکڑنا ضروری ہے:

اے انسان تو عاجز ہے اور دنیا و عقبیٰ میں اکیلا کامیاب نہیں ہو سکتا اگر کسی طاقت پر تیرا بھروسہ ہو تو کسی بھی خطرے یا مشکل میں تو متزلزل نہ ہوگا کیونکہ تیرا وکیل موجود ہے تیر تکیہ گاہ موجود ہے.

کیا تو اپنی نماز کی تعقیب نہیں پڑھتا: "توکلت علی الحی الذی لا یموت" میں اپنے کاموں کو اپنے زندہ ولایزال خدا کے سپر کرتا ہوں، وہ عظیم ترین وکیل اور بہترین مددگار ہے. (نِعْمَ الْوَكِيلِ نِعْمَ الْمَوْلَى وَ نِعْمَ النَّصِير).

متوکل سے شیطان دور بھاگتا ہے:

روایت میں آیا ہے کہ جب صبح کے وقت انسان گھر سے باہر نکلتا ہے تو شیاطین دروازے پر اس کے منتظر ہوتے ہیں. لیکن گھر سے نکلتے وقت جب وہ کہتا ہے: (آمنت بالله توکلت) تجھی پر مہربان ایمان ہے اور تیرے ہی بھروسے میں کاروبار دینا کے لئے جاتا ہوں، تو سب شیطان بھاگ جاتے ہیں.

یہ الفاظ آپ کسی بھی زبان میں کہیں کوئی حرج نہیں، یہ الفاظ دل کا سہارا اور جان کی امان ہیں یہ حقیقت ہے کہ اگر آپ اس کی امید اور اس کے سہارے پر ہوں گے یقین رکھیں کہ آپ کا وکیل بہت طاقتور ہے آپ سے ہر مشکل اور ہر خطرے کو دور رکھے گا اور ہر نفع حسب مصلحت آپ کو پہنچائے گا اللہ تعالیٰ سے بڑا مہربان، بے حد رحمت والا اور بے پایاں قوت کا مالک وکیل اور کون ہو سکتا ہے؟!.

واقعہ کربلا کے بعد ابن زبیر کا خروج:

اس موقعے پر مجھے اصول کافی سے ایک حدیث پاک یاد آئی ہے عبداللہ بن زبیر جو کہ آل محمد ﷺ کا بدترین دشمن تھا. یہاں تک کہ نماز جمعہ کے خطبہ میں حضور ﷺ پر بھی درود نہیں بھیجتا تھا جب اس پر اعتراض ہوا تو کہنے لگا: نبی ﷺ پر درود آل کے ذکر کے بغیر باطل ہے لیکن اگر میں آل محمد ﷺ کا ذکر خطبہ میں کروں تو کئی گردنیں ماردی جائیں.

قصہ مختصر کربلا کے واقعے کے بعد اس نے مکہ میں خروج کیا اور خلافت اور حکومت کا دعویٰ کیا عراق سے کچھ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کی حالت کچھ مضبوط ہو گئی.

یزید پلید کو جو قتل امام حسین علیہ السلام کے بعد اس تاک میں تھا کہ کوئی اور شخص آواز اٹھانے والا نہ اٹھ کھڑا ہو، خبر ملی کہ ابن زبیر حجاز پر قابض ہو گیا ہے.

اس نے مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر کو ایک بڑی فوج کے ساتھ حجاز کی طرف بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ مدینہ کے راستے سے جائیں اور جہاں تک ممکن ہو مدینہ میں قتل عام، آبروریزی اور غارتگری کریں.

امام زین العابدین علیہ السلام اور نورانی وجود:

ایک طرف ابن زبیر کا فتنہ اور دوسری طرف یزید کی لشکر کشی، سید سجاد علیہ السلام ابھی تھوڑے دنوں سے کربلا کے جانکاہ واقعات کے بعد کربلا سے واپس تشریف لائے تھے اس امر نے آپ کو بہت پریشان کیا. اپنی اس حالت کا آپ علیہ السلام ابو حمزہ سے یوں ذکر فرماتے ہیں.

میں اپنے گھر سے باہر نکلا اور آکر اس دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا. "روایت میں لفظ جدار" ہے جس کا معنی دیوار ہے لیکن غالباً اس سے مراد مدینہ منورہ کی فصیل ہے، دفعتاً میں نے ایک انسان کو دیکھا جو دو قطعہ سفید لباس میں ملبوس میرے سامنے آگیا اور کہنے لگا:

علی بن الحسین علیہ السلام: "مالی اراي کیسباً حزیناً" کیا وجہ آپ پریشان نظر آتے ہیں،؟

"علی الدنیا، فرزق الله للبر و الفاجر" کیا آپ اسباب دنیوی کی کمی پر پریشان ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پریشان نہ ہوں کیونکہ خداوند رزاق اچھے برے سب کو روزی دیتا ہے! میں نے جواب دیا: مجھے دنیا کے بارے میں کوئی پریشانی نہیں، اس نے کہا: "علی الآخرة فوعدصادق یحکم فیه ملک قادر" تو پھر کیا آخرت کے لئے پریشان ہیں تو یہ بھی فکر کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ آپ کی دادگری کرے گا، میں نے کہا: میں آخرت کے لئے بھی فکرمند نہیں ہوں، تو اس نے پوچھا: پھر کس لئے آپ غمگین ہیں؟ میں نے جواب دیا: میں زبیر کے فتنے کی وجہ سے پریشان ہوں.

کیونکہ ایک تو اس دشمن امام واہلبیت علیہم السلام کے تصرفات کی فکر تھی دوسرے یزید ملعون کی لشکر کشی سے آپ فکرمند تھے اور تیسری وجہ آپ کی پریشانی اس کے بعد عبدالملک کے حکم سے حجاج خونخوار کی لشکر کشی تھی. امام فرماتے ہیں:

وہ شخص ہنس کر کہنے لگا: "هل رایت احداًتوکل علی الله فلم یکفه هل رایت احد ا سئال الله فلم یعطه" کیا آپ نے کسی کو دیکھا کہ اس نے اللہ پر توکل کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی کفایت نہ کی اور کیا آپ نے ایسا کوئی شخص دیکھا جس نے اس سے سوال کیا اور خالی ہاتھ لوٹا؟؟.

میں نے کہا: نہیں اور وہ شخص میری نظروں سے غائب ہوگیا.

اس روایت کے ذیل میں علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ وہ نوارنی وجود یافرشتہ تھا اوریا پھر حضرت خضر علیہ السلام تھے.

تسکین قلب کے لئے ہمکلامی:

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ اس قسم کی بات چیت مقام امامت کے نقص کو مستلزم نہیں ہے بلکہ تذکر اور روحانی یادآوری کا ایک ذریعہ ہے جس کی تدبیر اللہ تعالیٰ امام کے دل کی تسکین وتقویت کے لئے فرماتے ہیں.

اس کی مثال یوں ہے کہ اگر کسی عالم ودانش مند انسان کا بیٹا انتقال کرجائے تو لوگ اس سے کہیں گے صبر کرو امام حسین علیہ السلام کا بھی جوان بیٹا شہید ہوا تھا... اوریہ تذکر ہے اور وعظ و نصیحت کم سنی یا کبر سنی پر موقوف نہیں ہے ہرچند کہ ناصحانہ کلام کرنے والا کم سن اور ناقص ہو اور اس کا مخاطب کبیر السن اور عالم وفاضل ہو کبھی اایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بچہ ایسی بات کرتا ہے کہ بڑا اسے سن کر تذکر کی کیفیت میں آجاتی او رمتنبہ اور خبردار ہوجاتا ہے.

امام حسین علیہ السلام کی علی اکبر علیہ السلام سے گفتگو:

آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سفر کربلا کی ایک منزل میں نیند سے ہڑبڑا کر بیدار ہوئے اور آپ علیہ السلام کی طبیعت غیر ہوگئی جناب علی اکبر علیہ السلام نے عرض کیا: باباجان کیا وجہ ہے کہ آپ پریشان ہیں؟آپ نے فرمایا: میں نے ایک منادی کو ندادیتے ہوئے سنا ہے کہ یہ گروہ موت کی طرف بڑھ رہا ہے یہ سفر سفر شہادت وقتل ہے علی اکبر علیہ السلام نے عرض کیا: بابا جان !"السنا علی الحق"کیا ہم حق پرنہیں ہیں؟آپ نے فرمایا: کیوں نہیں ؟ہم سراسر حق پر ہیں.

عرض کیا :"اذاًلانبالی بالموت"توپھر موت کی کیا پرواہے، اگر ہم راہ حق کے مسافر ہیں تو کیا ہی اچھا ہے کہ حق کی راہ میں حق کے نام پر قربان ہوجائیں، بیٹے کے ان الفاظ سے امام علیہ السلام کے دل کو بہت اطمینان ملا اور آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اے بیٹے اللہ تجھے جزائے خیر دے.

مجلس 17

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم. انَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطانٌ عَلَى الَّذينَ آمَنُوا وَ عَلى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُون).

توکل علم حال اور عمل کا نتیجہ ہے:

علماء و محققین نے توکل کے بارے میں یوں فرمایا ہے :توکل تین چیزوں ، علم، حال اور عمل سے پیدا ہوتا ہے، ہر عنوانات پر ہم تفصیل سے اظہار خیال کرتے ہیں. علم: جب تک انسان عالم نہ ہو توکل اسم نصیب نہیں ہوسکتا اور یہ تین چیزوں میں منحصر ہے. اولا یقین یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں پر یقین کرے کہ وہ علی کل شئ قدیر او قادر علی کل شئ ہے سخت سے سخت کام جس کے سرانجام پر اسنان اپنی پوری قوت وقدرت سے قادر نہیں ہوسکتا ، اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے کوئی بھی امر اس کی قدرت کے لئے مشکل نہیں ہے."یا من العسر علیه سهل یسیر"اے وہ ذات جن کے لئے ہر مشکل کام آسان ہے.

دانائی اور بندوں پر شفقت:

ثانیا: یہ یقین ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ" عالم السروالخفیات"تمام پوشیدہ امور کا دانا ہے ہر چیز کو جانتا ہے غیب وظہور اس کے لئے برابر ہے.

ثالثا: یہ یقین ہو کہ پروردگار"منتهی الشفقة علی عباده"یعنی اپنے بندوں پر حد درجہ مہربان ہے مومن خدا کے نزدیک عزیز ومحبوب ہے ماں کو اپنے بچے سے کتنا پیار ہوتا ہے، یہ محبت بھی خدا کی طرف سے ہے اس سے ہزاہا ردرجے زیادہ وہ اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے بلکہ بندوں کے ساتھ اس کی محبت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے.پالنہار ہے خلق کرتا ہے، تربیت کرتا ہے اور اپنے پالے ہوئے سے محبت کرتا ہے اس کے اثبات میں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن اس وقت حیات القلوب علامہ مجلسی سے ایک مختصر روایت عرض کی جاتی.

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی نافرمان یوم پر لعنت کی جس کے نتیجے میں سارے کفار غرق ہوگئے تو ایک فرشتہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آیا حضرت نوح علیہ السلام کوزہ گر تھے مٹی سے کوزے بنا کر آگ میں پکاتے تھے اور انہیں بیچ کر اپنی روزی کماتے تھے.

اس فرشتے نم سب کوزے آپ علیہ السلام سے خرید لئے اور آپ علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے انہیں ایک ایک کرکے توڑنا شروع کیا.

حضرت نوح علیہ السلام کو بڑا دکھ ہوا اور انہوں نے فرشتے کے اس تصرف پر اعتراض و احجاج کیا لیکن فرشتے نے جواب دیا اب آپ کا ان پر کیا حق ہے میں نے انہیں خریدا ہے اور جو چاہوں ان سے کروں آپ کو بولنے کا حق نہیں ہے.

نوح علیہ السلام نے کہا: لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا ہے؟ فرشتے نے کہا: بنایا ہی تو ہے خلق تو نہیں کیا اور اس پر بھی آپ ناراض ہوتے ہو جب اتنی مخلوق کو غرق کرایا تھا تو کیا خدا کو کوئی دکھ نہ ہوا ہوگا.

اس پر جیسے کہ علل الشرائع میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے سر جھکا لیا اور اتنا روئے اور اتنی مدت روئے کہ نام ہی نوح علیہ السلام ہو گیا.

نبی علیہ السلام نے کبھی لعنت نہیں فرمائی:

غرضیکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مشفق ہے کیونکہت پالنے والے کو اپنے پالے ہوئے سے محبت ہوتی ہے خدائے تعالیٰ اپنے مقرب بنی پر عتاب فرماتا ہے کہ کیوں آپ نے لعنت کرکے میرے اتنے بندوں کو ہلاک کروادیا؟!

جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت شان جملہ انبیاء پر اس حقیقت سے بھی ظاہر ہے کہ آپ نے کبھی لعنت نہیں فرمائی کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین تھے اگر آپ بھی لعنت کے ارادے سے لبوں کو حرکت دیتے تو تمام مشرکین صفحہ ہستی سے مٹ جاتے.

خدائی شفقت کا نمونہ:

حتیٰ کہ اس روز جب کہ آپ کو کفار نے اتنا زدو کوب کیا کہ آپ اس حالت میں بے ہوش ہو کر گر پڑے کہ خون آپ کے سر و چہرہ مبارک سے جاری تھا کسی نے جناب خدیجہ علیہا السلام کو خبر دی کہ آپ کے شوہر محترم بہت زخمی ہیں، معلوم نہیں کہ آپ انہیں زندہ دیکھ سکیں گی یا نہیں اس دن ملائکہت آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حاجت دریافت کی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی صورت منٰی مشرکین کی خلاکت کا تقاضا نہ فرمایا بلکہ ان کو ان الفاظ میں دعا دی کہ "اللھم اہد قومی" اے پروردگار میری قوم کی ہدات فرما، اور اس پہ طرہ یہ کہ خود ہی ان کی طرف سے عذر خواہی فرماتے ہیں کہ "انہم لایعلمون" کیونکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ میں تیرا فرستادہ ہوں، یہ بچارے جاہل ہیں، ان پر اپنا غضب نازل نہ فرما.

لوگ خود جہنم کے طلبگار ہیں:

یہ مت کہئیے گا کہ اگر صورت حال یہی ہے تو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو کیو خلق فرمایا: کیونکہ دوزخ کا خلق کرنا "الشفقۃ علی العباد" کے منافی نہیں ہے انسان خود انسان خود اس کی شفقت کی راہ سے فرار کرکے جہنم کا راستہ اختیار کرتا ہے: (وَ لکِنْ کانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ) لوگ خود اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں.

اللہ تعالیٰ ان سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے اور قرآن مجید میں انہیں جہنم سے بہت ڈرتا ہے، اس سےدور رہنے کا حکم فرماتا ہے اور سخت تاکید فرماتا ہے کہش یطان ملعون کا فریب نہ کھائیں دنیا دھوکا اور فریب کا گھر ہے اور شیطان انسان کا کھلادشمن ہے (لا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورَ وَ مَا الْحَياةُ الدُّنْيا إِلاَّ مَتاعُ الْغُرُورِإِنَّ الشَّيْطانَ لَكُمْ عَدُوفَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا) مختصر یہ کہ جب تک آپ یقین نہ کرلیں گے کہ خداوند عالم طاقتور اور دانا ہے اور اپنے بندوں پر مہربانی اور شفقت فرماتا ہے آپ توکل کی منزل کو نہ پاسکیں گے.

بلی کے بچے پر شفقت:

تفسیر روح البیان میں ہے کہ کسی نے کسی مرد صالح کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور اس سے اس کا حال دریافت کیا.اس نے کہا: ایک نیک عمل نے میری بڑی مدد کی سردی کا موسم تھا ، موسلادھار بارش ہورہی تھی سردی کی شدت میں میں نے ایک بلی کے بچے کو دیکھا کہ پناہ کی تلاش میں مارامارا پھرتا ہے.وہ بھوکا اور بہت کمزور تھا میں نے اس کی حالت زار پر ترس کھا کر اس کو اٹھالیا اور اپنی پوستین میں ڈھانک کر اسے گھرلے گیا وہاں میں نے اسے کھانا کھلایا اور سردی سے محفوظ کیا اور موسم ٹھیک ہونے پر اسے رہا کردیا اللہ تعالیٰ نے اس عمل کے عوض مجھ پر مہربانی فرمائی اور مجھے بخش دیا.

اس سے اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ مومن کے ساتھ اس طرح کے حسن سلوک پر کتنا خوش ہوتا ہوگا جب ایک حیوان پر شفقت اللہ تعالیٰ کی اس قدر خوشنودی کا باعث ہوتی ہے تو ایک بندۂ مومن و متقی کے ساتھ محبت و شفقت پر اس کی خوشنودی کا کیا عالم ہوگا.اس محبت سے بلندتر ایک محبت ہے جسے قرآن مجید میں خدا کی محبت سم تعبیر فرمایا گیا ہے.اللہ تعالیٰ کلام پاک میں ایسے لوگوں کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے: (فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَه) اللہ تعالیٰ ایسے لوگ لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ بھی اس سے محبت کرتے ہیں.

غرضیکہ علم کی شرط محبت با خدا ور شفقت بر خلق خدا ہے.آپ کو یقین ہونا چاہئے کہ آپ کی شفقت بر خلق خدا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرتا ہے.

اب جب کہ صورت احوال یہ ہے تو پھر ہم خدا پر کیوں توکل نہیں کرتے ؟کیا ہماری نظروں میں اس سے بہتر بھی کوئی ہے؟کیا ہم کسی ایسی ہستی کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دناتر توانا تر اور مہربان تر ہو؟خود جس کا خدا ایسا بخشنہار اور مہربان ہو وہ کسی دوسرے سے کیوں دل لگائے ؛کیوں اس کے علاوہ کسی دوسرے پر تکیہ کرے؟

پروردگار !ہمارے دلوں کو یقین کی طاقت عطا فرما کہ صرف تجھی کو اپنی امیدوں کا مرکز سمجھیں ہر خطرے کے وقت تجھی کو پکار یں،ہر وسوسہ شیطانی کے وقت تجھی سے پناہ مانگیں،زندگی کے ہر مقام پر تجھی پر توکل اور پورے مومن بن جائیں: (وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِين) اگر مومن ہو تو صرف اللہ پر توکل کرو.

شیطان کو متوکلین سے کیا سروکار:

اگر آپ اپنے دل کو تمام تر طاقت وقوت کا منبع ومرجع اپنے پروردگار کو بنا لیں اگر پورے اہل توکل بن جائیں تو شیطان آپ کے دل تک رسائی حاصل نہ کر سکے گا وہی کتے کی مثال یاد رکھیں جو پہلے بیان ہوئی کہ خمیہ سلطانی کے دروازے پر بیٹھا ہوا کتا کسی غیر کو وہاں سے بھگانے کی کوشش کرے گا لیکن جس شخص کی سلطان کے ساتھ شناسائی ہوگی وہ باہر ہی سے پکارے گا کہ:اے صاحب خیمہ آپ کا یہ کتا میرے آزار کے درپے ہے مجھے اس سے بچائیے تو صاحب خمیہ کی ایک ہی جھڑکی اسے خاموش کردے گی.

اسی طرح اگر کسی شخص کی شناسائی اس کائنات کے مالک کے ساتھ ہوگی اور اسی پر اس کا توکل ہوگا تو اس کا استعاذہ بھی صحیح ہوگا اور شیطان اس تک رسائی نہ پاسکے گا.

دوستان خدا کو شیطان سے کوئی اندیشہ نہیں:

انسان کےدشمن بہت ہیں جب کبھی وہ اپنے پروردگار توانا کے حضور میں اپنی منزل مقصود (فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ) با اختیار اور توانا بادشاہ کے حضور میں خوشنودی کے مقام تک پہنچنا چاہے گا تو یہ سب دشمن متحد ہو کر اس کی مزاحمت کرینگے اتنے سارے بڑے بڑے دشمنوں کو دور کرنا آسان کام نہیں ان پر قابو پانے کی صرف ایک صورت اللہ تعالیٰ پر توکل ہے آپ اپنے توکل کو مضبوط کریں جب آپ کا پورا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہوگا تو آپ کو کسی وسوسہ شیطانی سے خوف نہ رہے گا. (أَلا إِنَّ أَوْلِياءَ اللّٰهِ لا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لا هُمْ يَحْزَنُون) اللہ تعالیٰ کے دوست نہ کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ انہیں کسی دکھ اور اندوہ کا سامنا ہے.

گھاس کا تنکا:

بد قسمت ہے وہ جو بے سہارا اور بے سرپرست ہو اور اس کی کوئی پناہ گاہ نہ ہو.وہ بالکل گھاس کے اس تنکے کی طرح ہے جو ہوا کے ہر جھونکے سے ہلتا اور اپنی جگہ چھوڑدیتا ہے.ایسے شخص کو شیطان ہلاک کر کے ہی دم لیتا ہے اس کے برعکس طاقتور وہ ہے جس کا تعلق قوی مطلق کے ساتھ ہو اور وہی اس کا سہار ہو.

ہماری زندگی گذرتی جارہی ہے ہمیں توکل سے بے نصیب نہیں رہنا چاہیئے.

عقبیٰ میں بھی اللہ پر توکل لازم ہے:

جس طرح دنیا میں ہر سختی اور ہر خطرے کے وقت اللہ تعالیٰ پر توکل لازم ہے اسی طرح موت کے بعد جو کچھ پیش آئے گا.اس میں بھی اللہ تعالیٰ پرہی توکل ضروری ہے کیونکہ ہمارے تمام امور کا مالک وہ ہے قبر میں ،برزخ میں، مواقف میں، قیامت میں ہمرا تکیہ اور توکل اسی پر ہونا چاہیئے جو ہمیں وہاں‌ت لایا جس نے ہمیں عدم سےنکال جامہ وجودپہنایا اور مبد سے معادتک ہماری سرپرستی فرمائی.

(۝ وَ ما تَوْفِيقِی إِلاَّ بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ إِلَيْهِ أُنِيب).

مجلس 18

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم. انَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطانٌ عَلَى الَّذينَ آمَنُوا وَ عَلى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُون).

توکل میں توحید:

مومن کا توکل اور بھروسہ صرف خدائے تعالیٰ پر ہے (وَ عَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ) اگر تم ایمان والے ہو تو صرف خدا پر توکلت کرو. توحید پر ایمان کا لازمہ یہ ہے کہ توکل صرف اللہ تعالیٰ پہو اس کے ماسوا کسی انسان یا کسی چیز سے نہ ہی کوئی خوف کیا جائے اور نہ کوئی امید باندھی جائے.

اگر توحید پر انسان کا ایمان مکمل ہو تو کبھی کسی قسم کے فقر کا اندیشہ ممکن نہیں خوف و اندیشہ صرف ضعف ایمان کا نتیجہ ہے ورنہ مومن کسی بھی حالت میں کسی امر سے متزلزل نہیں ہوتا کیونکہ اس کے دل کی طاقت کا منبع اور اس کا ہر طرح کا سہارا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے.

توحید پر عملی ایمان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم درجات کے تمام امور اور تذبذب و پریشانی کی تمام کیفیات میں اللہ تعالیٰ پر انسان کا توکل پختہ تر ہو جاتا ہے اور اس کے ایمان کو مزید جلا ملتی ہے.

اللہ تعالیٰ پر توکل عقلاً واجب ہے:

مومن کا خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ایک عقلی امر ہے اور عقلاً واجب ہے کیونکہ سب امور اسی کے دست قدرت میں ہیں لیکن یہ توکل حقیقی ہونا چاہئے صرف زبانی سے یہ کہدینا کافی نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ پر کل کرتا ہوں (عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ إِلَيْهِ أُنِيب) یا کہ (وَ أُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ) میں اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ ے سپرد کرتا ہوں. بلکہ اس کے لئے حال اور اخلاص قلب کی کیفیت کا ہونا لازمی ہے انسان کی یہ ضرورت ہے کہ متوکل علی اللہ ہو اور توکل جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، علم، حال اور عمل کے سہ پایہ پر قائم ہے اس کی بیناد علم اور اس کی حقیقت و کیفیت جو عمل کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے، حال ہے اور اس کی علامت عمل ہے.

متوکل ہونا کیسے ممکن ہے:

توکل کی حقیقت کیا ہے اور کیا کیا جائے کہ توکل کا مقام حاصل ہو.

توکل کا مادہ وکالت ہے اس کی دو طرفیں ہیں : موکل اور موکل علیہ جب کوئی شخص اپنے لئے کسی کو وکیل بناتا ہے تو اپنے موکل کہتے ہیں اور جیسے وکیل بنایا جائے اسے وکیل کہا جاتا ہے.

اللہ تعاليٰ کو وکیل بنائیے اور تمام امور اس کے سپر کردیجئے یہی معنيٰ ہے (فَاتَّخِذْهُ وَكِيلا).پس اسی کو وکیل پکڑو.

توحید افعال پرپورا یقین ضروری ہے:

ہم کہہ چکے ہیں توکل کا انحصار علم ، حال اور عمل پر ہے لیکن بنیاد اس کی علم ہے یہاں علم سے مراد یہ ہے کہ بطور کلی توحید افعالی میں یقین کامل ہو او ربطور جزی ہر نفع کے حصول اور ہر ضرر کے دفعئے کو اللہ تعاليٰ کی طرف سے سمجھا جائے اور اس حقیقت کے لئے عقلی اور نقلی دلائل موجود ہوں تاکہ توحید افعالی کا سہ پایہ درست ہو سکے.

کیا غیر خدا اسے نفع کا حصول ممکن ہے؟.ہرگز نہیں بلکہ ہر نفع بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ تعاليٰ ہی کی طرف ہے خوراک و لباس وازدواج اور مادی زندگی کے جملہ اسباب و وسائل سے لیکر روحانی زندگی کے تمام منافع ونعمات تک ہرچیزی کی طرف سے ہے (أَلا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُور).

پانی پینے کا عمل ملاحظہ ہو:

کوئی شخص پانی کا گلاس آپ کو دیتا ہے یہ پانی کہاں سے ایا؛کسی کی ملکیت ہے؟

کس نے اسے خلق فرمایا: کون اسے لایا؟ آپ تک لانے کی طاقت اسے کس نے دی کس نے اس کو آپ کے ارادے کا تابع بنایا....

غرضیکہ اگر آپ صرف پانی کے گلاس ہی کے بارے میں سوچیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ بھی خدا کی ہی طرف سے ہے.

لباس بھی اس کا دیا ہوا ہے:

کیا یہ لباس جوہم پہنتے ہیں، اصل ابتداء سے لیکر قابل استفادہ ہونے کے وقت تک غیب کے سواء کوئی اور بھی اس کا ماخذ ہے ؛غور کریں کہ کپاس کو کس نے خلق کیا؟ اسے چننے او ربننے والے ہاتھوں کو سکی نے پیدا کیا؟ بننے کی عقل کس نے دی غور کریں تو (أَلا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُور).ہر امر کا ارادہ و انتظام و انصرام اسی کےدست قدرت میں ہے.اور (وَ ما بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ) ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے.

دفع ضرر بھی اسی کی طرف سے ہے:

ضرر کا دفعیہ بھی اس کے سوا کسی سے ممکن نہیں غور کیجئے کہ مریض کو شفا کون دیتا ہے ؟کیا دوا اور طبیب شفاء دیتے ہیں یا حقیقت شفاء غیب سے تعلق رکھتی ہے؟طبیب کو کسی نے علم دیا؟دوا کو کس نے خلق فرمایا: طبیب کے ذہن او اس کی تشخیص کو کس نے کنٹرول کیا ؟در اصل صحیح تشخیص اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت سے ممکن ہے.

طبیب یا قاتل:

شیراز میں خسرہ کی وبا کے دوران ایک مشہور طبیب کا 18 سالہ جوان بیٹا خسرہ میں بتلا ہوا ظاہر ہے کہ جب مریض جوان بیٹا ہو اور معالج خود باپ ہو جو ایک کامیاب طبیب ہو تو علاج میں کوئی کسر رہ جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟لیکن طبیب والد سے تشخیص میں غلطی ہوگئی اور اس نے غلط دوا دے کر اپنے مریض بیٹے کی جان لے لی اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہو مریض کی شفایابی اور دوا کی تاثیر صرف اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر منحصر ہے.

جب تک یہ معانی ذہن نشین نہ ہوں اور ان کا صحیح علم حاصل نہ ہونا ممکن ہے کہ انسان کسی حقیقت کو جان سکے اگر آپ نے اسباب دنیا کو مستقل بالذات اور مسبب سم جدا مانا تو حقیقت "لا الہ الا اللہ" سے غافل رہے کیونکہ فاعل مطلق صرف اس کی ذات ہے ،باقی جو کچھ بھی ہے وہ اس تک رسائی کے واسطے اور وسیلے ہیں.

جملہ امور میں ارادہ الہیٰ غالب ہے:

پس ہر وہ فائدہ جو آپ کو طبیب یا کسی اور سے حاصل ہوتا ہے یا کوئی ضرر جو آپ سے دفع ہوتا ہے یا کوئی کامیابی جو آپ کو ملتی ہے سب خدا کی طرف سے ہیں مثلاً کسی شخص نے آپ کا قرض دیا تو وہ کون ہے؟خدا کی مخلوق ! اسے کس نے اس کام پر آمادہ کیا؟اللہ تعالیٰ نے وہ کس کے ارادے کا محکوم ہے؛اللہ تعالیٰ ے امال کی محبت کو کس نے اس کے دل سے نکالا؟اللہ تعالیٰ نے امال کو حال کہا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے".انما سمی المال مالا لانها تميل اليه القلوب"اور جب مال کی محبت دل میں ہو تو صرف تسخیر الہیٰ ہی اسے آپ کا قرض چکانے پر آمادہ کر سکتی ہے.

وسیلہ بھی ضروری ہے:

ارادہ خداوندی یقیناً وسیلہ جوئی سے کوئی منافات نہیں رکھتا اس مطلب کی وضاحت، ہم بعد میں کریں گے مقصد یہ ہے کہ آپ کے دل کی طاقت کا منبع و مبدا صرف اللہ کی ذات ہو اور آپ کا مکمل بھروسہ صرف اسی پر ہو اس کی شرح ہم ان شاء اللہ تیسری شق کے تحت عمل کے ضمن میں کریں گے فی الحال بات علم کی ہورہی ہے اور ضروری ہے کہ یہ حقیقت قرآن وحدیث کے حوالے سے سمجھی جائے کہ کوئی طاقت مشیئت الہیٰ کے علی الرغم نفع رسانی اور دفع ضرر پر از خود قادر نہیں.

توکل علم کا نتیجہ ہے:

اگر علم صحیح ہو تو اس سے توکل حاصل ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کی وہی نسبت ہوجاتی ہے جو موکل کی وکیل کے ساتھ ہوتی ہے.

اگر کوئی شخص حصول انصاف میں مشکل سے دوچار ہو او بذات خود اس حالت سے نمٹنے سے عاجز ہو تو وہ کسی ایسے وکیل کی ضرورت محسوس کرے گا جو قانون دان اور امر زیر بحث پر تسلط رکھتا ہو. اس مقصد کے لئے وہ لوگوں سے دریافت کرے گا کہ کون سا وکیل قانون کا کماحقہ دانا ہے پھر معلوم کرے گا کہ کیا وہ ہوشیار اور سیانا بھی ہے یا نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ قانون تو جانتا ہو لیکن بزدل او رنا حوصلہ مند ہو اور وکالت کی صحیح قابلیت وصلاحیت نہ رکھتا ہو ایسا وکیل اس کے کام کا نہ ہوگا.

تیسری شرط یہ ہے کہ اپنے موکل کے ساتھ اس کا برتاو ہمدروانہ ہو، اس کے حق بھی دلوادے اور اس کے لئے کسی دردسر کا باعث بھی نہ ہو اگر مہربان نہ ہوگا یا ضمیر فورش ہوگا تو عین ممکن ہے اپنے موکل سے پیسے بھی زیادہ وصول کرے اور اسے بھری عدالت میں ذلیل بھی کرے.

اگر اسے تینوں شرطوں کا حامل وکیل مل گیا تو اسے بڑی خوشی اور پر اطمینان ہوگا کہ وکیل لائق ملا ہے جس پر واقعی بھروسہ کیا جاسکتا ہے اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے یہ مقام توکل کے حال یا توکل کی کیفیت کا ہے.

نعم الوکیل:

کیا ان شروط سہ گانہ پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ پورا اترنے ولا ہماری دانست نیں کوئی ہے؟ آیا اس کے علاوہ کوئی اور ہماری زندگی کے مصالح و مفاسد کا پورا علم رکھنے والا ہے اور اس قابل ہے کہ ہمارے امور کو ایسی خوش اسلوبی سے چلائے کہ ہماری دنیا اور آخرت دونوں سدھر جائیں؟!.

آیا ہم اپنے حصول منفعت اور دفع ضرر پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ قادر و توانا کسی کو جانتے ہیں جبکہ (عَلی کُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) کا دعویٰ اس کے سوا کسی اور کو زیبا نہیں۔

اور آیا اپنی مخلوق پر خود اس سے زیادہ کوئی مہربان ہے؟

بے شک تمام مہربانیوں کا منبع وہ ہے۔ مہر و محبت و شفقت کا مبدا وہی ہے ماں باپ کی یا دویری کوئی بھی محبت اس کے بحر لطف و کرم کے مقابل میں زیادہ سے زیادہ ایک قطرہ ناچیز کی حیثیت رکھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں اگر میں اپنی کسی مطلوبہ منفعت کے حصول کے لئے اس کی طرف متوجہ ہوں اس پر پورا پورا بھروسہ کروں اور دل سے اسے نعم الوکیل مانوں تو میرے دل میں فرحت و اطمنیان پیدا ہوگا اور اگر کسی پیش آمدہ ضرر و مصیبت کو دفعیئے کے لئے صرف اس پر تکیہ کروں تو میری پریشانی ختم ہوجائے گی کیونکہ مجھے معلوم ہوگا کہ میرا قادر و توانا نعم الوکیل میرے ساتھ ہے کوئی طاقت مجھے گزند نہیں پہچا سکتی۔

پس یہ پریشانیاں اور یہ ہم ورجا اور عدم اطمینان کی کیفیت عدم توکل کے مظاہر ہیں اور جب توکل نصیب نہ ہو تو (عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ إِلَيْهِ أُنِيب) کا زبانی وسکونت و اطمینان کا باعث نہیں ہوسکتا۔

متوکل غیر اللہ سے بے خوف ہے:

اہل توحید وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں یہ کہہ کر ڈارایا جاتاہے کہ تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں نے ایسا کیا ہوا ہے ان سے ڈرو تو ان کے ایمان باللہ میں اضافہ ہوجاتاہے اور جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ سب سے اچھا وکیل ہے۔

(الَّذِينَ قالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزادَهُمْ إِيماناً وَ قالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيل) در اصل یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل پکڑا ہوا ہے ہماری طرح نہیں کہ بس زبان سے کہہ دیا یا صرف قرآن میں "پرھ" لیا۔ قرآن صرف پڑھائی کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ اس کے نزول کا مقصد اسے درست پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اسے پڑھ کر اگر توکل کا حال اور اس کی حقیقت و کیفیت پیدا نہ ہوئی تو اس کی ساری کی ساری نا مفہوم تلاوت رائیگاں گئی کیا یہ بد نصیبی نہیں ہے کہ ساری عمران ایات کو پڑھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو شرائط سہ گانہ کے حامل عام دنیاوی وکیل کے برابر بھی نہیں سمجھتے حالانکہ زبانی دعوے کے مطابق تہم نے اسے نعم الوکیل مانا ہوا ہے۔ اگر دل سے اسے وکیل مانا ہوتا تو پھر چھوٹے چھوٹے وکیل پکڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

غیر اللہ سے امید رکھنے والاناکام رہتا ہے:

عدۃ الدعی اور اصول کافی میں ہے کہ محمدب عجلان سخت قسم کے قرض میں دب گیا.اس نے سوچا کہ حاکم مدینہ حسن بن زید کےپاس جاؤں تاکہ اس کے اثرورسوخ سے استفادہ کروں راستے میں جناب محمدبن عبداللہ بن زین العابدین علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوگئی.آپ نے اس کی پریشانی کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ امیر کے پاس جاتاہوں تاکہ قرض سے نجات کی کوئی صورت نکل سکے.آپ نے فرمایا میں نے اپنےچچا زاد حضرت جعفر الصادق علیہ السلام سے ایک طولانی حدیث قدسی سنی ہے اس میں تمہاری صورت حال کے بارے میں یہ جملہ ہے:" لَأُقَطِّعَنَّ أَمَلَ كُلِّ مَنْ يُؤَمِّلُ غَيْرِي "مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہم کہ میں ہر اس شخص کی امید منقطع کردوں گا جو مجھ سے علاوہ کسی پر امید رکھے.اس طرح وارد ہواہے وای ہو اس انسان پر کہ مانگے بغیر تو ہم نے اسے سب کچھ دے دیا تو اس کے مانگنے پر اسے نہ دیں گے.؟

کیا تونے اللہ تعالیٰ سے تقاضا کیا تھا کہ تجھے دیکھنے کے لئے آنکھ عطا فرمائے یا سننے کے لئے کان دے؟تو جب یہ چیزیں جوتیری خلقت اور تکوین کی تکمیل کے لئے ضروری تھیں،تجھے اس نے مانگے بغیر دیں تو کیا مانگنے پر تجھے کچھ نہ دے گا؟.

محمد بن عجلان نے کہا: یہ حدیث دوبارہ پڑھئے،آپ نے دوبارہ پڑھی.اس نے تیری بار پڑھنے کی درخواست کی آپ نے اسے تیسری بار پڑھا وہ سن کر بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا: میں نے اپنا کام اس کے حوالے کیا.اور یہ کہہ کر مطمئین ہو کر چلا گیا.

روایت کے آخر میں ہے کہ زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ اس کی سب پریشانیاں دور ہوگئیں.

ہمیں اسباب نے اندھا اور بہرکردیاہے:

ہم ابھی تک توحید کے اس مقام تک نہیں پہنچے کہ صرف اللہ پر بھروسہ کرسکیں.

دعائے کمیل میں ہے"یا من علیه معولی"اے وہ ذات جرمیرا واحد سہارا ہے.لیکن کیا ہم بقائی،ہوش و حواس حقیقت بیانی کرتے ہیں؟کیا واقعی ہم اسے اپنا واحد سہارا سمجھتے ہیں؟دراصل اسباب دنیا ہمیں اللہ تعالیٰ سے براہ راست مخاطب نہیں رہنے دیتے تاکہ ہم حقیقت"لاحولا ولاقوۃ الا باللہ"کو پاسکیں.

آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ حوقلہ"لاحولا ولاقوۃ الا باللہ"بہشت کے دروازے کی چابی ہے.اس کا کہنے والا بہت بڑے ثواب کا مستحق ہے لیکن کیا یہ ثواب اور جنت کے دروازے کی چابی صرف یہ لفظ پڑھ دینے سے مل جاتی ہے؟.

نہیں ایسا نہیں ہے.لیکن اگر کوئی شخص اخلاص قلب سے پورے شعور کے ساتھ یہ الفاظ کہے تو جنت کے دروازے ضرور اس پر کھل جائیں گے لیکن دل کی زبان سے ان کا ادا ہونا اور حوقلہ کی حقیقی کیفیت کا حاصل ہونا جلدی ممکن نہیں اس کے لئےت ریاضت درکارہ ے.

عام طورپر انسان خودکو اور اسباب دنیا کو صاحب حول وقوت سمجھتا ہے.زبان سے تو"لاحولا ولاقوة الا بابی وبالاسباب"!.

اگر مقصود توکل کی کیفیت کا حصول ہے تو ہمیں ایسے اعمال بجالانے چاہئیں کہ ہمارے دل میں درد پیدا ہوتا تاکہ صحیح طور پر دین کی پیروی کرسکیں یادرکھئے عمر کا صحیح مصرف اور زندگی کا حقیقی مقصد دین خدا میں فقیہ ہونا ہے.

توکل کے مراتب ہیں:

یہ جوہم نے کہاہے کہ توکل یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کے ساتھ موکل و وکیل کا تعلق پیدا کرے تو یہ توکل کا پہلا درجہ ہے.اس بلندتر مرااتب کے حصول کے لئے جدوجہد اور تگ ودو کی ضرورت ہے اگر آپ فطری توکل کاندازہ کرنا چاہتے ہیں تو اس توکل پر غور کیجئے جو بچے کاا اپنی ماں پر ہوتاہے کہ نفع وضرر دونوں کے لئے اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوتاہے.بھوکا ہو تو ٹھوکر کھا کر گرے تو.کسی دوسرے سے پٹنے کاڈر ہو تو اس کی توجہ کامرکز صرف اس کی ماں ہوتی ہے.ہر حال میں ماں ہی کو پکارتا ہے یہ توکل کی فطری اور جبلی صورت ہے کہ ہر حالت میں اس کا وردزبان "مان" ہو.

اگر ہم اس حالت کو پالیں تو سمجھئےکہ واسطہ درجے کا توکل ہمیں حاصل ہوگیا تیسرے درجہ کے توکل کی یہ مثال ہے کہ جیسے میت غسال کے ہاتھوں میں ہو یہاں اس کی تشریح کاموقعہ نہیں ہے.یہ جویاددہانی کرائی گئی، اس لئے تھی کہ اگر ہم میں سے کسی کو توفیق الهيٰ سے توکل کامقام حاصل ہوجائے توہم میں غرور نہ پیدا ہوکہ ہم توکل پر فائز ہوگئے کیونکہ ابھی توکل کے بہت سے مراحل طے کرناباقی ہیں.

توکل کی کیفیت دائمی ہونی چاہئے:

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ جب توکل کی کیفیت دائمی ہو،یہ نہیں کہ کبھی توکل ہے اور کبھی نہیں ہے.یہ صورت حال قطعاًناکافی ہے.توکل کی صحیح کیفیت یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو اور غیر اللہ پر تکیہ نہ کیاجائے اور اس میں دوام واستمرار کاحصول طویل ریاضت کامتقاضی ہے.

دیکھا آپ نے بچہ کسی کا احسانمند ہوکر بھی ماں ہی کی طرف دیکھتاہے کہ اے ماں میرے محسن کاشکرادا کرکے اس نے تیری خاطر مجھ پر احسان کیا ہے جب وہ احسان ودفع ضرر کے لئے سوائے ماں کے کسی طرف متوجہ نہیں ہوتا اورکسی دوسرے سے بھی اگر اسے کچھ حاصل ہوتاہے توبھی ماں ہی کا احسان مند ہوتاہے.توکیا ہمیں اتنا بھی نہیں چاہئے کہ کم ازکم اپنے محسن حقیقی پر اتناہی توکل کرنے لگیں جتنا بچے کا اپنی ماں پر ہوتاہے.

مجلس 19

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم. انَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطانٌ عَلَى الَّذينَ آمَنُوا وَ عَلى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُون).

رنج وراحت اللہ کی طرف سے ہے:

توکل کالازمہ یہ ہے کہ انسان سمجھ لے کہ (لَهُ مُلْكُ السَّماواتِ وَ الْأَرْضِ اور وَ تَبارَكَ الَّذِی لَهُ مُلْک) کہ ہرچیزپر اس کی بادشہای ہے اور کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کلی اور جزئی طور پر اس کی ملکیت ہے اور اس کے مشئیت وارده کے زیر اثر ہے جیسا کہ سوره نجم میں بعض جزی افعال کو اپنی طرف نسبت دیتے ہوئے فرماتا ہے: (وَ أَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَ أَبْكى) اور وہی ہے جس ہنساتا بھی ہے اور رلاتا بھی. مطلب یہ ہے کہ تمام اسباب خنده وگریہ کوبھی وہی فراہم فرماتا ہے اور: (وَ أَنَّهُ هُوَ أَغْنى وَ أَقْنى) وہی مال و دولت عطا کرتا ہے اور صاحب ثروت بناتا ہے.

جس زمین پر آپ چلتے ہیں وہ بھی اس کی ہے جس گھر میں آپ رہتے ہیں وہ بھی اور ہر وہ چیز جوآپ کی ملکیت میں ہے آپ کی دولت وغیرہ وہ بھی اسی کی ہے. آپ کو اس کے علی الاطلاق مالک ہونے پر پختہ ایمان ہونا چاہئے.

علم کے بغیر عقیدہ توحید افعالی نہیں:

تاوقیتکہ آپ ان حقائق پریقین نہ کریں ناممکن ہے کہ" لاحول ولاقوة الابالله" کے حقیقی مفہوم کو سمجھ سکیں. انسان کو چاہئیے کہ تمام وسائل واسباب کو کلی اورجزی طورپر اللہ تعالي کی طرف سے سمجھے اس حقیقت پریقین کامل ہونے سے اسے صحیح مفہوم میں معلوم ہوگا کہ" لاحول ولاقوة الابالله" کا مطلب غیر اللہ کی قدرت وطاقت کی مطلقا نفی ہے. لفظ لا "نفی جنس" کا معنی دیتا ہے کہ ہرگز ہرگز کوئی بھی قوت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں سب قوتوں کا منبع وسرچشمہ اور خالق ومالک وہی ہے.

مراتب وجود میں سے کوئی مرتبہ بھی اپنی ذات میں مستقل نہیں ہے. انسان کا زبان کو خیش دینا اور اس سے لفظ ادا کرنا بھی صرف اسی کی مشیئت سے ممکن ہے.

منہ کھل کے بند نہیں ہوا:

چند دن ہوئے ایک خاتوں کو علاج کے لئے لایا گیا. ان کے منہ کا جبڑا لٹکا ہوا تھا ان کا کہنا تھا کہ جمائی کے لئے منہ کھولا تھا لیکن پھر بند نہ ہو سکا.

سچ ہے کہ دونوں جبڑوں کو باہم ملانا بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے خلاصہ بحث یہ ہے کہ امور میں اسباب کے صرف مستقل بالذات ہونے کی نفی کریں. لیکن انہیں بالکل ہی نظر انداز نہ کردیں.

اسباب غیب کے زیر اثر ہیں جو کچھ غیب میں اللہ کی مشیئت میں ہوگا وہی ظہور میں آئے گا. اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت تفکر وتدبر کی ضرورت ہے.

سورۂ توحید کی اہمیت:

قرآن مجید کا تقریباً ایک تہائی توحید کے بارے میں ہے اور سورۂ توحید کی اتنی اہمیت ہے کہ معتبر روایات کے مطابق اس کی تلاوت کا ثواب ایک تہائی قرآن کی تلاوت کے برابر ہے یعنی اگر کوئی شخص قرآن مجید کے ایک تہائی کا اجمال چاہئے تو سورۂ توحید ہے جس کی تفصیل ایک تہائی قرآن کی حامل ہے.

یہ ثواب کس کے لئے ہے صرف اس کے لئے ہے جو اہل توحید ہو. سورۂ توحید کو ایک بار پڑھ کر ثلث قرآن اور اسے تین مرتبہ تلاوت کرکے پورے قرآن مجید کی تلاوت کے ثواب کا مالک بن جاتا ہے.

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ حوقلہ "لا حول ولاقوۃ الا باللہ" بہشت کے دروازے کی چابی ہے لیکن صرف اس کے لئے جو توحید کی عملی حقیقت کو جان چکا ہو ورنہ ایک جاہل انسان جس کی عقل درست نہ ہو جاہلانہ طور پر لاحول ولا کا ورد کرکے جنت کی چابی کیسے حاصل کرسکتا ہے.

ابراہیم خلیل اللہ متوکلین کے لئے سرمایہ افتخار ہیں:

توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو کسی دنیا وی وکیل سے کم تر نہ جانے دوسرا درجہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کم از کم اتنا انحصار کرے جتنا ایک بچے کا اپنی ماں پر ہوتا ہے. اس کا تیسرا درجہ خاصان خدا سے مخصوص ہے جن کی ملکیت اور اوڑھنا بچھونا صرف رضائے الہیٰ ہے وہ صرف وہی کچھ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہوتی ہے.

توکل کے اس مقام پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام فائز تھے کہ جس وقت نمرودیوں نے آپ کو آگ میں پھنکنا چاہا تو جبرئیل نازل ہوئے اور انہوںنے آپ سے کہا کہ اگر آپ کی کوئی حاجت ہو تو فرمائیں. فرمایا ہے تو سہی لیکن تم سے نہیں جبرئیل نے کہا

پھر کس سے ہے؟آپ نے جواب دیا "(حسبي عن سؤالی علمه بحالی "اس کو میرے حال کی خبر ہے، سوال کی ضرورت نہیں وہ خوددانا وبینا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے میں بھی وہی چاہتا ہوں.

کیا ہم نے کبھی سچ بولا؟:

ہم نے زندگی میں ہزاروں با حسبی اللہ ونعم الوکیل کہا ہوگا میرے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اوروہ بہترین وکیل ہے. لیکن کیا عملی طورپر کبھی ہم نے اسے اپنے دنیاوی یا خروی امور میں کلی ای جزئی طورپر اپنا وکیل سمجھا؟.

کیا ہم نے قرآن مجید کے فرمان (فَاتَّخِذْهُ وَكِيلا) کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بناؤ.پر کبھی عمل کیا ؟اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر اغراض واضطراب اور ترددوتذبذب کیسا؟یقین جانیے کہ اس سب کچھ کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ عقیدہ ویقین کی کمی اور ضعف ایمان ہے.

متوکل لالچی نہیں ہوتا:

لیکن مقام عمل میں اگر کسی کو توکل نصیب ہوجائے تو اپنے لوازمات امور میں بھی وہ حرص اورلالچی سے باز رہتا ہے.

عدۃ الداعی میںہے، حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی ﷺ نے خانہ کعبہ کی چوکھٹ کو پکڑا اور صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:روح الامین نے میرے دل میں الہام کیا ہے کہ کوئی شخص نہیں مرے گا تاوقتیکہ اس کا اس دنیا سے رزق ختم نہ ہو یعنی کوئی شخص اپنے مقدر رزق کا آخری لقمہ کھانے سے پہلے نہیں مریگا. لہذا خدا سے ڈرو اور حرص نہ کرو مبادا احرامخوری میں بتلا ہوجاؤ" أَلَا وَ إِنَّ الرُّوحَ الْأَمِينَ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنَّهُ لَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ أَجْمِلُوا فِي الطَّلَب".لیکن اگرکسی شخص کا تکیہ اسباب دنیا پر ہو تو اسے جتنا بھی ملے سر نہ ہوگا گویا اسے کچھ ملا ہی نہیں.

میرا مقصدیہ نہیں ہے کہ اپ روزگار کی تلاش میں نہ نکلیں ضرور جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کے توکل پر جائیں، صرف سبب کے آسرے پر نہ جائیں.

وکیل کی اطاعت ضروری ہے:

توکل اور سبب کو جمع کرنے کے بارے میں اس مثال پر غور کیجئے آپ کسی سخت قانونی الجھن سے دوچار ہیں جس سے نمٹنا آپ کے اپنے بس کا روگ نہیں ہم نے آپ کو مشورہ دیا کہ کوئی دانا ہوشیار اور ہمدرد وکیل تلاش کیجئے اور اس کے مشورے پر عمل کیجئے

تو آپ کا یہ عمل نہ صرف یہ کہ توکل کے منافی نہیں ہوگا، بلکہ آپ کے لئے اس کے مشورے پر عمل بھی ضروری ہوگا کیونکہ وکیل خودایسا چاہتا ہے اور آپ کا عمل اس کے حکم کے مطابق ہے نہ کہ اس کی مخالفت میں اور اس تدبیر سے وکیل آپ کے کام کو درست کرنا چاہتا ہے۔

اس مثال سے ثابت ہوگیا کہ وکیل کے حکم کی تعمیل میں اسباب کی پیروی توکل کے منافی نہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی بھی سنت ہم کہ وہ اسباب کے ذریعے اپنے بندوں کے امور کی اصلاح فرماتا ہے۔" ابی اللہ ان یجری الامور الّا باسبابہا"،بیماری سے شفاء اللہ تعالیٰ دیتا ہے لیکن طبیب کے پاس جانے اور دوالینے کی ہدایت بھی فرماتا ہے اور اس امر میں اس نے غفلت کی مذمت بھی فرمائی ہے۔اسی طرح امر آخرت کے بارے میں فرماا ہے کہ بہشت میں جانے کے لئے انسان کا توکل اللہ تعالیٰ پر ہے سچ تو یہ ہے کہ آپ کا وکیل خود فرمارہا ہے کہ آپ کا جنت میں جانا آپ کے اعمال پر موقوف ہے۔

(أَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسانِ إِلَّا ما سَعى) لیکن آپ اپنی نجات کا انحصار صرف عبادت پر نہ رکھیں بلکہ اس میں بھی بھروسہ اس کے لطف وکرم پر کریں اپنے عمل کو نہ دیکھیں کہ اس سے غرور وعجب پیدا ہوگا جو ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے لہذا جو اس کا حکم ہو بسر وچشم اس کی تعمیل کریں۔

خالی دوکان میں اللہ کے سہارے:

یہی وجہ ہے کہ مزدور لوگ جب کسب معاش کے لئے گھر سے نکلتے ہیں تو کہتے ہیں اسے پروردگار رزق کے لئے حرکت وکوشش ہم کرتم ہیں اس میں برکت توعطافرما یہ الفاظ توحیدی ہیں۔ان کی تکرار وتعمیل سے انسان موحدبن سکتا ہے۔

روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص نے حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام سے تندگستی کی شکایت کی آپ نے فرمایا:جب تو کوفہ واپس پہنچے تو ایک دوکان کرایہ پرلے اور اس میں بیٹھ ۔اس نے عرض کیا میرے پاس سرمایہ نہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا تجھے اس سے کیا؟جو کچھ تجھ سے کہا گیا ہے اس کی تعمیل کر۔اس نے ایسا ہی کیا اور ایک دکان میں بیٹھ گیا ایک شخص کوئی جنس لے کر اس کے پاس آیا اور اس نے اس سے کہا ۔اسے خرید وگے وہ بولا میرے پاس پیسے نہیں ہیں صاحب جنس نے کہا:پیسے بیچنے کے بعد دے دینا اور اپنا حق عمل بھی وصول کرلینا۔

ایک دوسرا شخص کوئی اور جنس لے کر آگیا پھر تیسرا پھر چوتھا۔دوسری طرف سے خریدار بھی آگئے اور تھوڑی ہی مدت اس کے پاس کافی سرمایہ ہوگیا اور اس کے حالات سنور گئے۔

بے کار جوان خدا کا دشمن ہے:

بعض لوگ ایسے ہیں کہ کہیں سے سن لیا کہ اللہ پر توکل ضروری ہے اور مغالطہ میں بتلا ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے کہ خدا دے گا لیکن توکل کیا معنی نہیں ہے. ہم کہتے ہیں کہ کام ضرور کرنا چاہئے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں نہ کم کویا مثلا فیکٹری یا کراگاہ کو رازق سمجھ کر.

سچا مسلمان جوکام بھی کرتا ہے محض اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں کرتا ہے اسے معلوم ہے کہ بمطابق فرمان نبوی: " إِنَّ اللهَ يُبْغِض الشَّابُ الْفَارِغَ " بے کار نوجوان خدا کا دشمن ہے اس لئے ت وہ کسب معاش کے لئے کام تلاش کرتا ہے اور اس کے لئے ضروری اسباب اختیار کرتا ہے.

اہل علم کی روزی غیب سے!:

کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ پھر اہل علم کیوں دوسروں کی طرح کسب معاش نہیں کرتے؟ کیونہت حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں طالب علمی کا کام کسب معاش کے تمام کاموں سے منافات رکھتا ہے یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص مختلف کام بھی کرے اور صحیح معنوں میں فقیہ بھی بن سکے.

بلکہ اسم سارا وقت حقائق دینی کی تحصیل میں خرچ کرنا چاہئے. اللہ تعالیٰ ان کے رزق کو (مِنْ حَيْثُ لا يَحْتَسِب) وہاں سے جہاں کا سان گمان نہ ہو، مہیا فرماتا ہے. چنانچہ روایا میں ہے " طا لبعلم کے سواا ہر شخص کا رزق اللہ تعالیٰ نم اسبا دنیا میں منحصر فرمایا ہے". کیونکہ اس کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اپنا سارا وقت دینی امور کے لئے وقف کرے.

توکل اسباب پر منحصر نہیں:

توکل کی علامات میں سے ایک علامت عدم حرص ہے. دوسری علامت یہ ہے کہ ملنے سے اس کی کیفیت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا. بعض اوقات انسان خود کو اہل توکل سمجھتا اور اپنا تمام ترتیکہ ذات الہیٰ پر جانتا ہے لیکن عملاً جب وہ کسی کی پیروی کر کے حصور مقصود میں ناکام ہوتا ہے تو رنجیدہ ہوجاتا ہے یہ علامت اس حقیقت کی ہے کہ اس کا تکیہ سب پر تھا نہ کہ اللہ تعالیٰ پر اگر توکل محض خدا ئے تعالیٰ پر ہو تو سبب کی ناکامی کو مشیئت ایزدی سمجھ کر زبان شکایت درازنہ کرے کیونکہ عین ممکن ہے اس بب میں مصلحت نہ ہو نے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی دوسرے سبب سے اس کے مقصد کا حصول مقدر فرمایا ہو. دوسری طرف ارگ

اسے اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی ہوئی لیکن اسے اس نے صرف سبب کا مرہوں منت سمجھا اور شکرخدا سے قطع نظر کرکے سبب ہی کی مدح وثنا کی تو یہ علامت اس حقیقت کی ہے کہ سارم کا سارتکیہ سب پر تھا نہ کہ مسبب الاسباب پر.

ضعف ایمان کی باتیں:

اسباب کی تعریف یا مذمت میں مبالغہ بھی عدم توکل کی علامت ہے اور توحید پر عدم ایمان یا ضعف ایمان کی دلیل ہے. کیونکہ اگر توحید پر ایمان ہو تو توکل بخی درست ہے اور اگر توکل درست ہوجائے تو انسان کے کردار و گفتار میں جھلکنے لگتا ہے اور اس کی پندوناپسند میں منعکس ہوتا ہے.

اگر کسی کو کسی سبب سے کوئی فائدہ حاصل ہو لیکن وہ مشیئت ایزدی کا شکرگذار ہونے کی بجائے سب کا احسان مند ہو اور صرف اسی کی تعریف میں رطب السان ہو تو وہ مشکر ہے اور اگر سب سے مایوس ہوکر اس کی مذمت کرنے لگے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اپنا مشکل کشا اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ اس کو سمجھا ہوا تھا اور جب اس سے مایوس ہوا تو اس کی مذمت کرنے لگا یہ خصلت انسانوں میں عموماً پائی جاتی ہے.

لیکن جس کی امید صرف اللہ تعالیٰ سے ہو اور وہ حصول مقصد کے لئے کسی سبب کا سہارا لے کر اس میں ناکام ہو تو سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشئیت نہیں تھی اور اگر اس مین کامیاب ہو تو بھی اللہ تعالیٰ ہی کا شکرگذا ہوتا ہے اور اسباب کو اللہ تعالیٰ کی رضا سے جدا سمجھ کر انہیں موردمدح وذم نہیں سمجھتا.

توکل کا حصول واجب ہے:

توکل واجبات میں سے ہے اور اس سے بے اعتنائی برتنے ولا ترک واجب کا مرتکب ہے جس طرح توحید پر ایمان لازم ہے اسی طرح توکل بھی ضروری ہے. اور حقیقت یہ ہے جو انسان صحیح معنوں میں موحد ہوجائے، اسے توکل کا مقام بھی حاصل ہوجاتا ہے. اور ایمان کے تمام لوازم سے بھی آراستہ ہوجاتا ہے. ایمان بالتوحید کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان جملہ امور کو مشئیت ایزدی سے وابستہ سمجھے اسی سے امیدوار ہو، اسی سے خائف رہے اور اسی پر توکل رکھے.

محقق اردبیلی زبدہ البیان میں فرماتے ہیں کہ توکل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو حکم وارد ہوا ہے وہ نبی ﷺ سے مخصوص نہیں ہے کیونکہ آیۂ شریف (فَاتَّخِذْهُ وَكِيلا) سب کے لئے ہے اور اس کی شاہد دوسری آیات کریمۂ ہیں جن میں عوام النسا سے ایسا خطاب کیا گیا ہے مثلاً (فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ) یعنی تم سب اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر مومن ہو لہذا یہ حکم عمومی ہے.

یہاں ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس طرح کے یہ قرآنی احکام اخلاقی دستور کی حیثیت رکھتے ہیں. لیکن اس صورت میں پھر "لا الہ الا اللہ "کو بھی یہی کچھ ماننا پڑے گا. "لا الہ الا اللہ "کا مطلب یہ ہے کہ رب، معبود، مدبر مدبر لائق پرستش اورقادر مطلق ہے صرف اللہ تعالیٰ ہے کوئی دوسرا نہیں ہم یہی توحید افعالی ہے تو کیا اس پر بھی ایمان نہ لانے والے کے لئے مواخذہ نہیں ہے ت پس ہر امر میں توحید پر ایمان لازمی ہے.

مشورہ اور توکل:

محقق اردبیلی فرماتے ہیں کہ آیہ شریفہ: (وَ شاوِرْهُمْ فِی الْأَمْرِ فَإِذا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّه) کی روسے ضروری ہے کہمومن ہر امر میں دوسروں سے مشورہ کرے لیکن یہ بھی سمجھے کہ اس کے امر کا صحیح ترین اور مناسب ترین حل صرف اس مشورے ہی میں ہے بلکہ حقیقت میں اس کا تکیہ خدائے تعالیٰ پر ہونا چاہئے جو مشورہ دینے والوں کی زبانوں پر اس حل کو جاری فرماتا ہے.

اگر مشورے کی وجہ سے اس امر میں آپ کا کیابی ہوئی تو یہ نہ کہئے کہ مشورے ہی وجہ سے ہے بلکہیوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے الہام کی برکت سے مشورہ دینے والوں نے درست رائے دی اور اگر کامیابی نہ ہوئی تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت نہیں تھی.

غرضیکہ رائے آپ کی اپنی ہو یا کسی دوسرے کی، صرف مشورے پر انحصار نہ کیجئے بلکہ اللہ تعالیٰت سے بہتری کی امید رکھ کر اپنے معتمدین سے مشورہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مشیئت کے مطابق صحیح رائے دیں.

توکل نہیں تو ایمان نہیں:

بلکہ فرماتے ہیں کہ جسے توکل حاصل نہیں وہ ایمان سے محروم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَ عَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِين) اگر مومن ہو تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو.

لہذا اگر توکل نہیں تو ایمان بھی نہیں. اس کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو مسبب الاسباب ماننا ہے اور اس کا اولین اوربینادی تقاضا تکیہ برخا ہے پس اگر آپ نے اپنی یا کسی دوسرے کی رائے کو مشیئت الہیٰ سے صرف نظر کرکے صرف فہم وفراست کی نظر سے دیکھا تو جان لیجئے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے جدائی اختیار کی اور راس صورت میں جب آپ مومن ہی نہیں تو کل آپ کو کیسے نصیب ہوجائے گا.

ادّعا باز رسوا ہوتا ہے:

ایک ساٹھ سالہ شخص جسے ہر علم میں استاد ہونے کا دعویٰ تھا اور خاص طور پر طب میں خود کو ارسطوئے زماں سمجھتا تھا اور عام طور پر کہتا تھا کہ قواعد طب کے مطابق اپنے جسم کے بارے میں اتنا محتاط ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ چالیس سال اور جیوں گا.

دوسرے روز ظہر کم وقت اس نے دہی اور کھیرا کھایا(دانتوں سے یہ حضرت محروم ہی تھے)اس کے دل میں درد اٹھا بجائے اس کے یہ سمجھے کہ یہ درد سردی سے ہے، اس نے درد کی تشخیص یوں کی کہ چونکہ وہی صفراء کا تریاق ہے اور مجھے صفراء کا غلبہ ہے لہذا ممکن ہے کہ دہی پورے طور پر اسے درست نہ کر سکا ہو لہذا اس نے اوپر سے لیموں کا رس پی لیا تاکہ اپنے خیال کے مطابق اعتدال مزاج قائم ہو جائے لیکن اسی روز عصر کے وقت اس کا انتقال ہو گیا.

پس محض اپنے فہم پر بھروسہ نہ کریں:

جو شخص صرف اپنے فہم پر تکیہ کرتا ہے با الفاظ دیگر یہ سمجھتا ہے کہ کوئی بالائی طاقت موجود نہیں جو کائنات کے امور کے مدبر ہو اور اس کے فہم یا ارادے پر غالب آسکے ایسی کیفیت میں بتلا انسان ایمان سے بے نصیب ہے.

آپ کو چاہئے کہ جب بھی کوئی ارادہ کریں تو اپنے عقل و فہم یا دوسروں کے مشورے کی مدد سے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں صرف سبب کو مستقل نہ سمجھیں کیونکہ نہ جانے اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور اس کی مشیّت کیا ہے.

خلاصہ یہ کہ توکل نہ ہو تو ایمان بھی ممکن نہیں توکل کا معنی دوسرے پر اعتماد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ اپنے دوسروں کے اور ہر چز کے عجز کو خوب سمجھ کر اپنا کام اللہ کے سپر کرتا ہے اور اگر متوکل نہ ہو تو خدا کے سواسب کو کراکشا سمجھتا ہے.

اعاذنا اللہ من ذلک والاسلام

مجلس 20

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم. انَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطانٌ عَلَى الَّذينَ آمَنُوا وَ عَلى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُون).

یہ پچھلی بحث میں توکل کے وجوب کے بارے میں محقق اردبیلی کے فرمودات پیش کئے گئے (ْ وَ شاوِرْهُمْ فِی الْأَمْرِ فَإِذا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّه) اپنے کام کے بارم میں دوسرون سے مشورہ کرو، پھر جب ارادہ کرنو تو اللہ تعالیٰ کے ضمن میں انہوں نے کہا تھا کہ خواہ آپ کے ارادے کی بیناد آپ کی اپنی رائے ہو یادوسروں کا مشورہ ہو اللہ تعالیٰ پر آپ کا توکل لازمی ہے اور جو بھی کامیابی اپنی کوشش میں آپ کو حاصل ہوا سے اپنی اصابت رائے یادوسروں کے مشوروں کے مشورہ کانتیجہ نہ سمجھیں بلکہ توکل علی اللہ کا ایک کرشمہ جانیں کہ اسکی مشئیت نے آپ کے حق میں مناسب ترین فیصلہ فرمایا.

اسباب کی حقیقت:

آپ کوئی بھی کام کرنا چاہیں خواہ وہ طلب خیر کے لئے ہو یادفع ضرر کے لئے اس کے لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور صرف اپنی ذاتی رائے یا دوسروں کے مشورہ پر تکیہ نہ کریں کیونکہ وہ بھی آپ کی ہی طرح ایک عاجز مخلوق ہیں. (إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبادٌ أَمْثالُكُم) تم لوگ جن لوگوں کو اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو سب تم ہی جیسے بندے ہیں.

اس لئے ضروری ہے کہ اپ کے دل کی قوت کا سرچشمہ ذات الہیٰ کے سوا کوئی اور نہ ہو کیونکہ ہر شخص کی عقل و نظر محدود ہے اور اصل واقعہ کی پور خبر نہیں رکھتا.

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ مشورہ نہ کریں اور اپنی یا اپنے یہی خواہوں کی صواب دید پر عمل نہ کریں. بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے صر اپنی یادو سروں کی مصلحت اندیشی پر تکیہ نہ کریں بلکہ اپنی ساری کی ساری امیدخدائے تعالیٰ پر رکھیں اور اسی سے دعا کریں کہ آپ کی بہتری کو آپ کے مشیروں کی زبان پر جاری فرمائیں ارشاد ہوتاہے کہ:" ما حار من استخار" اللہ تعالیٰ سے استخارہ (طلب خیر) کرنے والاپریشان نہیں ہوتا،.کیونکہ اپنے غیب کے امور کے بارے میں وہ اس سے رہنمائی مانگتا ہے جو علام الغیوب اور قادر مطلق ہے اور اس کے وردزبان یہ دعا ہوتی ہے:" اللَّهُمَ خِرْ لِي فِي أَمْرِي" پروردگار میرے امر میں خیر فرما.

استخارہ اور توکل:

حضرت امام سجاد علیہ السلام کے متعلق روایا میں وارد ہے کہ آپ علیہ السلام کو جب بھی کوئی ضروری کام از قسم خرید مکان، ازدواج یا صفر وغیرہ درپیش ہوتا تو دو سوبار، "استخیر اللہ برحمتہ فی عافیۃ" کا ورد فرماتے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اپنی صوابدید کے مطابق عمل فرماتے۔

محقق فرماتے ہیں کہ توکل کی وجہ سے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے کام اللہ تعالیٰ پر چھوڑیں اور اپنے جملہ امور اس کے سپرد کریں اور پھر اس کے حسن مشیئت کے امیدوار ہیں مثلاً کسان اللہ تعالیٰ پر تکیہ کر کے کھیت میں تخم ریزی کرتا ہے تاکہ اس کی فصل اچھی ہو اور محنت اس کی کامیاب ہو آپ جب اپنے کسی مقصد میں کامیاب ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ کی مشیئت سمجھیں اور خالصتاً اپنی کوششوں کا نتیجہ نہ جانیں ورنہ شرک کے مرتکب ہوگے۔

انسان کوئی بھی کام کرے، ایمان اس کا یہی ہونا چاہئے کہ توفیق اور حسن عاقبت اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔

علماء کرام کا فرمان ہم اا ور علامہ طبرسی نے بھی تفسیر مجمع البیان میں تحریر فرمایا ہے کہ اپنے امور کو اس طرح اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہئے کہ اپنی ذات کا تصور مٹ جائے "جعل النفس کالمعدوم" اپنے نفس کو معدوم سمجھے۔

کسان کی مانند جو تخم ریزی اور آبپاشی کے بعد اپنی ذات کو درمیان سے ہٹا لیتا ہے اور فصل کے بارے میں تمام امیدیں اللہ سے وابستہ کر کے اس کی مشیئت و رحمت کا منتظر ہو جاتا ہے کہ: " اِن اللہ ہو الرازق". کہ رازق صرف اسی کی ذات ہے۔

سب انسانوں کو اپنے امور میں اللہ تعالیٰ پر ایسا ہی ایمان ہونا چاہئے۔

سب کچھ مشیئت ایزدی سے ہے:

جس طرح کسان جانتا ہے کہ فصل صرف اسی کی محنت ہی کا نتیجہ نہیں ہے کیونکہ بہت سی کھیتیاں بے حاصل بھی رہتی ہیں اور کئی آسمانی آفات کا شکار ہو کر اجڑ جاتی ہیں. اسی طرح تاجر کو بھی خوب معلومت ہونا چاہئے کہ تجارت میں منافع صرف اس کی سرمایہ کاری کی تدبیر یا محنت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ در حقیقت کسان کی عرق ریزی اور تاجر کی سرمایہ کاری کو نتیجہ خیز بنانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے جو سب انسانوں اور کائنات کی ہر چیز کا مالک و خالق ہے. مدبر و مدیر بھی وہی ہے اور عطا فرمانے والا اور واپس لینے والا بھی وہی. اگر اس کی مشیئت نہ ہوتی تو کسان اور تاجر کو سوائے محنت و جان فشانی کے کچھ حاصل نہ ہوتا. لہذا انسان کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرم ورنہ اسے رنج و محنت اور ضیاع عمر کے سوا کچھ نہیں ملے گا.

خطرے میں توکل:

ضرر سے نجات بھی وہی دیتاہم دشمن سے مقابلے کے لئے اسلحہ کی تیاری اور طاقت کی فراہمی ضروری ہے لیکن دفاع کی کوشش میں کامیابی اس کے لطف وکرم پر منحصر ہے لہذا اپنے جان ومال، اپنے ناموس اور بالخصوص اپنے دین کی حفاظت کے لئے آپ کا سارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیئے.

توکل کا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان حصول منفعت اور دفع ضرر کے لئے خود کچھ نہ کرے اور سب کچھ اللہ پر چھوڑدے.اس مطلب کی ہم بارہاتکرار کرچکے ہیں کہ جب وکیل خود کہتاہے کہ اسباب آپ اختیار کریں کام آپ کا میں درست کروں گاتو آپ کو چاہیئے کہ سبب کی پیروی بھی ضرور کریں دشمن کے مقابلے میں اسلحہ ضرور مہا کریں یہ نہ سوچیں کہ اسلحہ کی موجودگی آپ کو عمل سے بے نیاز کردے گی دفاع آپ کو خود کرنا ہوگا لیکن اپنے دل کی طاقت کا منبع وسرچشمہ اس کی تائید کو قراردینا ہوگا اور فتح ونصرت کے لئے اس کے لطف وکرم کا امید رہنا ہوگا.

جاہلانہ توکل:

کافی سال ہوئے سامرہ بچھوؤں نے یلغار کردی اور ہردرودیوار سے ہرسوراخ سے نکلنے لگے سب طالب علم مدرسوں کو چھوڑکر بھاگ گئے ایک طالب علم نے مدرسے ہی میں رہنے کے بارے میں استخارہ کیا جو اتفاق سے اثبات میں آیا چنانچہ وہ مدرسے ہی میں رہا اور رات کو بھی وہیں سوگیا. صبح وہاں سے اس کا جنازہ برآمدہوا.

یہ ایک جاہلانہ مذاق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کردیا جائے بلکہ چاہیئے تویہ کہ اس کے توکل پر دشمن سے فرار یاجائے نہ یہ کہ اللہ کی امید پر بیٹھ رہیئے اور کچھ نہ کیجئے.

جس طرح توکل واجب ہے اسی طرح کسب رزق بھی واجب ہے اور اسی طرح اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا بھی حرام ہے اللہ تعالیٰ اپنے امور کو اسباب کے ذریعے جاری فرماتاہے.ہرچند کہ وہ بعض اوقات اسباب سے قطع نظر بھی کرتاہے اور سب کے بغیر بھی اپنے امور سرانجام دیتاہے تاکہ اپنے قادر مطلق ہونے کا ثبوت مہیا فرمائے.

صادق آل محمد علیہ السلام اور شیر:

حضرت امام صادق علیہ السلام کوفے سے ایک قافلے کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے کہ ایک شیر نے راستہ روک لیا.قافلہ والوں کو جرات نہ ہوئی کہ آگے بڑھیں آپ علیہ السلام نے خود آگے بڑھ کر شیر کو اشارہ کیا اور وہ ہٹ گیا اور وہاں سے دور

ہوگیا۔پھر آپ نے حیرت زدہ اہل قافلہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: " اگر تم بھی گناہوں سے محفوظ ہوئے تو یہ کچھ کر سکتے "یعنی درندے بھی تمہاری اطاعت کرتے۔

محقق اردبیلی فرماتے ہیں: ایسے قضیئے میں امام وقت خداوندی سے جانتا ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالی بُغیر کسی سبب کے نجات دے گا اور اپنے علم سے یہ ھی جانتا ہے کہ یہ امر استثنائی ہے۔ لہذا اسے کلیہ سمجھ کر ہر جگہ منطبق نہ کیا جائے۔

توکل کے دیگر مفہوم:

ہم کہہ چکے ہیں کہ توکل واجب اسباب کی پیروی اور اللہ تعالیٰ پر تکیہ سے عبارت ہے اس مقام پر ممکن ہے کہ زہن میں اشکال پیدا ہو کہ بعض کتابوں میں توکل اللہ تعالیٰ پر اعتما کے علاوہ دوسرے معنوں میں آیا ہے مثلاً مومن خدا سے نہیں ڈرتا اب کیا توکل واجب یہ ہے کہ بھیڑیئے یا صاحب قدرت دشمن سے بھی نہ ڈرا جائے اور فقر و بیماری سم بھی خوف نہ کیا جائے۔

دوسری روایت میں توکل کا معنی یہ لکھا ہے: جانا چاہیئے کہ نفع و ضرر کا مالک خدا کے سوا کوئی نہیں۔اور ایک روایت میں ہے کہ غیر خدا سے کوئی طمع نہ کرے اور نہ کسی سے کسی چیز کا طالب ہو۔ان روایات کے صرف متن سے توکل کا صحیح مفہوم حاصل نہیں ہوتا۔

سبب کا وجود مستقل نہیں ہے:

محقق اردبیلی فرماتے ہیں کہ ایسی رویات کی توجیہ ضروری ہے کہ کسی سے کچھ طلب نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف اسی کو عطا کنندہ سمجھے مثلاً اگر روٹی کی خواہش ہے تو نا نبائی کو رازق نہ سمجھے وہ سوال جو صرف اور مطلقا اللہ تعالیٰ سے کیا جاسکتا ہے مخلوق سے نہ کرے ورنہ شرک کا مرتکب ہوگا۔

ان دنوں یہ بات زبان زدعوام ہے کہ تہران میں کچھ لوگ وہابی مسلک کی تبلیغ کررہے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یا محمد" "یا علی" کہنا شرک ہے اور دلیل میں (إِنَّ الَّذينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبادٌ أَمْثالُكُم) تم لوگ جن لوگوں کو اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو سب تم ہی جیسے بندے ہیں۔یا (فَلا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدا) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو۔جیسا آیات شریفہ پیش کرتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ جاہل اور اندھے ہیں کہ ابھی تک دعا کا معنی بھی نہیں سمجھ سکے ہیں۔

غیر خدا کو پکارنا:

دعا کا معنی بلانا یا پکارنا ہے۔ صرف بلانا یا پکارنا ممنوع نہیں ہے ہاں اس انداز میں جیسے کہ خدا کو پکارا جاتا ہے مخلوق کو نہیں پکارنا چاہیئے وہ پکار جو اللہ کے استھ مخصوص ہے "دعا" ہے کہ اگر اس انداز سے مخلوق کو پکار جائے تو شرک ہوگا۔ یعنی شفاء اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیئے لیکن اگر اس کو دوا یا طبیب سے مانگا جائے تو شرک ہوگا لیکن اگر تکیہ خدا پر ہو او طبیب سے صرف تشخیص مرض یا دوا طلب کی جائے تو کوئی مضایقہ نہیں۔ اہل بیت اطہار علیہم السلام سے توسل کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اگر کوئی ان ذوات قدسیہ سے مثلاً حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام سے اس طرح سے مانگے جیسے خدا سے مانگا جاتا ہے تو شرک ہے۔

لیکن ایسا کوئی نہیں کرتا۔ سب ان حضرات کو واسطہ و وسیلہ یا شفاعت کنندہ سمجھتے ہیں۔

پس توکل کا یہ معنی کہ غیر خدا سے کچھ بھی نہ طلب کیا جائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عطا کنندہ نہ سمجھا جائے سب کو اس کی مشیئت کا تابع اور پابند سمجھا جائے اور تکیہ صرف ذات خداوندی پر کیا جائے کیا "یا محمد او ریا علی پر اعتراض کرنے والے خودہر روز کئی مرتبہ غیر خدا کو نہیں پکارتے؟۔

مجلس 21

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحیم. انَّهُ لَیْسَ لَهُ سُلْطانٌ عَلَى الَّذینَ آمَنُوا وَ عَلى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُون).

توکل علم توحید کا لازمہ:

توکل کی اہمیت بہت ہے کہ یہ توحید کے قطعی لوازم میں سے ہے انبیاء کی اولین دعوت توحید تھی. قرآنت سارے کا سار توحید کے موضوع پر ہے وہ علم جس کا حصول سب پر واجب ہے علم توحید ہے "اول العلم معرفة الجبار وآخر تفويض الامراليه" علم کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور اس کی انتہاء اپنے امور کو اللہ تعالیٰ کی مشئیت کے سپرد کردیناہے.

جو شخص حقیقتا عالم بننا چاہئے اس کا اولین فرض یہ ہے کہ اپنی توحید کو درست کرے اور اس کی تکمیل کرم یہ نہ کہئے کہ کیا ہم سب مسلمان نہیں ہیں اور کیا ہمار اتوحید پر ایمان نہیں ہے؟ کیونکہت توحید کی کسوٹی قلبی یقین اور "لا الہ الااللہ" کا حقیقی فہم ہے اور توحیدافعالی پر(کہ عالم ہستی میں جوکچھ بھی واقع ہوتاہے اللہ تعالیٰ کی مشئیت اوراس کے ارادے سے ہوتاہے) بھی یقین ضروری ہے.نیز "فما بكم من نعمة فمن الله" ہر نعمت کا عطا کنندہ اللہ تعالیٰ ہے.پربھی تہ دلی سے ایمان ہونا چاہئے صرف زبان سے اس کا اقرار کافی نہیں.

الفاظ اور حقیقت میں بڑافرق ہے:

دن رات میں ہم پانچ مرتبہ نماز پڑھتے ہیں اور کم ازکم دس بار (رب العالمين) کے الفاظ زبان سے ادا کرتے ہیں لیکن صرف یہ الفاظ ادا کردینے سے پروردگار کائنات پر ایمان مکمل نہیں ہوجاتا بلکہ دل سے یہ یقین ہونا چاہئے کہ سب انسانوں اور ربوبیت کے دعویداروں کا خالق وہی ہے پس الفاظ مقصود بالذات نہیں ہیں کیونکہ وہ صرف زبان پر جاری ہوکربدن کو پاک کردیتے ہیں تاکہ اس پراسلامی احکام لاگوہوسکیں، بلکہ اصل مقصود وہ حقیقت واقعی ہے جس پر ہر انسان کا ایمان ہے کہ وہ عالمین کا پروردگار ہے اور ذرہ خودسے لے کرہاتھی اور انسان تک اور زمین وآسمان اور سب فلکی ستارگانی اور کہکشانی نظاموں سے لیکر جن وملک تک کا خالق اور ان کے امور کامدبر ومدیر ہے.تمام ذرات وجودابتدائے تخلیق سے لیکرکمال خلقت تک اسی کے دست تربیت کے پروردہ ہیں، وہ انسان کابھی رب ہے اور تمام مظاہر وجودکابھی. اورجب تک ایمان کی رسائی اس منزل تک متحقق نہ ہو توحید مکمل نہیں

ہوسکتی. اگرچہ ہر ایک انسان کی بصیرت کے لئے خالق کائنات کا مشاہدہ ممکن نہیں لیکن کم از کم قرآن مجید پر ایمان کی وجہ سے یقین قلب کا پختہ ہونا ضروری ہے تاکہ حقیقی اسلام حاصل ہوسکے.

امور کی تفویض:

کیا قرآن مجید کلام الہیٰ نہیں؟

اگر ہے تو پھر دیکھ لیجئے شروع سے آخر تک اس میں توحید ہی کا ذکر ہے. معبود، رب، مالک اور مدبر امور جزیٔ اور بھی کلی صرف اللہ تعالیٰ ہے جو کائنات کے ذرے ذرے کا خالق و مالک اور مختار مطلق ہے. یہ سب جان لینے کے بعد جب اس کی الوہیت مطلقہ پر ایمان مکملہو جائے تو اپنے جملہ امور اس کے سپرد کردینے چاہئیں.

توکل کے بارے میں بزرگان دین نے فرمایا ہے: "التوکل کله الامرکله الی مالکه" توکل یہ ہے کہ اپنے سب امور کلی اور جزئ طور پر مالک مطلق کے سپرد کردئے جائیں. اگر آپ خود کو اس کا بندہ سمجھتے ہیں تو آپ کو اس کے سامنے لاف وجود نہیں مارنی چاہئے یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں ایسا چاہتا ہوں یا میں یہ نہیں چاہتا بلکہ جو کچھ وہ کرے اور جیسا بھی وہ چاہے اور جس حال میں بھی وہ رکھے اس کی رضا پر شاکر رہیئے.

اسباب سے تمسک بہر حال توکل سے کوئی منافات نہیں رکھتا اور جیساکہ ہم کئی بار یاددلا چکے ہیں کہ (: أَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسانِ إِلَّا ما سَعى) انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے اس نے کوشش کی ہوتی ہے. لیکن اس کیا یہ معنی بھی نہیں کہ سارے کا سارا تکیہ اسباب پر ہو کیونکہ آپ کے وکیل، آپ کے مالک نے فرمایا ہے کہ میں رزق اسباب کے ذریعے دوں گا لیکن اسباب میری مشیٔت کے بغیر کچھ نہیں دے سکتے.

آیات توحید میں غوروفکر:

توحید کو ہر چیز سے زیادہ اہمیت دیجئے قرآن مجید میں توحید سے متعلق آیات میں خوب تدبر کیجئے تاکہ آپ کے اس ایمان کو تقویت ملے کہ اسباب کی کوئی مستقل حیثیت نہیں کیونکہ بعض اوقات اسباب اپنی تاثیر کھو بیٹھے ہیں اور ان سے جو فوائد مربوط و متوقع ہوں وہ ان سے حاصل نہیں ہوتے.

اسباب کال بے اثر ہوجانا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اسباب سے بالاتر کوئی کارفرما طاقت موجود ہے جوقادر مطلق ہے اور اس کی مشئیت اسباب سے بے نیاز ہے افلاطونکے متعلق مشہور ہے کہ ایک دفعہ وہ سخت قسم کے اسہال میں بتلا ہوا ہرچند علاج کیا لیکن افاقہ نہ ہوا.

شاگردوں نے اس سے کہا آپ طب کے استادہیں اور اس قسم کے امراض کے علاج میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں کیا وجہ ہے کہ اس مرض پر قابو نہیں پاسکے. افلاطون نے ان سے کہافلاں سفوف لاؤاس نے وہ سفوف پانی کے ساتھ نگل لیا.اسہال فوراً بندہوگئے.وہ پھر شاگردوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا میں نے پہلے بھی یہ سفوف استعمال کیا تھا لیکن جب تک مشئیت الہیٰ نہ ہو کچھ بھی نہیںٹ ہوسکتا.

بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی امر بلا سبب واقع ہوگیا یا کسی ایسی وجہ سے ظہور پذیر ہوگیا جس سے بظاہر اس کا امکان نہ تھا.

چند سال ہوئے صدر الحکماء مرحوم نے جوایک متدین اور شریف النفس تھے مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا کہنے لگے ایک دفعہ میرے پاس ایک مریض لایا گیا جوبے حد کمزر اور لاغر تھا.جب میں نے اس کا معائینہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہر طرح سے ختم ہو چکا ہے اور اس کا دل اس کے گردے اور جگر وغیرہ بے کار ہوچکے ہیں اور وہ صرف چند روز کامہمان ہے میں نے اسے دوا دینے سے انکار کردیا.اس کے متعلقین نے مجھ پرزبان طعن درازکی اور کہنے لگے معلوم ہوتاہے کہ نیم حکیم ہو کچھ بھی نہیں جانتے.میں دل میں ناراض تو ہوا لیکن ضبط کرے ان کے اہانت آمیز الفاظ کے جواب میں ازراہ مذاق کہا اسے برسیم کا جوشاندہ پلاؤ.

چنددنوں کے بعدوہی مریض جواب بالکل تندرست تھا میرے پاس آیا اس کے ساتھ اس کے عزیز بھی تھے اور وہ لوگ میرے لئے ایک دنیا اور بہت ساپنیر اور گھی تحفتاً لائے تھے مجھ سے کہنے لگے جب آپ ایسی اچھی دوا جانتے تھے تو ہمیں مایوس کرکے واپس کیوں بھیج رہے تھے؟!

وہ قادر مطلق ہے بعض اوقات قوی سبب کوبے اثر کردیتاہے اور کبھی بلا سبب کسی امر کو ظاہر فرمادیتاہے مسبب لااسباب جوہواوہ خود اسباب کاخالق ہے ،بے اثر چیزوں میں اثر آفرینی اور قوی موثرات کااثر کھودینا اس کے دست قدرت کے ایک ادنیٰ سے اشارے کا کرشمہ ہے حصول نفع اور دفع ضرر کے اسباب کے پیچھے بھاگنے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ محض اسباب کی کوئی حقیقت و حیثیت نہیں کیونکہ امور کامدبر اورمدبر صرف وہ ہے ،چاہئے تو بلاکسی ادنی سبب کے کوئی عظیم الشان امر ظاہر فرمادے اور چاہئے توہزاروں یقینی اسباب منہ دیکھتے رہ جائیں اور ان کا کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہو.

جناب موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوتاہے کہ اپنی غذا کے لئے نمک بھی مجھ سے مانگو.اس کا بھی دینے والامیں ہوں اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے آپ اپنی جگہ پربیٹھے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ تو میرے کھانے میں نمک ڈال دے بلکہ یہ مطلب ہے کہ اسی کے توکل پر نمک کے حصول کی کوشش کرو کیونکہ اگر اس کی مشئیت میں نہیں تو ساری دنیا نمک سے پر ہوجائے آپ کو نمک نصیب نہ ہوگا.

فقہ اور توحید:

جب تک توحید میں یقین کامل حاصل نہ ہو، انسان عالم اور فقیہ نہیں ہوسکتا اور اس دینی بصیرت نصیب نہیں ہوسکتی کسبی علوم نوریقین کے حصول کامقدمہ ہیں اس کے لئے انسان کاعلم درست ہونا اور احکام شرعی سے اسے پوری پوری واقفیت ہونی چاہئے.

عوام عموماً شرک میں بتلا کہ اسباب کو حاجت روامانتے ہیں جس طرف دیکھومادہ پرستی ہے،اسباب کی پوجا ہے اورجاہ ومال کی محبت ہے.

بعض لوگ محراب ومنبر کوبھی معبود سمجھتے لگتے ہیں.لیکن یہ یادرکھنا چاہئے کہ سبب کو مسبب سمجھ لینا شرک ہے.

تقويٰ اور توحید:

علم کے اس مقام تک رسائی کی کوشش ہمارا فرض ہے کہ جہاں ہمارا فرض ہے کہ جہاں ہماری توحید یقینی ہوجائے"فاعلم انه لااله الاالله"خوب سمجھ لے کہ اللہ کے سوا ہرگز کوئی مبعود نہیں.

اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ تقويٰ ہے کیونکہ (فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللَّه) جب آپ کا تقويٰ مضبوط ہوجائے تو اللہ تعالٰی کے فضل سے آپ عالم بن جائیں گے.وہ آپ کو علم کی دولت نصیب فرمائے گا جس سے"لااله الاالله" و"لاحول ولاقوة الابالله"میں آپ کا یقین مکمل ہوجائے گا آپ کی دنیا بھی سدھر جائے گی اور جب آپ یہاں سے منزل عقبيٰ کی طرف روانہ ہوں گے تو علم وایمان ویقین کانور آپ کا رہنما ہوگا.آخرت کے درجات عالیہ بھی اسی روشنی میں آپ کو نظر آئیں گے اس میں کوئی شک نہیں کہ عمل بھی بہت ضروری ہے لیکن اگر آپ جانتے ہیں کہ مقربین سابقین کے مقام تک رسائی حاصل کریں تو یہ صرف یقین کامل کے ذریعے سے ممکن ہے (وَ السَّابِقُونَ السَّابِقُونَ. أُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُون)

ایمان حقیقی:

حضرت امام محمدباقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات چند اشخاص سے ہوئی انہوں نے آپ کو سلام کیا.آپ نےپوچھا تم کون لوگ ہو.انہوں نے جواب دیا مومن ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟یعنی محض ادعا ہے یا اس کی کوئی علامت بھی تمہارے پاس ہے.کہنے لگے جوکچھ ہمارے لئے اللہ تعالٰی کی مشئیت ہے،اس پر

اضی ہیں، اپنے امور کو ہم نے اس کے سپرد کردیا ہے اور اس کے امر پر ہمارا سر تسلیم خم ہے.آپ ﷺ نے فرمایا دانا و حکیم ہو اور قریب ہے کہ حکمت کی بدولت انبیاء کے درجے تک پہنچو.

مطلب یہ کہ تم واقعی عالم اور اہل حکمت ہو، اس حکمت کے مالک ہو کہ جو کسی کو نصیب ہوجائے تو خیر کثیر کا مالک ہوجاتا ہے. (وَ مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً).جس کو حکمت ملی گئی اسے خیر کثیر نصیب ہو گئی.تم راز ہستی کو جانتے ہو اور حقیقت غیب سے واقف ہو مادہ اور مادیت سے بلند ہو چکے ہو، ساری دینا محسوسات کی پجاری ہے لیکن تم مقام نبوت سے قریب پہنچ چکے ہو.

لہذا انسان کو چاہئے کہ ایسے اعمال بجالائے کہ علم ویقین کی دولت حاصل ہوجائے اور مقام توکل پر فائز ہو کر اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کم سپرد کردے اور آخر کار" آخر العلم تفویض الا مر الیه"کا مصداق بن جائے.

حرص سم بچو:

پھر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو وہ مکان تعمیر مت کرو جس میں تمہیں رہنا نہیں اور وہ رزق جمع نہ کرو جسے تمہیں کھانا نہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہے.

اگر تم واقعی صاحب تسلیم ورضا ہو اور اہل توکل ہو تو حرص سے بچو جو شخص جائداد بنانے کی فکر میں رہے اور ہر وقت اس میں اضافے کی سکیمیں سوچتا ہو وہ اس اندیشے میں بتلا رہتا ہے کہ اس کی دولت کم ہوجائے گی وہ آنے والے وقت سے خوفزدہ رہتا ہے.اگر اللہ تعالیٰ پر توکل ہو تو آنی کا فکر اور جانی کا غم نہ ہو اور فقر وفاقہ کا اندیشہ نہ ہو یہ اس بات کی علامت ہے کہ دعوی توکل جھوٹا اور بے بنیاد ہے. جو شخص قناعت اختیار نہیں کرتا اور ہمیشہ حرص میں بتلا رہتا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ مبب الاسباب پر اس کا ایمان نہیں اور وہ صرف سبب ہی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتا ہے ورنہ جس مکان میں اسے کبھی سکونت ہی نہیں رکھنی وہ نہ بنائے اور وہ رزق جو اس کی اور اس کے خاندان کی ضرورت سے وافر ہو وہ نہ جمع کرے .ایک عروت کہہ رہی تھی کہ میرے پاس کچھ پیسے ہین جنہیں میں نے اپنے کفن دفن کے لئے محفوظ کیا ہوا ہے.میں نے کہا ازراہ بخل وحرص توانہیں خرچ نہیں کرنا چاہتی ورنہ کون ہے جومرا اور بے گور وکفن رہا جب تک انسان سبب کا پجاری بنا رہے گا مال دنیا اس کا معبود رہے گا اسے چاہئے کہ موت کو یاد رکھے جگہ گرم کرنے سے پہلے ہی کوچ کا نقارہ بج جائے.

بے نیاز کی طرف بازگشت:

ارشاد خداوند ہے: (اتّقوا اللّٰہ الذی الیه ترجعون) اللہ سے ڈرو کہ تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہے.

آپ کا جو یہ عقیدہ ہے کہ ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ (إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ راجِعُون) تو آپ پر کتنی احتیاط لازم ہے کہ آپ سے اس کی شان میں کوئی گستاخی سرزد نہ ہوجائے کہ اس کو کیا منہ دکھائیں گے غیر خدا سے امید اللہ کے حضور تنی بڑی بڑی گستاخی ہے آدمی اس کے پاس جاتا ہوا کتنا برا لگتا ہے جس کی شان میں وہ اسری عمر گستاخیاں کرتا رہا ہو۔

جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام جب موت اور قبر اور بعث کو یاد فرماتے تو فرط گریہ سے آپ علیہ السلام کی حالت غیر ہوجاتی اور جب بھی روز حشر اس سے روبرو ہونے کا تصور فرماتے غش کر جاتے کیونکہ علم ویقین کے بلند مقام پر فائز تھے اللہ تعالیٰ کی قوت و عظمت کی پوری معرفت رکھتے تھے اور اس کے حضور پیش ہونے کی ہیبت سے واقف تھے۔

حبیب ابن مظاہر فقیہ تھے:

آل محمد اہل علم و حکمت ہیں جس کسی کو بھی ان کے نور معرفت سے کوئی کرن نصیب ہوئی، عالم با عمل ہوگیا اس بات کو معمولی نہ جانیے ان حقائق کو سمجھنا بہت ضروری ہے ہمیں چاہیئے کہ ان علماء میں شمار ہوں جنہیں آل محمد عالم سمجھیں نہ کہ جنہیں عوام عالم سمجھیں۔

جناب امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے سفر کے دوران ایک قاصد کے ہاتھ ایک خط جناب حبیب ابن مظاہر کو کوفہ بھیجا اس کا عنوان آپ نے "ایھا الرجل الفقیه" اے فقیہ مرد، تحریر فرمایا حبیب واقعی فقیہ تھے کہ خداشناس اور امام شناس تھے اور مبداء کی بنیاد توحید کی معرفت ہے۔ علم دنیا سے توحید نہیں ملتی۔ رستہ گم نہ کیجئے اور اس جہل مرکب میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ اہل علم میں سے یہ غرور آپ کو ہلاک کردے گا۔

مجلس 22

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم. انَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطانٌ عَلَى الَّذينَ آمَنُوا وَ عَلى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُون).

توکل ایمان کالازمہ ہے:

آیات جلیہ قرآنی اور عقل و وجدان کی شہادت کے مطابق توکل ایمان کی شرائط اور اس کے لوازم میں سے ہےچنانچہ قرآن مجید میںپوری صراحت سے یہ ارشاد خداوند ہے (وَ عَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنين) اور اللہ پرتوکل کرو اگر تم صاحبانِ ایمان ہو۔

دوسرانکتہ یہ ہے کہ جیساکہ حکم ایمان کے لئے ہے ویسا ہی توکل کے لئے بھی ہے خداپر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو معلوم ہو کہ ایک خدا ہے بلکہ ایمان کا تقاضایہ ہے کہ آپ کا دل اس بات کا یقین ہو کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو بڑی قوت وقدرت ولا ہے اور (آمَنُوابالله) اللہ پر ایمانت لاؤ.کا حکم اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ اسے خدائے بزرگ وبرتر جان کر پورے کاپورا بھروسہ اس کی رضا پر کریں اسباب کو اپنی تاثیر میں اس کی مشئیت سے بے نیاز نہ سمجھیں اورہر قسم کی امید اس سے رکھیں پس اسباب کو شئیت ایزدی کا پابند زمانتاہو اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر نہیں.جو انسان مال و دولت ، طبیب یا دوا کو اپنے امور زندگی میں رضائے الہیٰ سے وابستہ نہیں سمجھتا وہ کفر کامرتکب ہے.

اسباب بمقابلہ مشئیت:

کفر کا معنی"چھپانا" ہے نور حقیقت کوپوشیدہ کردیتاہے جب انسان اسباب ظاہری کے ذریعے سے کسی امرمیں کامیاب ہوتاہے تو مسبب الاسباب تک اس کی نظر نہیں جاتی.وہ یہ سمجھ کر شفا صرف طبیب کی تشخیص اور اس کے علاج نے دی ہے، طبیب پر تو ایمان لے آتاہے لیکن طبیب کا خالق کہ جس کی مشئیت طبیب کی صحیح تشخیص اور اس کے کامیاب علاج میں کار علاج میں کار فرمارہی، اسی کی نظروں سے اوجھل رہتاہے.

لیکن توحید پریقین رکھنے ولاانسان ان سب باتوں کو سمجھتا ہے .لہذا اس کا ایمان کبھی متزلزل نہیں ہوتا اور اگروہ کبھی کسی مقصد کے لئے اسباب دینوی کو اختیار بھی کرتاہے توتکیہ اس کامکمل طورپر مسبب الاسباب پرہی ہوتاہے.

پس جو شخص صرف اسباب کی تاثیر کا قائل ہو وہ کافر ہے یہاں کفر سے میری مراد کفر حقیقی نے نہ وہ کفر جو ظاہری اسلام کی ضد ہے اور جو شہادتیں کے اقرار و اعلان سے برطرف ہوجاتا ہے اور جس کے بعد انسان پر اسلامی شرعی احکام لاا گو ہوجاتے ہیں ایسا نسان مسلمان تو ہوتا ہے لیکن اس کا ایمان اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اسے سعادت و نجات کی منزل تک نہیں پہچا سکتا.

کیونکہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ اسباب کی کوئی سمتقل حیثیت نہیں اور وہ مشئیت ایزدی کے زیر اثر ہیں.

قرآن مجید میں کئی ایسے امور کا ذکر ہے جو باعث عبرت ہیں ذرا دریائے نیل کے شگافتہ ہونے پر غور کیجئے پانی کا خاصہ بہنا اور سیلان کی حالت میں رہنا ہے.اس کی اس خاصیت کو اس سے جدا کرنا قطعا محال ہے لیکن اللہ کے حکم سے اس میں براہ رستے پیدا ہوجاتے ہیں.پانی اکٹھا ہوکر دیوار کی صورت اختیار کرلیتا ہے دریا کی تہ ایسی خشک ہوجاتی ہے کہ لوگوں اور ان کی سواریوں کے گزرنے سے اس میں سے گرد بلند ہوتی ہے.کیا یہ اس چیز کی علامت نہیں ہے کہ سبب نے اپنی تاثیر کھودی ہے.کیا اس سے یہ حقیقت ثابت نہیں ہوتی کہ سبب ارادہ غیب کے تابع ہے.

اگروہت راہ ارادہ فرمائے تو سخت پیاس پانی پیئے بغیر دور ہوجائے لیکن اس کی مشئیت میں نہ ہو تو جتنا بھی پی لو پیاس کی شدت میں کوئی کمی واقعی نہ ہو اور بعض بیماریوں کی صورت میں ایک گھونٹ بھی جان لیوا ثابت ہو جیسا کہ مرض استقاء میں عموماً واقع ہوتا ہے.

عبد الملک اور مرض استقاء:

لکھا ہے کہ عبد الملک مروان اموی مرض استقاء میں بتلا ہوا.اس کے طبیب خاص کا حکم تھا کہ ایک دوروز پانی اس کے حلق سے نیچے نہ اترنے ورنہ اس کی ہلاکت یقینی ہے.

لیکن بد بخت پر پیاس غالب ہوئی اور اس نے تاکیدی حکم دیا کہ اسے پانی پلایا جائے اور کہنے لگا "اسقونی ریا وان کا فی حیواتی" مجھے پانی دو خواہ اس سے میری جان جاتی ہو.اور آخر کار اس یقین کے باوجود کہ پانی اس کی موت کا پیاسی ہے،اس نے پانی پی لیا اور ہلاک ہوگیا.

جی ہاں وہی پانی زندگی کے لئے اتنا لازمی اور ضروری ہے جب اللہ تعالیٰ کی مشئیت کے خلاف پیا جائے تو نہ صرف یہ کہ زندگی کا سبب نہیں رہتا بلکہ ہلاکت کی یقینی وجہ بن جاتا ہے.

امیر معاویہ کے متعلق لکھا ہے کہ بنی ﷺ کی بددعا سے جوع البقر کی بیمای میں بتلا ہوگیا اور جو کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی کھالے سیر نہیں ہوتا تھا.

اصحاب فیل:

سورۂ فیل میں کیسے محیر العقول واقعہ کا ذکر ہے کہ جب ابرہہ اور اس کا لشکر ہاتھونٹ پر سوار ہو کر کعبہ شریف کو ڈھانے کے لئے آرہے تھے تو آسمان میں اچانک ابابیلیں نمودار ہوگئیں جن میں سے ہر ایک کے منہ میں تین تین اور پاؤں میں دو دو ریت کے دانے کے برابر پتھریلی مٹی کے ڈھیلے تھے وہ ننھے ننھے ڈھیلے انہوں نے ابرہہ کے فیل سوار لشکریوں پر پھینکے وہ ان کے جسموں میں گھس جاتے اور سواروں اور ہاتھیوں کے بدنوں کو چھید کر جسم کے پار ہوجاتے اس طرح سے وہ ہاتھی سواروں کا سارا لشکر تلف ہوگیا یہ خدائی مشئیت ہے کہ ہاتھیوں کی فوج کی تباہی کا کام مٹی کے ذذرات سے لے لے.

تاریخ جزیرہ عرب کے مطابق نبی ﷺ کی ولادت مبارک اسی ہاتھیوں کے حملے والے سال میں ہوئی اسے عالم الفیل یعنی ہاتھیوں کا سال کہا گیا ہے.اور علی علیہ السلام کی ولات تیس عام الفیل میں ہوئی جبکہ حضور ﷺ کی بعثت شریف چالیس عام الفیل میں ہوئی جب تک اسلامی سن ہجیری کا اجراء نہیں ہوا تاریخ عرب میں عام الفیل والا کیلنڈر استعمال ہوتا تھا.

پھر آپ نے حلق اسماعیل علیہ السلام پر چھری کا بیکار ہوجانا بھی سنا ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستر بار تیز دھار والی چھری کو پوری طاقت سے فرزند کے نازک گلے پر چلایا لیکن اس پر کاٹ کا ہلکا سا بھی اثر نہ ہوا.کیونکہ جو چیز ی اس کی مشئیت میں نہیں اس کا واقع ہونا ممکن نہیں.اگر اس کی مشئیت نہ ہو تو ساری دینا کا اسلحہ خانہ ایک ناچیز مخلوق کو بھی کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا اس کو سمجھنا از حد ضروی ہے کہ آپ کا یقین راسخ ہوجائے کہ ایمان کا قطعی لازمہ توکل ہے.

یقین کی حد توکل ہے:

روایت ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ "ماحد الایمان قال الیقین،قالوا احد الیقین؟قال علیہ السلام التوکل علی اللہ" ایمان کی کیا حد ہے؟آپ نے فرمایا: انہوں نے پوچھا :یقین کی حد کیا ہے؟آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر توکل .یہ سبب کچھ اور مسبب اور ان کے باہمی تعلق کی معرفت کا نتیجہ ہے.اگر کسی کو یقین ہو کہ اسباب کی تاثیر اس کی مشئیت پر منحصر ہے تو اس یقین کی علامت توکل ہے یعنی اسباب کی بجائے اس کا اعتماد مسبب پر ہوتا ہے،اس کا مکمل تکیہ اس کی ذات قدیر پر ہوتا ہے اور اپنے تمام امور کو اس نے اس کی مشئیت کے حوالے کیا ہوتا ہے اور جب وہ ایک دفعہ اسباب کی قید سے آزاد ہوگیا تو سبب آزاد ہوگیا تو سبب کا وجود وعدم اس کے لئے برابر ہوجاتا ہے سبب موجود ہو یا نہ ہو اس کوئی فرق نہیں پڑتا.

روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا:"لَا يُصَدَّقُ إِيمَانُ عَبْدٍ حَتَّى يَكُونَ بِمَا فِي يَدِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ أَوْثَقَ مِنْهُ بِمَا فِي يَدِهِ" بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک اللہ کی مشئیت اس کے نزدیک اپنے خواہش وارداہ سے زیادہ قابل اعتماد نہ ہوجائے.

یعنی جب اس کا ایمان اس بات پر استوار ہوگیا کہ حصول مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کی مشئیت پر تکیہ اس کم اپنے اسباب وذرایع سے زیادہت مفید اور یقینی ہے تو پھر اسے اگر کوئی حادثہ بھی پیش آجائے تو بھی اس کا اعتماد اپنے مال و دولت یا مقام و مرتبہ یا اپنے متعلقین کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کی مشئیت پر رہے گا لیکن اگر صرف اسباب پر ہی اسے اعتماد ہوا تو پھر طبیب اور دوا ہی شفاء دہندہ ہوں گے اور طبیب کو صحیح علاج کی ہدایت دینے والی ہستی اسباب کی گرد میں چھپ جائے گی.

کیا ایسا بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے اور دوسروں کے امور میں اکیلے اسباب پر تکیہ کرنے کے نتائج بد سے عبرت پکڑیں.

شاہیں اور اسیر:

سید جزائری نے انوار نعمانیہ میں لکھا ہے کہ ایک حاکم کو اس طریقے سے عبرت نصیب ہوئی کہ ایک دن وہ شکار کے لئے جنگل میں گیا.شکار کم دوران ظہر ہوگئی.اس کے غلاموں اور سپاہیوں نے دوپہر کا کھانا تیار کیا اور مرغ بھون کر اس کے دسترخوان پر رکھا اچانک ایک شاہین آسمان کی بلندیوں سے جھپٹا اور چشم زدن میں مرغ کو اچک کرلے گیا.حاکم نے غضبناک ہوکر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کا پیچھا کریں.اور خود بھی ان کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ ہوا. کچھ دور جاکر شاہین ایک پہاڑ کو کعبور کرکے دوسری طرف چلاگیا سب نے بھی پیادہ ہوکر پہاڑ عبور کیا اور دوسری طرف اتر گئے دیکھتے کیا ہیں کہ ایک انسان جس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں زمین پر پڑا ہے اور شاہین اپنی چونچ سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر اس کے منہ میں ڈال رہاہے گوشت ختم ہوجانے کے بعد شاہین نے اپنی چونچ میں پانی بھرا اور اسے پلادیا.

وہ لوگ اس قیدی کے نزدیک آئے اور اس سے اس کا حال دریافت کیا اس نے بتایا.میں ایک تاجر ہوں سوادگی کے لئے جارہا تھا کہ یہاں چورں کے ہتھے چڑھ گیا.انہوں نے میرا سارا مال لوٹ لیا اور پھر مجھے بھی مارنا چاہا میں نے ان سے جان بخشی کی التجاء کی انہوں نے کہا ہمیں اندیشہ ہے کہ تم شہر میں جاکر ہمارے خلاف مخبری کروگے اور پھر میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر مجھے یہاں چھوڑکر چلے گئے.دوسرے دن یہ پرندہ میرے لئے روٹی لے آیا اور آج کہیں سے بھنا ہوا مرغ لے آیا روزانہ دو مرتبہ میری خبرگیری کرتاہے.حاکم کاذہن اسی مقام پر بدل گیا کہنے لگا وائے ہو ہم پر کہ ہم ایسے خدا سے غافل ہوں جو اپنے بندوں کی اس طرح خبرگیری کرتاہے.آخر کار تخت وتاج کو چھوڑکر اللہ کے عبادت گذار بندوں میں شامل ہوگیا غرضیکہ کہ عبرت کے اسباب ہر جگہ بکثرت ہیں لیکن ان سے عبرت حاصل کرنے والے بہت ہی کم ہیں.امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:"مَا أَكْثَرَ الْعِبَرَ وَمَا أَقَلَّ الْمُعْتَبِرِينَ".

امام صادق علیہ السلام سورہ یوسف کی آیۂ شریفہ: (وَ ما يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلاَّ وَ هُمْ مُشْرِكُون) اور ان میں اکثریت خدا پر ایمان بھی لاتی ہے تو شرک کے ساتھ.

کی تفسیر میں ایک سائل کے سوال پر کہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ایمان بھی لے آئے اور پھر بھی وہ مشرک ہو آپ ؑ نے مفصل جواب بیان فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک سے مراد شرک خفی ہے جس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلان نہ ہوتا تو میں یقیناً ہلاک ہوجاتا یا گر فلان نہ ہوتا میں اہل وعیال سے محروم ہوجاتا.من ذان قول الرجل لولا فلان لهلكت ،لولا فلان لضاع عيالى،روای نے عرض کیا پھر کیا کہے آپ ؑ نے فرمایا یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے فلان کو نہ بھیجا ہوتا تو میں ہلاک ہوجاتا.لولاان من الله على بفلان لهلكت،.

خلاصہ یہ ہے کہ توکل اسباب سے قطعا دست بردار ہوجانا نہیں بلکہ دل سے یہ یقین ہونا ہے کہ سبب کا موثر ہونا اللہ تعالیٰ کی مشئیت پر منحصر ہے قوت وقدرت ساری کی ساری اس کے ہاتھ ہے اور بلا استثناء ذرے سے لیکر پہاڑتک،جرثومے سے لے کر ہاتھی تک اور تمام موجودات ،زمین وآسمان وستارگانی اور کہکشانی نظاموں کا ادارہ اس کے دست قدرت میں ہے. (فَسُبْحانَ الَّذی بِیَدِهِ مَلَکُوتُ کُلِّ شَیْء).

اس حقیقت پر مکمل ایمان ضروری تاکہ مقام عمل میں رسوائی نہ ہو.اگر یہ یقین وایمان موجود ہو تو قضا رسوا کن عمل وقدر پر اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی.اگر واقعاتی طور پر وہ کچھ ظہور میں نہ آئے جس کی طبیعت کو خواہش ہو تو ایسے مقام پر چون وچرا یا اعتراض ایمان کے دعوے کے جھوٹا ہونے کی علامت ہے.

غرض کہ انسان بعض اوقات سمجھتاہے کہ ایمان اس کا پختہ ہے.اہل توکل ہے اور صاحب تسلیم ورضا ہےت لیکن ایک ہی آزمائش میں اس کی ساری حقیقت کھل جاتی ہے اور اسے خود اپنی ذات پر شبہ ہوجاتاہے اللہ تعالیٰ سے دعاہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں دنیا وآخرت کی رسوائی سم محفوظ رکھے.

"اللهم لاتفضحق بخفى ماالطلعت لعيه من سرى".اور ہمیں صفت توکل سے نوازے تاکہ ہمارا مکمل توکل اس کی ذات اقدس پر ہو.

مجلس 23

(بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمنِ الرَّحیم. انَّهُ لَیْسَ لَهُ سُلْطانٌ عَلَى الَّذینَ آمَنُوا وَ عَلى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُون).

امور آخرت میں توکل:

عام طورپرجب توکل کی بات ہوتی ہے تو ذہن دناوی امور کو اللہ تعالیٰ کی مشئیت کے حوالے کرنے کی طرف متوجہ ہوجاتاہے.حالانکہ مومن کاتوکل ہر امر میں خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اور صرف دنیاوی زندگی ہی تک محدود نہیں ہوتابلکہ چونکہ اخروی ابدی ہے اورزیادہ اہمیت والی ہے اس لئے انسان کافرض ہے کہ دونوں زندگیون کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر توکل سے اور بالخصوص اخروی زندگی کے لئے تو یہ توکل بہت ضروری ہے.

جس طرح دنیاوی مادی امور میں حصول نفع اور دفع ضرر کے لئے خداپرتوکل ضروری ہے اور سبب کو اللہ تعالیٰ کی مشئیت کے تابع جاننا اور اسےتاثیر میں غیر مستقل سمجھنا لازمی ہےتاکہ شرک سے حفاظت رہے اسی طرح روحانی اور اخلاقی امور میں بھی اسباب کو اللہ تعالیٰ کے توکل پر اختیار کرنا چاہیئے.

اخلاقی سعادت کے اسباب:

اخلاقی او رروحانی سعادت کے اسباب جو تہذیب نفس ، تحصیل علم ویقین اور اعمال صالحہ.....(یعنی وہ اعمال جو انسان کو جنت اوردرجات عالیہ سے قریب اور جہنم او راللہ تعالیٰ کی عدم رضا سے باز رکھتےہیں) سےعبارت ہیں، انہیں اختیار کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ پرتوکل اور اس کے حسن مشئیت پربھروسہ لازمی ہے مثلاً جنتی ہونےکی توقع عمل صالح کے بغیر بے جاہے.لیکن نمازیاحج یا روزہ یا راہ خدامیں خرچ کرنے کو یا کسی بھی عمل صالح کو مستقل تاثیر کا حامل نہیں سمجھنا چاہیئے.اگر ان اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ کی ضرورت سمجھا گیا اور ان کی قبولیت کے لئے اس کے لطف وکرم پر بھروسہ نہ کیا گیا تو یہ اعمال بے اثر ہوجائیں گے اور انسان کو غرور میں بتلا کرکے برعکس نتائج پیدا کریں گے.پس آپ کی امید اللہ تعالیٰ پرہونی چاہیئے کہ آپ کا عمل مثلا آپ کی نماز اس کے فضل وکرم سے قبول ہوجائے کیونکہ غیر مقبول عمل کی بناء پر بہشت میں جانے کی امید خود فریبی ہے جس طرح گنہ گار ہونے کی صورت میں جہنم سے بچ جانے کی توقع غلط فہمی ہے یہ آپ کی پسندیاناپسندپر منحصر ہے بلکہ یہ خدائی فیصلہ ہے کہ فعل بدکرنے والاسزاپائے اور نیکوکارجزائے خیر کا مستحق ہو لیکن بالکل دو اجیسی صورت ہے کہ مریض اس کے استعمال سے صرف اللہ تعالیٰ کی مشئیت ہی سے صحتیاب ہوسکتاہے اسی طرح حج بھی انسان کو جنتی بناسکتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضاہو.

صرف عمل پر تکیہ ہلاکت کا موجب ہے:

اگر انسان کاتمام تر بھروسہ اپنے عمل پر ہو تو ہلاکت اس کا مقدر ہے اگر کوئی نجات کا طالب ہو تو نجات دہندہ صرف اللہ تعالیٰ ہے نہ اس کا عمل! یہ درست ہے کہ اس نے عمل کیا لیکن اس میں اثرپیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تاوقیتکہ اس کی رضا و مشئیت نہ ہو یہ ممکن نہیں.

جیساکہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ جس طرح مادیات میں آپ کو صرف اپنی ہوشیاری و چالاکی، اپنے زوربازو، اپنے زور قلم یا فصاحت زبان پرنزا نہیں ہونا چاہئے کہ اسی طرح اخلاقیات وروحانیات میں بھی صرف نماز و روزہ کے عمل پر اعتماد درست نہیں انسان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آتش دوزخ سے نجات صرف اس کی پارسائی اور پرہیزگاری پرنہیں بلکہ محض اللہ کی مشئیت اور اس کے لطف خاص پر منحصر ہے کہ وہ اسے اس محفوظ فرمادیتاہے.اسی طرح بہشت کے حصول کے لئے انجام دئے ہوئے اعمال کی توفیق اور ان اعمال کی قبولیت بھی اس کی نظر کرم کانتیجہ ہے.

کبھی ایساہوتاہے کہ انسان اپنے خیال کے مطابق پہاڑوں جیسے عظیم اعمال کاذخیرہ اپنے پاس رکھتا ہے درانحالیکہ حقیقت میں ان کا وزن ایک ناچیزتنکے جتنا بھی نہیں ہوتا. لہذات امورمادی ہوں یا اخلاقی وروحانی، ان میں کامیابی کا دارو مدار اسباب پر نہیں بلکہ ہرحال میں اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان پرہے.

عمل اور رحمت خداوندی:

نبی اکرم ﷺ کے آخری خطبہ مبارکہ جو بحارالانوار کی چھٹی جلد میں نقل کیا گیاہے، ایک جملہ کے الفاظ یہ ہیں: کوئی شخص غلط دعوي نہ کرے اور بے ہودہ آرزونہ کرے نجات عمل صالح اور رحمت خداوندی پر منحصر ہے.

لہذا انسان یہ تصور نہ کرے کہ اس نے راہ خدا میں کوئی عمل کیا تو بہرحال جنت میں جائے گا او ربصورت دیگر جہنم اس کا مقدر ہوگا یہ غلط ہے بلکہ ہرحال میں اس کا بھروسہ ذات خالق پرہونا چاہئے بالکل اس کسان کی طرح جو کھیتی میں ہل چلاکر ،بیج بوکر اور آبپاشی کرکے اللہ تعالیٰ کی رحمت کامنتظر ہوجاتاہے.طالبعلم کی امید بھی اللہ تعالیٰ پرہونی چاہئے کہ اسے فہم عطا ہو صرف سبق پڑھ لینے سے اسے فہم نہیں مل جائے گا. کسی علوم میں بھی کہ جوبہت محنت طلب ہیں صرف کسب کافی نہیں کیونکہ بعض لوگ کسب علم میں بڑا جوش وخروش دکھانے کے باوجود کورے رہتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ سبق نہ پڑھیں بلکہ ہمارا طلب یہ ہے کہ صرف فہم وحافظہ اور مطالعے پرانحصار غلط ہے.کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ پرتوکل کرنا چاہئے.

عجیب حادثہ:

کوئی چالیس سال پہلے جب اس درسگاہ کے انہی حجروں میں مشیر الملک شیرازی بھی مقیم تھے ایک نامور استاد جن کا نام میں مصلحتاً ظاہر نہیں کررہا فقہ اور فلسفہ کا درس دیتے تھے اور اپنے حافظہ اور تبحر علمی کی وجہ سے مشہور تھے۔رات کو بھلے چنگے اور صبح جب بیدار ہوئے تو معلوم ہوا کہ حافظہ کھو بیٹھے ہیں حتیٰ فجر کی نماز کے لئے سورہ فاتحہ بھی بھول چکے ہیں۔ستر سال نماز پڑھی لیکن اب یاد نہیں ہے۔قرآن کو کھول کر پڑھنا چاہا لیکن پڑھ نہ سکے غرضیکہ پورے طور پر حافظہ سے محروم ہوگئے حتیٰ کہ الضباء بھی بھول گئے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

محروم تکلم:

اے وہ لوگ جو اپنے نطق اور زور بیان پر پھولے نہیں سماتے۔برسوں ایک شخص نے جو خرم شہر سے آیا تھا بیان کیا کہ ایک صاحب (جنہیں اتفاق سے میں بھی جانتا ہوں)دو ماہ سے قوت گویائی سے محروم ہو چکے ہیں اور نو آموز بچے کی طرح توتلے پن سے بات کرتے ہیں اور اپنی اس حالت سے اتنے پریشان ہیں کہ بولنے سے گریز کرتے ہیں۔تہران جا کر انہوں نے اس بارے میں اطباء سے مشہور کیا ہے جس کے مطابق دو ما ہسپتال میں رہیں گے شاید صحتیاب ہو جائیں۔

یہ کچھ اس لئے بینا کررہا ہوں کہ کوئی شبہ میں بتلا نہ ہوجائے او رجو شبہے میں بتلا ہے وہ شبہے سے آزاد ہو جائے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے۔مختصر یہ کہ علوم کسبی میں درس و مطالعہ میں کوشش ضرور کریں لیکن اس کے فہم کی امید صرف اللہ تعالیٰ سے رکھیں۔

نور یقین کسبی نہیں ہے:

حدیث شریف" "ليس العلم بكثرة التعلم إنما هو نور يقذفه الله فى قلب من يشاء أن يهديه"علم بہت زیادہ پڑھنے پڑھانا سے نہیں آتا بلکہ وہ ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اس شخص کے دل میں ڈال دیتا ہے جسے وہ ہدایت کرنا چاہے۔مقام یقین اور اللہ تعالیٰ اس کے اسماء و صفات اور روز جزاء کا علم غرض کہ علوم الٰہیٰ کا خزانہ صرف اللہ تعالیٰ کے فیضان کرم سے حاصل ہوتا ہے اور محنت اور کوشش جتنی بھی آپ کرلیں علم کا وہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ صرف عطیہ خداوندی ہے جو بقدر ظرف طالب کو ملتا ہے۔"فسالت اودیۃ بقدرہا" وادیاں اپنی وسعت کے مطابق پانی کی مقدار لیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ بندہ پرور ہے:

آپ کے سب کام ایسے ہونے چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں یاد رہے آپ کو یقین ہونا چاہیئے کہ آپ کا عمل اثر والا ہے. دعائے افتاح میں کیا خوبصورت جملہ ہے کہ "اعطانا فوق رقبتا" اس نے ہمیں ہماری طلب سے زیادہ عطا فرمایا، نماز جماعت آپ اس کی رحمت کی امید اور اس کے توکل پر ادا کرتے ہیں حج کو جاتے ہیں تو بھی اسی کے فضل وکرم کے بھروسے پر لیکن اگر نماز جماعت ادا کرنے اور چند بار حج کرنے سے آپ نے خود کو جنت کا مالک سمجھ لیا اور جنت کو لازمی طور پر نماز جماعت اور حج کا معاوضہ سمجھا تو جان لیجئے کہ کام خراب کرلیا کیونکہ یہ مزدوری نہیں جو عمل کی مقدار کے مقالے میں لاماً ملتی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی مشئیت پر منحصر ہے کہ کسی کی محنت قبول ہوتی ہے.

روایت ہے کہ جنت کی ایک بالشت کی قیمت ساری دنیا ومافیہا ہے. بہشت ایسی چیز نہیں ہے کہ جو آپ کے خیال کے مطابق اتنے سے عمل اور اس پر جاہلانہ غرور کے معاوضے میں خریدی جاسکتی ہے. یہ بھی بحث طلب ہے کہ کیا جنت آپ کے کوہ نما عظیم اور صحیح اعمال کے بدلے میں بھی عدل الہیٰ کے مطابق آپ کو مل سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ اور آپ کی ہر چیز اور آپ کی توفیق اطاعت بھی کچھ اسی کا دیا ہوا ہے اور اگر بالفرض معاوضہ بھی ہو تو کسی ایسی چیز کا ہو جو آپ کی اپنی ہو آپ کا یہ انداز فکر درست نہیں. پس چاہئے کہ آپ کی امید اور آپ کا توکل خدا پر ہو. پروردگار! بحق محمد وآل محمد ہمیں ہمیت عطا فرما اور ہر مقام پر ہماری مدد فرما اور ہمیں صحیح معنوں میں اہل توکل و اخلاص بنا.

رکن چہارم

اخلاص

مجلس24

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيم - قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلى شاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدى سَبيلا

عمل اور خلوص نیت:

بارگاہ خداوندی میں اگر کسی چیز کی کوئی قیمت ہے تو صرف خلوص نیت کی. ارشاد نبوی ہے "انما الاعمال بالنیات "اگر نیت رضائے الہیٰ کے حصول کی ہے اور عمل بھی اسی کی خوشنودی کے لئے انجام دیا جارہا ہے تو یہ چیز بلند مقام تک رسائی کی ضامن ہے. لیکن اگر نیست شیطانی ہو یا خالصتاً رحمانی نہ ہو تو دل و زبان پر رکھ "قربۃالی اللہ "کا ورد ہو اور ظاہریت بھی متاثر کن ہو، اس سے کوئی فائدہ نہیں ایسا شخص کل قبر سے خالی ہاتھ اٹھے گا اور نامہ اعمال بھی اس کا کورا ہوگا. لیکن اگر صرف انسان کی نیت اخلاص پر بنی ہو تو باقی سب کچھ خود بخود ٹھیک ہوجاتا ہے.

اس موضوع پر جو آیہ شریفہ ہم نے پیش کی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے حبیب فرمادیجئے کہ ہر شخص کا عمل اس کے شاکلہ کے مطابق ہوتا ہے. آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ ہدایت یافتہ کون ہے...

اب "شاکلۃ" کے معنی پر غور کیجئے اس کا معنی خصلت یا افتاد طبع ہے تو مطلب اس آیہ شریفہ کا یہ ہوا کہ ہر شخص اپنی خصلت یا افتادطبع کے مطابق کام کرتا ہے جیسی اس کی خصلت یا افتاد طبع ہوگی ویسا ہی عمل بھی اس سے سرزد ہوگا اگر اس کی خصلت طبع رحمانیت اور صالحیت سے متاثر ہے تو اس کے بارے اعمال خیرو رحمت ہوں گے اور پھر اگر ان میں کوئی کمی بھی رہ گئی ہو تو بھی وہ بارگاہِ الہیٰ میں مقبول ہوجائیں گے لیکن اگر اس کی خصلت "شاکلہ "خبراب اور شیطانی ہوئی اور مادہ پرستی، دنیا طلبی اوربداندیشی پر بنی ہوئی تو اس کے سارے اعمال ضائع اور سب دعوے ناکارہ ہوجائیں گے. لہذا سب سے پہلے اس شاکلہ یا افتاد طبع کو درست کرنا ضروری ہے تا کہ اس پر جس عمل کی بھی بنیاد رکھی جائے اس کا انجام اچھا ہو.

اب آئیے غور کرتے ہیں کہ انسانی شاکلہ کو درست کرنے کا کیا طریقہ ہے اور کہ یہ شاکلہ کس وسیلے سے رحمانی بنتا ہے ہم اسے سادہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں.

دوراہے پر:

ہر انسان فطری طور پر خیز وشر کے دوراہے پر خلق کیا گیا ہے. اپنی ذات میں نہ وہ نیک ہے نہ بد بلکہ ایک صاف، بے نقش اور کرے صفحے کی مانند ہے جس پر جس طرح بہترین تحریر لکھنا یا حسین ترین نقش بنانا ممکن ہے اسی طرح اس پر بدترین شکلیں، شیطانی تحریریں یا مکروہ ترین ڈھانچے بھی نقش کئے جاسکتے ہیں مفید و ہدایت بخش مضامین بھی لکھے جاسکتے ہیں. اور مضر اور گمراہ کن باتیں بھی تحریر کی جاسکتی ہیں. انسان ابتداہیں سے رحمانی وشیطان. دنیاوی واخروی او رمادی وروحانی اعمال کے دوراہے پر ہے جس طرف بھی وہ راغب ہوتاہے اس کا شاکلہ بھی اسی طرف مائل ہوجاتاہے ہر حرکت جو اس سے سزد ہوتی ہے، ہر چیز جسے وہ دیکھتا ہے یا کانوں سے سنتاہے حتیٰ کہ وہ لقمہ بھی جو اس کے حلق سے نیچے اترتاہے، سب کی سب چیزیں اس کی شاکلہ سازی کرتی ہیں ہر لفظ جو زبان سے نکلتاہے شاکلہ پر اثر انداز ہوتاہے اور حقیقت ذات اس سے متاثر ہوتی ہے ہر چیز کا اولین اثر انسان کے نفس پر ہی ہوتاہے.

اگر آپ نے کسی کے ساتھ بدزبانی کی یا آپ کسی کی اذیت کا خیال دل میں لائے تو اس سے سب سے پہلے آپ کی اپنی ذات متاثر ہوگی اس علم سے آپ حق و حقیقت سے دور ہوجائیں گے اور اپنے شاکلہ میں شر کو اثر اندا ہونے کا موقع فراہم کریں گے پھر آپ چاہئے کتنی ہی نمازیں پڑھیں لیکن نیت خالص اور اہتمام صادق کے ساتھ پورے حسن و خوبی سے ادا کی گئی نماز جیسی نہ ہونگی کیونکہ جب شاکلہ ہی خراب ہو تو نیت صادق سے اس پیدا نہیں ہوسکتی.

روٹی کا ٹکڑا حلال ہو یا حرام، پاک ہو یا ناپاک جب آپ کے حلق سے نیچے اترتا ہے، آپ کے شاکلہ پر پوری قوت سے اثر انداز ہوتاہے اور اگر وہ لقمہ حرام ہے تو رفتہ رفتہ شاکلہ طبع کو شیطانی بنادے گا اور جب شاکلہ شیطنت پر متشکل ہوگیا تو پھر ہر صادر ہونے والا فعل شیطانی بن جائے گا.

قعر جہنم یا درجات بہشت:

انسانی اعمال سے شاکلہ کی تاثیر پذیری ابتداء میں اگرچہ بہت معمولی ہوتی ہے لیکن سن بلوغ کو پہنچ کر اس کی باقاعدہ تشکیل شروع ہوجاتی ہے اگر اس وقت زبان آنکھ، کان، پیٹ وغیرہ بند ہدایت سے آزاد ہوگئے اور ہوائے نفسانی کی انہوں نے اطاعت اختیار کرلی شاکلہ شیطانی سانچے میں ڈھل جائے گا ایسا انسان اس دنیا سے رخصت ہوکر عالم ملکوت کے شیاطین کے گروہ میں شامل ہوجاتا ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ کا آخری مقام اسفل اسافلین ہوتاہے لیکن اگر اس نے اپنی اصلاح کی کوشش کی اور چھوٹی چھوٹی حرکات پر کڑی نظر رکھی، زبان کو قابو میں رکھا اور آنکھ یا کان کو رضائے خداوندی کے علاوہ کسی امر میں نہ کھولا تو وہ فرشتوں سے بلند مقام پاتاہے اور جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچتاہے جہاں فرشتے اس کی غلامی پر فخر کرتے ہیں.

اس میں آپ ہی کی بہتری ہے:

یہ جو اسلامی تعلیمات میں اتنی تاکید ہے کہ مسلمان ہوس پرستی سے باز رہیں حدود شریعت کا احترام کریں اور بے لگام نہ ہوجائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی خوشی اچھی نہیں لگتی یا اسے آپ کی تفریح گوارا نہیں. ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ چونکہ اس سے آپ کے شاکلہ کو ضرر پہچتا ہے جس کے نتیجے میں آپ کے اسفل السافلین میں گرنے کا اندیشہ ہوتاہ اس لئے آپ کو نتائج بدکے حامل اعمال سے بازرکھنے کی کوشش کی جاتی ہے. ہر نظر جو آپ ٹیلیویژیا سیمنار کے کسی ہیجان خیز منظر پر ڈالیں گے، آپ کے نفس پر اثربد جھوڑے گی اور رفتہ رفتہ آپ شیطان کے تسلط میں گرفتار ہوجائیں گے. اگر جلدی ہی آپ نے اس صورت حال کو درست کرلیا تو خیر ورنہ چالیس سال کی عمر کے بعد شاکلہ کا اصلاح پذیر ہونا بہت مشکل ہے.

شیطان کے کلیجے میں ٹھنڈک:

روایت ہے کہ شیطان اس چالس سال ہ انسان کی پیشانی کو چومتا ہے جس کا شاکلہ بگڑچکا ہو اور کہتا ہے قربان ہوجاؤں اس پر کہ جس کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسے شخص کا سدھرنا ممکن نہیں. لیکن بہت مشکل ضرور ہے. یہ اگل بات ہے کہ لطف ایزدی شامل حال ہو اور دفعتاً ہی اس کا کاپلٹ جائے اور وہ اصلاح پذیر ہوجائے.

لہذا خود پر بھی رحم کیجئے اور دوسروں کو بھی سمجھائیے کہ شہوت پرستی اور ہوس رانی سے بچیں اور خود پر ظلم کرکے (وَ لكِنْ كانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُون) کے مصداق نہ بنیں.

جب شاکلہ بگڑجائے تو نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان حج وزیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے. عزاداری امام مظلوم علیہ السلام بھی کرتا ہے لیکن رحمانی تقاضے سے نہیں بلکہ شیطان کی ایک اہٹ پر کرتا ہے. مجالس عزا بپا کرتا ہے لیکن نمودو نمائش کی یا کسی دوسری غرض سے حج و زیارات کو جاتا ہے. لیکن تفریح وسیاحت یا تجارت کی غرض سے قصہ مختصر یہ کہ پھر اس ے کوئی کام بھی اخلاص سے سرزد نہیں ہوتا.

جہاد اکبر:

لہذا جہاد بالنفس کے لئے اور ہوا وہوس کی مخالفت میں یہ جو اتنی تاکید واردہوئی ہے بلا سبب نہیں ہے. اصول کافی میں مکرر نقل ہونے والی حدیث شریف آپ نے سنی ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاذ جنگ سے واپسی پر صحابہ سے فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے تو

فارغ ہوگئے ہیں لیکن جہاد اکبر ابھی باقی ہے صحابہ نے عرض کیا حضور وہ کونسا جہاد ہے تو آ ﷺ نے فرمایا: وہ اپنے نفس سے جہاد ہے۔

یعنی وہ جہاد کہ جس کا تحمل محاذ جنگ پر پہنچنے والے تیر و شمشیر کے سخت زخموں سے بھی بدر جہاد مشکل ہے اور اسی نسبت سے اس کا اجر بھی زیادہ ہے وہ یہی جہاد نفس ہے جسے نبی ﷺ نے جہاد آکبر سے تعبیر فرمایا ہے۔کیونکہ حرص و ہوس اور شہوات نفسانی کے طوفان میں ثابت قدم رہنے اور ان پر قابو پانے کے لئے محاذ جنگ سے کہیں زیادہ مردانگی اور ہمت و شجاعت درکار ہے۔

لیکن جو انسان جہاد بالنفس میں اتنا کمزور ہو کہ حرام لقمے یا حرام نظر تک سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکے اس میں اپنے شاکلہ اصلاح ناممکن اور مقام اخلاص تک اس کی رسائی محال محض ہے۔

اصلاح شاکلہ خواہشات نفسانی پر پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔اگر آپ جاہتے ہیں کہ دل کے مضبوط قلعے کو فتح کر کے عرض الٰہی تک پہچیں(قلب المومن عرش الرحمان)تو آپ کا فرض ہے کہ ہر حرام اور ہر مکروہ سے اجتناب کریں اور ہر واجب بلکہ ہر مستحب کو بھی بجالائیں(اس ضروری شرط کے ساتھ کہ آپ سے کوئی عمل ان کے منافی سرزد نہ ہو)۔

شاکلہ اور شریعت:

شاکلہ کی اصلاح یقیناً بہت محنت طلب کام ہے لیکن اگر شرع متین کے قوانین کی پیروی کریں اور بالکل ابتداء ہی سے مثلاً والدین کے ازدواجی اختلاط، انعقاد نطفہ ،مدت حمل کےت دوران اور اس کے بعد مولود کی صحیح تربیت شریعت کے احکام کے مطابق کریں تو منزل نجات ک پہنچنے کے لئے اس کی راہ آسان کرسکتے ہیں۔

والدین کا فرض ہے کہ بچے کو کوئی ایسی غذا نہ دیں جس کے بارے میں انہیں یقین کامل نہ کہ حلال و طیب ہے اگر اس کے لئے دایہ کی خدمات حاصل کریں تو پہلے پوری تحقیقات کرلیں کہ وہ واقعی نیک اور پاکدامن ہے پھر جب بچہ سن تمز کو پہنچے تو پوری احتیاط کی جائے کہ اس کے سامنے بدزبانی ہو اورکوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو حیا کے منافی ہو اور اس سے اس کے ذہن پر برا اثر مرتب ہونے کا اندیشہ ہو۔

حتی کہ اگر والدین کے درمیان سوء تفاہم ہوجائے تو والد بچے کے سامنے اس کی والدہ سے ناراضگی کا اظہار نہ کرے ابتداء ہی سے کوشش کریں کہ کوئی بے ہودہ لفظ اس کے کانوں تک نہ پہنچے اسے اپنی نیکوکاری کے سائے میں رکھیں تاکہ اس کی عمر کے ساتھ کوئی برائی پروان نہ چڑھے۔

بچہ سن رشد کو پہنچے تو اسے جائز خرچ کی مشق کرائیں تاکہ اسے سخاوت کی عادت پڑے اور آنے والی زندگی میں مال دنیا پر لوگوں سے جھگڑتا نہ پھرے نئے لباس اور پیسوں وغیرہ کی اہمیت اس کے دل میں نہ بٹھائیں. اسے سمجھائیں کہ لباس کا مقصد صرف باعزت اور شریفانہ تن پوشی ہے.نیا یا پرانا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا.

اسے ناپاک غذا نہ دیں یہ نہ خیال کریں کہ بچہ ہے اس پر کوئی تکلیف نہیں ہے. سخت افسوس کا مقام ہے کہ اسے حرام غذا دی جائے.خدا ایسے والدین پر لعنت فرمائے جو شراب نوشی پر بچے کی ہمیت افزائی کرتے ہیں.کیا معلوم کل وہ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے .وہ لوگ جو پاں بچوں کو سنیما یا فواحش کے مراکزمیں لے جاتے ہیں ان کو جان لینا چاہئے کہ بچے کے شاکلہ کی تشکیلیل و تعمیر کے لئے جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر ڈالی ہے ت وہ اس سے مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں.

عفت و پاکدامنی کے منافی ہر منظر بچے کی حیا کو کم کرتا ہے اسے گستاخ اور لوگوں کی توہین پر بے باک بناتا ہے.ایسا بد بخت بچہ بڑا ہو کر اپنے نفس میں اپنے بے مروقت باپ کے چھوڑے ہوئے مفاسد کیسے دور کرسکے گا.!

جب بچہ آٹھ سال کا ہوجائے تو اسے نماز کا پابند بنائیں.اور جب دس سال کا ہو جائے تو وہ اپنے کسی بھائی یا بہہ کے ساتھ ایک بستر میں نہ سوئے ت اگر بارہ سال کا ہو کر بھی نمازی نہ بنے تو اس کی تادیب ضروری ہے اور اسے جسمانی سزا دینی چاہئے لیکن صرف اس قدر کہ جوت اس کے شاکلۂ رحمانی کی نشوونما میں معاون ہو.

آداب زناشوئی:

رحم مادر میں نطفہ قرار پانے کے وقت ہی سے احکام شرع کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے.والدین لقمۂ حرام سے پورا پرہیز کریں تاکہ نطفہ پر برا اثر نہ پڑے .وظیفہ زوجیت کے دوران خدا کی یاد میں مصروف رہیں شروع میں بسم اللہ پڑیں تاکہ شیطان نطفہ میں شامل نہ ہو ماں اور باپ دونوں کے خیالات اس دوران میں رحمانی ہوں تاکہ پیدا ہونے ولاے بچے کا شاکلہ قبول رحمانیت کے لئے بہتر طور پر مستعد ہو .اگر انعقاد نطفہ کے وقت باپ پر شیطانیت غالب ہوئی تو بچے پر ضرور اثر اندزا ہوگی اور پھر اس بچے کو رحمانی سا بچے میں ڈھالنے کے لئے بہت طویل محنت درکار ہوگی لہذا والدین جتنے زیادہ رحمانی ہوں اتنا ہی بہتر ہے.

جناب زہرا سلام اللہ علیہا:

روح مجسم،صدیقہ کبری جناب فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیما کے نطفہ طاہرہت کے انعقاد کی کیفیت کی حامل روایات پر غور کیجئے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ گیارہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی والدہ محترمہ وماجدہ مخدومہ کونین حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو دنیا میں بھیجنے کا ہوا تو اس نے اس نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا اہتمام فرمایا: کہ آپؑ کا جسم مقدس اتنا روحانی اور حمانی ہوجائے کہ

روح کلی الٰہی کا متحمل ہو سکے. اور لطافت میں انسانی روح کے برابر ہو مخفی نہ رہے کہ آل محمد ﷺ کے اجسام مومنین کی ارواح جیسے لطیف ہیں.

اور چونکہ جناب سرورکونین ﷺ کا جسم مبارک سراسر نور و لطافت ہے اور پورے طور پر رحمانی ہے اس لئے آپ ﷺ کا شاکلہ انتہائی سفا و نورانیت اور جلا و لطافت کا حامل ہوگا.

روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایکدن البطح میں تشریف فرما تھے، علی ؑ اور عمار یاسر خدمت اقدس میں موجود تھے حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی موجود تھے جبرئیل نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان حضور ﷺ کے گوش گذرا کیا کہ آج رات سے گھر تشریف نہ لے جائیں چالیس دن تک مباح خواہشات نفسانی یعنی دن کو کھانے اور رات کو سونے اور زوجہ طاہرہ سے قربت سے بھی منع فرمادیا تاکہ شاکلہ محمدیؐ لطیف سے لطیف تر، پاک سے پاک تر اور روحانی سے روحانی تر ہوجائے.

حضور ﷺ نے عمار سے فرمایا خدیجہؑ کے پاس جاؤ انہیں ہماری طرف سے سلام کے بعد پیغام دو کہ ہم چالیس دن گھر نہیں آئیں گے اور کہہ یہ غیر حاضری کسی رنجش کی بناء پر نہیں بلکہ حکم خدا سے ہے.

عمار نے حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا جناب خدیجہؑ نے جواب میں امر الٰہی پر اظہار تسلیم فرمایا اور جدائی پر صبر اختیار کرنے پر رضامندی کا پیغام بھیجا. وہ چالیس روز آنحضرت ﷺ نے اپنی عمہ محترمہ جناب فاطمہ بنت اسد والدہ گرامی جناب امیر کے ہاں شب و روز عبادت الٰہی میں گذارے.

چالیسویں دن شام کو جبرئیل نازلؑ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم عرض کیا کہ آج افطار میں تاخیر فرمائیں حتٰی کہ غیب سے ت افطاری کا سامان آئے نماز کے بعد جبرئیلؑ (اور ان کے ہمراہ میکائل اور اسرافیل بھی جو معمولاً انبیاء پر نازل نہیں ہوتے) آئے اور طعام جنت جو انگور، کھجور اور چشمہ ہائے جنت کے پانی پر مشتمل تھا، لائے.

جناب امیر ؑ فرماتے ہیں کہ کھانے کے وقت ہمیشہ آنحضرت مجھے گھر کا دروازہ کھلا رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے تاکہ ہر آنے والا آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہو سکے لیکن اس رات آپ ﷺ نے خاص طور پر حکم دیا کہ کسی کو آپ کے پاس نہ آنے دوں کہ اس کھانے میں کسی کو شرکت کا حق نہیں. کھانے کے بعد جبرئیل نے آپ کے ہاتھ دھلائے حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ روزانہ کی طرح آج بھی نافلہ شب کے لئے اٹھیں لیکن جبرئیل نے عرض کیا کہ آج نافلہ شب کی ضرورت نہیں. آپ اسی وقت (کہ مادہ بہشتی بدن مبارک میں تشکیل پا چکا ہے) خدیجہؑ کے پاس تشریف لے جائے.

جناب خدیجہؑ فرماتی ہیں کہ میں ابھی سوئی نہ تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی میں نے کہا کون ہے اس دروازے کو کھٹکھٹانے والا جسے محمدؐ کے سوا کوئی نہیں کھٹکھٹا سکتا. حضور ﷺ نے فرمایا میں ہوں دروازہ کھولو. قصہ مختصر حضور ﷺ تشریف لائے میں معمولاً

آپ ﷺ کے وضو کے لئے پانی لاتی تھی اور آپ ﷺ دو رکعت نماز ادا فرما کر بستر میں تشریف لاتے. لیکن اس رات آپ ﷺ نے وضو نہ فرمایا اور بستر میں تشریف لے آئے.

اس طرح نورانی پیکر سے خالص روحانی مادہ پاکیزہ ترین رحم میں منتقل ہوا.

اس پاکیزہ نطفے کی حقیقت یقیناً عجیب ہے. جناب خدیجہؑ فرماتی ہیں میں نے فوراً محسوس کرلیا کہ استقرار حمل ہوگی ہے. دوسرے ہی دن سے جنین پاک نے اپنی مادر گرامی سے مخاطب اور حمد و تسبیح باری کا آغاز کردیا. یہ واقعات خوارق عادت ہیں اور صرف ارادہ ازدی پر منحصر ہیں.

ہمارے مذہب کے مسلمات میں سے ہے کہ روز قیامت شفاعت کبریٰ جناب زہراؑ کے ہاتھ میں ہوگی.

ولها جلال ليس فوق جلالها

الا جلال الله جل جلاله

مجلس 25

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيمِ قالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ. إِلَّا عِبادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ

عمل نیت سے ہے:

دین کی بنیاد اخلااص نیت پر ہے. اگر اخلاص نہ ہو تو عمل لغو محض ہے.آپ کے اعمال پہاڑوں جیسے بڑے ہوں لیکن اگروہ اخلاص سے انجام نہیں دئے گئے تو روز حشر ان کا وزن تنکے جتنا بھی نہیں ہوگا بے اخلاص عبادات بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: (وَ ما أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّين) انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی کی عبادت اخلاص نیت سے کریں.

شیعہ سنی کے نزدیک اصول کافی کی یہ حدیث متواتریں سے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "لا عمل الابالنیۃ" عمل کا انحصار نیت پر ہے.

اور دوسری جگہ حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں "انما الاعمال بالنیات" نیت صادق کے بغیر اور صرف نمائشی طور پر انجام دئے گئے عمل کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ جو بھی اثر ہے نیت کا نتیجہ ہے. اگر خالصتاً اللہ تعالٰی کی خوشنودی کے لئے کوئی عمل کیا جائے تو سودمند ہے ورنہ لغو اور بے سود بلکہ اس کی رضا کے منافی عمل گناہوں کی فہرست میں درج ہوتا ہے.

عبادت میں قصد قربت:

آپ خوب جانتے ہیں کہ عبادت نیت کے بغیر بے معنی ہے ہر واجب عبادت میں قصد قربت ضروری ہے لیکن نیت صرف یہی نہیں کہ نماز، روزہ، حج، خمس وغیرہ کے لئے چند الفاظ ادا کردئے یا دل میں کہہ لئے جائیں جب آپ وضو کے ارادے سے وضوگاہ کی طرف جاتے ہیں تو یہ ارادہ ہی آپ کی نیت ہوتا ہے خواہ زبان سے ادا کریں یا نہ کریں، دل میں کہیں یا نہ کہیں.

اب آپ کو کسی نے اس کام پر آمادہ کیا؟ اس کا محرک در اصل اللہ تعالٰی کا حکم ہے جو قربت جوئی کے وقت آپ کی نیت میں شامل ہوگیا نیت کے الفاظ زبان سے ادا کردینے میں بھی قطعاً کوئی حرج نہیں ہے لیکن نیت کی حقیقت وہی ادعیہ ہے جو آپ کو عمل پر آمادہ کرتا ہے. لیکن اگر عمل کا محرک اللہ تعالٰی کے تقرب اور رضاجوئی کے علاوہ کوئی امر ہو تو لاکھ آپ زبان سے قربۃ الی اللہ کا ورد کیجئے، حقیقت سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ ہوگا بلکہ دروغ گوئی جو آپ کے عمل کو خاک میں ملادے گی. لہذا یہ نہایت ضروری

ہے کہ اولا عمل صمیم قلب اور خلوص نیت سے م ہو اور ثانیا صرف خدائے تعالٰی کے لئے ہو اور بلاشرکت غیر سے ہو.اس بارگاہ میں صرف سچائی قبول کی جاتی ہے. اگر اس میں ذارسا بھی کھوٹ ہو تو سارا عمل بے کار ہے.

ایک شخص اذان کہتا ہے لیکن اس سے اس کا مقصد عبادت نہیں بلکہ اپنی خوش آوازی یادینداری کی نمائش ہے تو یہ کام شرعا لغو اورباطل ہے اور ریا کی وجہ سے اس کے گناہوں میں شمار ہوگا بعض اوقات انسان خودشک میں پڑجاتاہے کہ آیا جوکام اس نے کیا قرب الٰہی تھا یانمائش کے ارادے سے تھا.اس کی آزمائش اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص نے سبقت کی اور چاہا کہ آپ کی بجائے اذان دے اور آپ سے کہا کہ آپ بلاوجہ اذان دینے پربضد ہیں اور آپ نے اس سے برامانا تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ آپ کی اذان دینے کی خواہش کامحرک اللہ تعالٰی کےنام کو بلند کرنے کا ارادہ نہیں بلکہ خود نمائی کا جذبہ تھا.ورنہ کیا فرق پڑتا ہے؟کیونکہ مقصد توصرف اتنا ہے کہ اذان دی جائے آپ نے نہ دی کسی اور نے دے دی. عموماً ایسا بھی ہوتاہے کہ افکار اور دعائیں بلانیت کی جاتی ہیں.اور انسان من گھڑت الفاظ میں دعا کرتاہے یہ درست نہیں ہے بلکہ دعا صرف روایت میں وارد شدہ الفاظ میں کہنی چاہیئے.

نبی ﷺ کی دعائے بارش:

اصول کافی میں روایت ہے کہ چند صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض گذار ہوئے کہ مدت سے بارش نہیں ہوئی اور دنیا پانی کوترس رہی ہے اللہ تعالی سے دعا فرمائیں کہ باران رحمت کانزول ہو.حضور ﷺ نے دست مبارک دعا کے لئے بلند کئے اورعرض کیا بار الہا بارش نازل فرما!لیکن اس دعا کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا.دوسری بار صحابہ نےباصرار دعا کے لئے عرض کیا حضور ﷺ نے دوبارہ ہاتھ اٹھائے اور کہاپروردگار دنیاباران رحمت کا سخت محتاج ہے.ان کے گناہوں کو ان کی محرومی نعمت کا سبب نہ بنا.ابھی ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ کالی گھٹا امنڈآئی اور اتنی بارش ہوئی کہ جل تھل ہوگیا.صحابہ نے عرض کیا حضور ﷺ پہلی دفعہ کیوں قبول نہیں ہوئی؟تو آپ نے فرمایا:"دعوت ولم تکن لی نیة"دعا تو میں نے کی تھی لیکن پوری نیت سے نہیں.

علامہ مجلسی شرح کافی میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوسکتاہے کہ حضور ﷺ نے پہلی بار مشیئت ایزدی کو مقدم سمجھتے ہوئے صرف صحابہ کادل رکھنے کے لئے دعائیہ الفاظ فرمادئے ہوں گے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ صحابہ کی دلجمعی اورتسکین خاطر کے لئے ان کی خواہش قبول فرمالیتے تھے.لہذاپہلی دعا صمیم قلب سے نہ تھی بلکہ صرف صحابہ کو مطمئن کرنے کی غرض سے تھی لیکن دوسری دعامیں لوگوں کی ضرورتمندی کی تصدیق فرمائی اور ان کی سفارش کی کہ ضرورتمند یہ لوگ ضرورہیں.اگرچہ گناہگار ہونے کی وجہ سے تیرے انعام واکرام کے بہت مستحق نہیں ہیں لیکن اگر تیری مشیئت کی مصلحت ہو تو ان کو بچالے.اس سے ظاہر ہوا کہ صرف صمیم قلب ہی سے کی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے.

بے خلوص ظاہرداری:

آج کل بے خلوص اور رسمی آو بھگت ہمارے عوام میں رائج ہے جو صرف زبان بازی تک محدود ہوتی ہے. مثلاً آپ خوب جانتے ہیں فلاں شخص آپ کا بدخواہ دشمن اور آپ کے خون کا پیاسا ہے لیکن جب آپ سے مخاطب ہوتا ہے تو باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ آپ کا دوست اور خیر خواہ ہے. کیا آپ کو اس کی یہ منافقت بری نہیں لگتی؟ ظاہریت اور فریب سب کو برا لگتا ہے اور بے خلوص اور نمائشی اظہار دوستی کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا تو پھر کیا اللہ تعالیٰ جو ہر ظاہر و پوشیدہ کا دنا ہے، اسے پسند فرمائے گا؟ جب آپ اللہ اکبر اس یقین سے کہیں گے کہ وہ واقعی عظیم ہے، اسے صحیح معنوں میں کائنات کی ہر بڑی سے بڑی ہستی سے برتر اور بزرگ ترمانیں گے اور اس کی عظمت و جبروت سے متاثر ہو کر یہ الفاظ کہیں گے تو عبادت ہوگی ورنہ یہی الفاظ اس کے غیظ و غضب کا باعث ہونگے.

حمد اور شکر نعمت:

الحمد للہ کہنا بھی جبھی معقول ہے کہ تہ دل اور خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا مقصود ہو.جب بھی اس کی طرف سے کسی خیر کا نزول ہو تو ضرور الحمد للہ کہنا چاہئے بعض اوقات الحمد للہ کہنا ذرہ برابر بھی قدر و قیمت نہیں رکھتا. خصوصاجب یہ لفظ ظاہر داری کے طور پر کہا جائے کیونکہ اگر آپ منعم حقیقی صرف اللہ تعالیکو سمجھتے ہیں تو پھر زید، عمرو، خالد وغیرہ سے بھی خوشامدکیوں کرتے ہیں. اگر سب تعریف کے لائق صرف ذات باری تعالیٰ ہی ہے تو پھر آپ دوسروں کی حمد وثنا میں کیسے رطب اللسان ہو سکتے ہیں. اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا الحمد للہ کہنا محض دکھاوا اور ظاہر داری ہے. لیکن اللہ تعالیٰ آپ کے دل سے خوب واقف ہے اور وہ آپ کے حال کو آپ سے بہتر جانتا ہے.

بے بنیاد دعویٰ:

اگر آپ کا فرزند زبان سے تو آپ کی اطاعت و فرماں برداری کا دم بھرے اور حقیقت میں مکمل طور پر نافرماں اور سرکش ہو اور آپ جانتے بھی ہوں کہ وہ جھوٹا ہےت اور آپ کو اس کا تجربہ بھی بارہا ہو چکا ہو تو آپ اس فرزند سے دی طور پر راضی ہوں گے جس کے قول و فعل میں اس قدر تضاد ہو. زبان سے تو کہے کہ میرے ہیں جو کچھ بھی ہے آپ کا ہے لیکن بوقت ضرورت بہانہ سازیوں پر اترآتا ہو. اگر آپ ایسے فرزند سے راضی نہیں ہو سکتے تو کیا اللہ تعالیٰ آپ سے آپ کی تمام ترمنافقتوں اور رفریب کاریوں کے باوجود کبھی راضی ہو سکتا ہے؟ یقیناً نہیں.

فریب جائز نہیں:

ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ آپ لوگ دنیاوی معاملات میں ظاہر داری اور فریب کو ناپسند کرتے ہیں مثلاً معمار کو آپ نے ہدایت دی کہ ایسا مکان بنائے جو ہر طرح سے مضبوط اور پائدار ہو. لیکن جب وہ اسے تیار کرکے آپ کے حوالے کرتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ اس نے تعمیر میں پختہ اینٹ کی بجائے کچی اینٹ لگائی ہے اور بوہے کی بجائے اس میں لکڑی استعمال کی ہے لیکن اس کی ظاہریت کو رنگ روغن سے خوب سنوارا ہے آپ یقیناً کہیں گے کہ یہ ظاہر فریب عمارت مجھے درکار نہیں.

یا مثلاً آپ نے گھر میں حلوا پکانے کی فرمائش کی. تیار ہو کر جب آپ کے سامنے آیا تو چکھنے پر آپ کو معلوم ہوا کہ بد مزہ ہے اور میٹھا بھی نہیں. تو آپ کے گھر والے لاکھ کہتے رہیں کہ دیکھو تو اس کا رنگ کتنا خوبصورت ہے خوشبو کیسی اچھی ہے لیکن آپ ان باتوں کو قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ اگر حلوا ہے تو اس کی مٹھاس کہاں ہے؟

تو جب آپ دنیاوی کاموں میں فریب کو پسند نہیں کرتے اور اگر ان میں سچائی نہ ہو تو قبول نہیں کرتے تو کیا خدائی معاملات میں یہ توقع رکھ سکیں گے کہ آپ کی بے حقیقت ظاہرداری اس کی بارگاہ میں قبول ہوجائے گی؟.

بد نصیبی یہ ہے کہ ہم اپنے عیوب کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں ہمیں بہت پسند ہے کہ لوگ ہماری تعریف کریں اور جھوٹ بول کر ہمیں اچھا ثابت کریں. نفسانی نفس اتنا پستت ہے کہ جھوٹ سے خوش اور سچ سے ناراض ہوجاتا ہے.

دل کی اصلاح ضروری ہے:

عاقل وہ ہے جو پہلے اپنے مرض کو سمجھ لے اور پھر اس کے علاج کے درپے ہو. اگر مرض سے جاہل رہے گا تو غلط علاج سے ہلاک ہوگا. ہم سب کو جان لینا چاہئے کہ بارگاہ خداوندی میں نیت صادق کے سوا کوئی چیزی قابل قبول نہیں کیونکہ "ان اللہ ینظر الی قلوبکم لا الیٰصورکم" اللہ تعالیٰ آپ کے دلوں کو دیکھتا ہے ت نہ کہ آپ کی صورتوں کو.

پس اگر آپ کے دل میں حب دنیا کا مرض ہے تو اس کا علاج کریں اور اس کے رجحانات و میلانات کی اصلا کریں. ایسا نہ ہو کہ خودبینی اور خودپرستی کی وجہ سے آپ کے سب کام خراب ہوجائیں.

لہذا اگر آپ قلب صمیم اور نیت سلیم کے مالک ہیں تو زبان کی لغزش سے کوئی فرق نہیں پڑتا حتی کہ فقہی مسائل میں بھی مثلا آپ نے نیت نماز مغرب کی ہے لیکن زبانت سے نماز عشا کہہ دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ معیار و میزان آپ کا دل اور آپ کی نیت ہے.

جنگ جمل اور اصحاب علی علیہ السلام :

روایت ہے کہ جنگ جمل کے دوران جناب امیر علیہ السلام کے ایک محب نے آہ بھر کر کہا کاش اس جہاد میں میرا بھائی بھی میرے ساتھ موجود ہوتا.(اس کا بھائی شیعیان علی علیہ السلام میں سے تھا لیکن سو، اتفاق سے رکاب امام علیہ السلام میں جہاد کی سعادت سے مشرف نہ ہوسکا تھا).آپ علیہ السلام نے پوچھا "اھوی اخیل معنا؟"کیا تمہارے بھائی کی خواہش ہمارے ساتھ ہے،یعنی کیا وہ پورے صمیم قلب او راخلاص نیت سے ہمارے ساتھ اس جہاد میں شرکت کا متمنی ہے؟اس نے عرض کی جی ہاں بخدا.آپ علیہ السلام نے فرمایا فکرمت کرووہ ہمارے ساتھ ہی ہے.یعنی وہ اپنی سچی نیت کی وجہ سے ہماری رفاقت میں ہے.بلکہ آپ علیہ السلام نےیہاں تک فرمایا کہ بہت سے ایسے بھی ہمارے ساتھ اس جنگ حق وباطل میں شریک ہیں جو ابھی تک اس دنیامیں آئے بھی نہیں اور ابھی والدین کی پشتوں میں ہیں.ظاہرہے کہ شرکت صرف نیت اور عزم قلبی کے اعتبار سے ہے.

اللہ تعالیٰ صدق نیت عطا فرمائے:

ہم اللہ تعالیٰ سےنیت کی سچائی طلب کرتےہیں اپنے امام زمانہ علیہ السلام کی اقتدار کرنے میں اور دعامیں عرض کرتے ہیں." اللھم ارزقنا توفیق الطاعة و بعد المعصیة و صدق النیة"بار الہا ہمیں اطاعت کی توفیق گناہوں سےدوری کی ہمت وطاقت اور صدق نیت کی نعمت عطافرما.

بعض اوقات ایسا ہوتاہےکہ انسان اطاعت خداوندی میں مصروف ہوتاہے لیکن اس کی حرکات ہوائی نفس کے ایماءپر ہوتی ہیں.اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عبادت کررہاہے لیکن اس کی حرکات اخلاص نیست کی نہیں بلکہ ہوائے نفس کی تابع ہیں.وہ سمجھتاہے کہ وہ قربۃ الی اللہ کام کررہا ہے لیکن در اصل اسے قریب شیطانی حاصل ہے.اے پروردگار.شر ابلیس اور ہوائے نفس سے ہماری حفاظت فرما.

مجلس 26

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيمِ قالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ. إِلَّا عِبادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ

دشمن ایمان و عمل:

ہماری بحث کا موضوع اخلاص تھا ہم نے بیانکیا کہ اخلاص گناہوں سے بچنے کے لئے ایک مضبوط اور محکم پناہ گاہ ہے.اگر کوئی شخص شیطان کے شر سے محفوظ رہنا چاہئے تو اس کے لئے اس کے ہوا کوئی چارہ نہیں کہ راہ اخلاص کو طے کرے کیونکہ اس منزل کو پائے بغیروہ شیطان کے ہاتھوں یک گیند کی طرح ہے.

انسان کے دین وایمان کو غارت کرنے والاشیطان ہی ہے اور اگر غارت نہیں تو خراب تو ضرورہی کردیتاہے اور آخرت کے لئے ذخیرہ کئے ہوئے اعمال کو بھی ضائع کردیتاہے.وہ ہمارا دشمن ہے لہذا ہمیں بھی اس کے ساتھ دشمنی رکھنی چاہیئے (فاتخذوه عدوا) یہ دشمن بڑا طاقتور ہے اروہردم ہمارے دین ودل پر حملہ آور ہونے کی کوشش میں ہے لہذا ہمیں اہل اخلاص بننا چاہئے تاکہ شرشیطان کی آماجگاہ نہ نہیں.

اخلاص کمال توحید ہے:

نہج البلاغہ کے خطبہ اول میں امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام گوہربار ملاحظہ ہوں ارشاد فرماتے ہیں"أَوَّلُ الدِّينِ مَعْرِفَتُهُ وَ كَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِيقُ بِهِ وَ كَمَالُ التَّصْدِيقِ بِهِ تَوْحِيدُهُ وَ كَمَالُ تَوْحِيدِهِ الْإِخْلَاصُ لَه".دین کی بیناد اللہ تعالٰی کی معرفت ہے،اس معرفت کاکمال اس کی خالقیت مطلقہ کی تصدیق ہے اور روزجزاء پر اعتقادکامل ہے جوپیغمبران خداکی دعوت کی بنیاد ہے.تصدیق کا کمال توحید(پرایمان)ہے اور توحید کاکمال اخلاص ہے یعنی اسے وحدانیت اور ربوبیت کے تمام مظاہرمیں یکتا ولاشریک مانا جائے.

اگر ہمارا اور ساری موجودات کا رب ایک ہی ہے تو اس کے غیر سے ہماراکیا تعلق ہے اور کسی اور کو ہم کیوں کار سازوکارفرما سمجھتے ہیں.اگر وہ واقعی ہمارا عقیدہ ہے کہ "لا الہ الا اللہ بیدہ الخیر".کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں،ہرخیراس کے دست قدرت میں ہے،سارے کام اس کی مشئیت پر منحصر ہیں ہر مشکل کاحل اسی کے پاس ہے ہر تکلیف کادور کرنے والا صرف وہی ہے اور"یاکاشف الضرو الکرب" کے الفاظ سے صرف اسی کو پکاراجاتاہے تو پھر ہمین یہ حق نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی اور کے سامنے دست سوال درازکریں کیونکہ یہیں سے ریائی ابتداء ہوتی ہے اور جب انسان یہ سمجھنے لگتاہے کہ مخلوق سے بھی حاجت روائی

ممکن ہے او راہل دنیا کی نظروں میں عزت کا حصول بھی فلاح کا ضامن ہے تو وہ توحید سے بے گانہ ہوجاتا ہے، اس کے سامنے شرک یا خدا کی راہ ہموار ہوجاتی ہے اور اس کی نیت میں شیطنت گھر کرلیتی ہے.

اگر ہم موحد میں تو ہماری دعا کا مخاطب صرف اللہ تعالیٰ ہونا چاہئے .جب ہم اسے حاضرناظر سمجھتے ہیں تو پھر ہمیں کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے چہ جائے کہ اس کی طرف سے جس عمل پر ہم مامور میں اس میں اس کے غیر کو بھی شریک کریں.یہ جائز نہیں کہ فعل واجب کی ادائیگی کی دوسروں کے سامنے نمائش کریں کہ ہماری تعریف ہو ہمیں اپنے رب سے شرم آنی چاہئے اور ڈرنا چاہئے کہ مبادا اس کی غیرت جوش میں آجائے اور اس کے قہر و غضب کی بجلی ہمیں جلاڈالے اگر "کمال التوحید الاخلاص للہ "پرہمارا ایمان ہے اور ہم واقعی اسے اپنا پالنے والا اور اپنے تمام امور میں ولی التوفیق سمجھتے ہیں تو اس کے غیر سے ہمیں وابستہ نہیں ہونا چاہئے دوستی کے بارے میں بھی ہمیں موحد ہونا چاہئے اور ہمارا تمام تر تعلق صرف خدا اور اس کی رضا سے ہونا چاہئے.

بہت سے لوگ اخلاص کے مدعی ہیں:

انسان کے بیشترت اعمال اخلاص کے منافی ہیں.اگر رازق صرف خدائے تعالیٰ ہے اور دینے والا، لیں والا،لانے والا، لے جانے والا وہی ہے اور تمام خیرات اسی کے دست قدرت میں ہیں تو ہم اسباب کو کیوں مؤثر کل سمجھتے ہیں اور جب زندگی میں کوئی نشیب و فراز آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر کیوں اعتراض کرتے ہیں.یہ یہ امر بڑا وقت طلب ہے کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان ساری عمر اپنے آپ کو مخلص سمجھتا رہتا ہے لیکن جب وہ فنا کی "ڈھلوان پر پہنچتا ہے تو اس کی آنکھیں کھلتی ہے ،پھر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساری عمر م اللہ تعالیٰ سے عدم اخلاص میں گذر گئی بہت سے ایسے بھی ہیں جو بہت سے خداؤں کی پرستش کرتے ہیں اور اس کے باجود خودد کو موحد کہتے ہیں.

ایک شخص نے ایک رات ارادہ کیا کہ مسجد میں جائے اور ساری رات یک سوئی اور خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے نرم و گرم بستر چھوڑ کروہ مسجد میں چلاگیا ارو وہاں چٹائی پر عبادت میں مصروف ہوگیا.کچھ دیر کے بعد تایکی میں ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی وہ سمجھا کہ ضرور کوئی دوسرا آدمی، بھی مسجد میں عبادت میں مشغول ہے.اس نے سوچا کہ یہ بہت اچھا ہوا صبح جب وہ مجھے دیکھے گا تو لوگوں سے میرا ذکر کرے گا کہ میں ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہتا ہوں چنانچہ اس نے ارو زیادہ ذوق وشوق اور خشوع و خضوع سے عبادت شروع کردی ارو اپنی آواز میں بھی مزید عاجزی او رزاری پیدا کرلی اور اسی حالت میں صبح کردی جب شب کی تاریکی رخصت ہوئی تو اس نے دیکھا کہ مسجد کے کونے میں ایک تا دبکا بیٹھا ہے جو غالباًبا ہر کی سردی سے بچنے کے لئے مسجد میں آگیا تھا معلوم ہوا کہ اس نے ساری رات کتے کی خاطر عبادت کی یایوں سمجھئے کہ اسی کی پرستش کی.

شیطان کی فریاد:

اگر آپ اہل اخلاص ہیں تو آپ کا سروکار صرف اسی کی ذات سے ہونا چائے اور صرف اسی کو اپنا کار سازا و اپنے جملہ امور میں کرکار فرما سمجھیں.جاہ و مال دنیا کو اپنی نیت پرہرگز اثر انداز نہ ہونے دیں کیونکہ عزت و ذلت کا مالک صرف وہ ہے،مرض وشفا کاناز کرنے ولابھی وہی ہے اور سب امور کی بازگشت اسی کی طرف ہے (أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُور).

اخلاص ایمان کی اس منزل کو پہنچاہوا انسان جب مسجد میں داخل ہوتاہے تو شیطان کی جان پہ بن آتی ہے اور وہ نالہ و فریاد شروع کردیتا ہے.

لیکن یہ مقام بڑا مشکل اور محنت طلب ہے یہ بڑی مردانگی کا کام ہے کہ انسان شیطان سے الجھ جائے اور نفس امارہ اور ہوا وہوس سے جہاد اکبر کرے حتی کہ اہل اخلاص بنے جس کے بغیر پہاڑوں جیسے بڑے بڑے اعمال، ہباءً منثورا، ہوجاتے ہیں.

تین گروہوں کا حساب کتاب:

اس ضمن میں ایک روایت عرض کی جاتی ہے محجۃ البیضاء میں لکھا کہ روزقیامت سب سے پہلے تین گروہوں کا حساب کتاب ہوگا.

پہلاگروہ علماء کا ہوگا.اللہ تعالٰی ان سے سوال فرمائے گا کہ تم نے دنیا میں کیا کیا اور جو علم ہم نے تمہیں دیا تھا اس کو کیسے استعمال کیا؟وہ کہیں گے پروردگار توشاہد ہے کہ ہم نے علم کو دنیا میں پھیلایا ، تعلیم وتدریس میں مصروف رہے کتابیں تصنیف کیں ارو لوگوں کی راہنمائی کی جواب میں کہاجائے گا تم جوٹ بولتے ہو کیونکہ یہ سب کچھ تم نے اس لئے کیا کہ لوگ تمہیں علامہ کہیں اور بڑا دانشمند سمجھیں یہ نمائش تھی اور اس کا معاوضہ تم لوگوں کی تعریف و تحسین کی شکل میں وصول کرچکے ہو اب ہم سے کیا چاہتے ہو.

دوسرا گروہت مال داروں کا ہوگا.ان سے پوچھا جائے گا کہ ہمارے دئے ہوئےت مال کو تم نے کیا کیا .وہ جواب دیں گے اے اللہ تو شاہد ہے کہ ہم نے اسے تیری راہ میں خرچ کیا،اعمال خیر انجام دئے ،فقراء کی دستگیری کی اور اس بارے میں کوئی حسرت اپنے ساتھ قبر میں نہیں لے گئے.انہیں جواب دیاجائے گا کہ جھوٹے ہو،تم نے اس لئے خرچ کیا کہ لوگ تمہاری تعریف کریں تمہیں سخی کہیں اور تمہارانام اخبار اور ریڈیو کے ذریعے شہرت پائے تم اپنے عمل کا معاوضہ دنیاہی میں وصول کرچکے ہو اب ہم سے کیا چاہتے ہو؟روایت میں آیاہے کہ روزقیامت سات گروہ عروش الٰہی کے سائے میں ہوں گے جن میں سے ایک ان لوگوں کا ہوگا جوپوشیدہ سخاوت کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ ان کےدوسرے ہاتھ تک کو خبر نہیں ہوتی اور خدا کے سوا ان کے اس عمل کو کوئی نہیں دیکھ سکتا.حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جب اللہ کی راہ میں مال دیتے تو عبا کو سرتک اوڑھ لیتے

او رچہرہ مبارک چھپالتے تاکہ آپ کو کوئی پہچان نہ سکے حتی کہ بعض اوقات وہ لوگ بھی جن کی آپ نے مدد فرمائی ہوتی شکایت کرتے کہ آپ نے ہماری مدد نہیں کی کیونکہ مدد کے وقت انہیں اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ منعم کون ہے۔

لہذا انسان خواہ لاکھوں روپے خرچ کرڈالے، اگر نمائش یانام ونمود کے لئے کرے گاتو پرکاہ جتنی بھی اس کے عمل کی قیمت نہ ہوگی.

تیسرا گروہ معرکہ جہاد میں شہید نے والوں کا ہوگا. ان سے سوال ہوگا کہ تم نے دنیا میں کیا کیا؟تو وہ کہیں گے بارالہا تو خوب جانتاہے کہ ہم نے تیری راہ میں جان دی .زخم کھائے اور اذیتیں اٹھائیں.جواب میں کہا جائے گا تم میدان جہاد میں ہماری راہ میں شہادت سے زیادہ اپنی شجاعت کی نمائش کے لئے گئے تھے اور تمہارا اصل مقصد مال غنیمت کا حصول تھا تم نے خالصتاًہماری راہ میں جان نہیں دی.بعض اوقات ایک شخص قرآن مجید بہت اچھاپڑھتا ہے لیکن گویوں کی طرح قرآن مجید کو گاتاہے تاکہ اپنی آوازہی کی نمائش کرے . اس کابھی آخرت میں کوئی حصہ نہیں.

روایت میں ہے کہ ایک شخص کو اس بارے میں خوف محسوس ہوا اور اس نے حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ مولا میں اپنے گھرمیں قرآن پاک کی تلاوت کرتاہوں جسے میرے اہل وعیال سنتے ہیں لیکن بعض اوقات میری آواز گھرسے باہر بھی چلی جاتی ہے جسے راہگیر بھی سنتے ہیں. اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟آپ نے فرمایا درمیانہ آوازسےپڑھوتاکہ ریا میں شمار نہ ہو.

شاید اس میں یہ نکتہ ہے کہ انسان اپنے اہل وعیال کے لئے تو ریاء کر نہیں سکتا(الایہ کہ برےدرجے کا احمق ہو).

آپ علیہ السلام نے اسے درمیانہ آوازسےتلاوت کرنے کے لئے اس غرض سے ارشاد فرمایاکہ اس کے اہل وعیال بھی سن سکیں اورگھرسے باہربھی اس کی آوازنہ جائے کہ ریا سمجھی جائے.

یہ عجیب بات ہے کہ تاوقتیکہ انسان اخلاص کے قلعہ میں پناہ نہ لے شرشیطان سے محفوظ نہیں ہوسکتا اور شیطان کی زدمیں رہتاہے.یہ مقام ہے جہاں انسان صمیم دل سے دعا کرتاہے. (أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذا دَعاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوء) اے وہ ذات اقدس جومصیبت کے ماروں کی فریاد سنتی ہے اور ان سے مصیبت کو رفع فرماتی ہے.اے اللہ مشکل بہت بڑی ہے اور ہم اتنے غافل اوربے پرواہ ہیں تیری نظر کرم ہی اس صورت حال کی اصلاح فرماسکتی ہے ہم اتنے فریب خوردہ ہیں کہ عدم اخلاص کاشکارہونے کے باوجود خود کو اللہ تعالٰی کی مخلص بندگان میں شمار کرتے ہیں.ایک دفعہ حجاب اٹھ جائے اور موت کامنظر اور بعدالموت کی منزلیں،عالم برزخ وغیرہ سامنے آجائے تو معلوم ہوکہ ہم کسی مہلک غلط فہمی میں بتلا تھے کہ اپنے آپ کو سلمان ثانی سمجھے بیٹھے تھے.

ساری عمر اس خوش فہمی میں رہے کہ ہم کربلائے معلی اور مشہد مقدس کے زوارین سے ہیں لیکن یہ کیا زواری تھی کہ زیارت کی زیارت اور سیاحت کی سیاحت !دل اداس ہوا ور دنیا کے کاموں میں سے تھک گئے تو چلو تفریح کی خاطر زیارت ہی سہی. اس میں کوئی نہیں کہ زیارت ایک بڑی سعادت ہے جسے ترک نہیں کرنا چاہئے لیکن ہمار مطلب یہ ہے کہ اس کی تحریک اخلاص نیت کی طرف سے ہونی چائے .روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص حج کو اس لئے جاتا ہے کہ نہ گیا تو لوگ طعنے دیں گے یا اس مقصد سے جاتا ہے کہ نام کے ساتھ حاجی کا اضافہ ہوجائے ارو اس لقب سے اسے دنیاوی فائدہ حاصل ہو یا سفرحج میں تجارت کر سکے اور ایسی سوغاتیں لائے جن کی فروخت سے حج کی خرچ ہوئی رقم سے کئی گنا وصول ہوجائے. مختصر یہ کہ نیت خالص کا وجود نہیں ہے مراتب اخلاص پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اخلاص کا مقام کتنا بلند ہے اور مخلصین کی تعداد کتنی کم ہے.

بلند ترین مراتب اخلاص:

شہدائے کربلا وجہ سادات شہدا نہیں کہا جاتا. ان میں دنیاوی رتبے کے لحاظ سے کمترین شہید ایک حبشی غلام ہے. عرض کرتا ہے مولا میں حسب ونسب کے لحاظ سے پست اور ذلیل انسان ہوں. رنگ میرا سیاہ ہے، بو میرے جسم کی ناگوار ہے.

یہ صحیح ہے کہ میں آپ پر قربان ہونے کے ہرگز قابل نہیں ہوں لیکن آپ مجھ پر احسان فرمائیے اور مجھے اپنا فدیہ قرار دیجئے. امام علیہ السلام اسے اجازت نہیں دیتے وہ روتا ہے اور عرض کرتا ہے. مولا میں خوش حالی میں آپ کے دسترخوان کا ریزہ چین رہا، اس سختی کے عالم میں آپ کو کیسے چھوڑدوں قصۂ مختصر کہ اتنی عاجزی سے اصرار کرتا ہے کہ امام مظلوم کو اجازت دینا ہی پڑتی ہے. اور وہ شہادت کی سعادت سے مشرف ہوتا ہے. اس سے بہتر اور خالص تر عمل اور کیا ہوگا.

مجلس 27

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيمِ قالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ. إِلَّا عِبادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِين

خلوص اور عمل خالص:

خالص وہ چیز ہوتی ہے جو کھری اور بے کھوٹ ہو اور اس میں اس کے غیر کی آمیزش نہ ہو مثلاً خالص ہونا جو صرف سونا ہوتا ہے اور سونے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا. نہ اس میں تانبے کی اور نہ ہی کسی اور چیز کی کی ملاوٹ ہوتی ہے. یا مثلاً خالص دودھ جس کا وصف قرآن مجید میں یوں فرمایا گیا ہے: (نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَ دَمٍ لَبَناً خالِصاً سائِغاً لِلشَّارِبِين) کہ ہم ان کے شکم سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں جو پینے والوں کے لئے انتہائی خوشگوار معلوم ہوتا ہے.

یعنی باوجود اس کے کہ وہ خون اور فضلات شکم میں گھرا ہوا ہے پھر بھی نہ فضلات کی بو سے متاثر ہے نہ ان کی گندگی سے مکدر رہے اور نہ خون ہی کے رنگ سے متغیر ہے.

اسی طرح عمل بھی کدورتہائے نفسانی سے غیر متاثر ہونا چاہیئے اور خالصتاً اللہ تعالٰی کے لئے ہونا چاہیئے لہذا اللہ تعالٰی کے تقرب کے ساتھ دنیاوی طلب کی شرکت جائز نہیں ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ یہ ایک روحانی ارم ہے جو زبان سے ادا کرنے یا دل میں لانے پر منحصر نہیں.

دنیاوی آبرو بھی اسی کے ہاتھ میں ہے:

عمل کے محرک کو دریافت کرنا ضروری ہے کہ کیا تقرب خالق اس کا محرک ہے یا تقرب مخلوق مثلاً اگر آپ منبر پر ہو عظمت کے لئے جارہے ہیں تو کیا اللہ تعالٰی کے تقرب کے لئے جارہے ہیں یا حصول مال وجاہ کے لئے یا دونوں یا تینوں کے لئے. یقین کیجئے کہ ان کا یکجا ہونا ممکن نہیں کیونکہ کوئی کام یا اللہ کے لئے یا غیر اللہ کے لئے. یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے لئے بھی ہو اور غیر اللہ کے لئے بھی اور اگر پورے خلوص نیت کے ساتھ صرف اسی کے لئے انجام نہ دیا جائے اور اس میں اس کے غیر کی بھی شرکت ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کے حضور قبول نہیں ہوتا بلکہ دنیاوی مقصد بھی اس سے پورا نہیں ہوتا کیونکہ تمام انسانوں کے دل اللہ تعالٰی ے ہاتھ میں ہیں ارگ وہ چاہیئے تو دنیاوی عزت بھی حاصل ہو سکتی ہے اور اگر اس کی مشئیت میں نہ ہو تو سوائے ذات کے کچھ ہاتھ نہیں آتا.

مالک دینار کا قصہ:

ابتدائے عمر میں ملاک دینار کا پیشہ صرافی تھا اور گذر اوقات بھی ان کی اچھی تھی.

مال میں زیادتی کےلالچ میں انہیں شام کی جامع مسجد اموی کی تولیت کی خواہش ہوئی ظاہر ہے کہ اس تولیت کے حصول سے بڑی بڑی رقوم ان کے ہاتھ لگتیں لیکن متولی بننے کے لئے از حد خلق یعنی سب سے زیادہ زاہد اور پرہیز گار ہونا شرط ہے انہیں نے تولیت کی ہوس میں اپنی ساری جائداد غرباء میں تقیسم کردی اور جامع مسجد میں گوشہ نشین ہوگئے اور جب دیکھتے کہ کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا ہے فوراً نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے اور خود پر خشوع و خصوع کی حالت طاری کر لیتے.

تعجب کی بات یہ تھی کہ ان کے پاس سے ہر گزرنے ولاان سے پوچھتا کہ اے مالک کیا ارادے ہیں کس چکر میں ہو، اسی حالت میں کافی زمانہ گذر گیا. ایک رات وہ اس سوچ میں پڑگئے کہ یہ میں نے کیا کیا او رمال دنیا کی حرص میں مبتلا ہوا کر میں کس حالت و پہنچ گیا . اپنا سارامال و متاع ہوس کی نذر کرکے آخر مجھے کیاملا. اب تو سب لوگ بھی میرے بھید سے واقف ہوگئےہیں اور مجھے جینے نہیں دے رہے میں نہ دین کا رہا نہ دنیا کا . اب تو خسر الدنیا والاخرۃ میرا مقدر ہوچکاہے....

اس رات انہوں نے ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ سچی نیت سے استغفار کیا. نمائشی عبادت سے توبہ کی او رصبح تک اللہ تعالیٰ سے گڑگڑکر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہے.دوسرے دن وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ مسجد میں آنے والاہر شخص ان سے احترام سے پیش آتا اور ان سے التماس دعاکرتاہے او رسارے لوگ ان سے اظہار عقیدت وارادیت کرتے ہیں. رفتہ رفتہ سارے شام میں مشہور ہوگیا کہ مالک دینار ازہد خلق ہیں. اب لوگ ان کے پاس آئے اور انہیں مسجد اموی کے اوقاف کی تولیت انہوں پیش کی. لیکن انہوں نے جواب دیا نہ بابا بڑی مشکل سے اللہ تعالیٰ کی کچھ ضا مجھے حاصل ہوئی ہے ، میرے حالات خوب سدھر گے ہیں، مجھے اب کسی چیزی کی احتیاج نہیں رہی.

وہ بد بخت انسان جو خلوص سے محروم ہو واقعی خسر الدنیا والآخرۃ سے دوچار ہوتاہے.

بے فائدہ عبادت:

ہم کہہ چکے ہیں کہ عبادت کی قبولیت خلوص سے مشروط ہے اور وہ عبادت جو خلوص سے عاری ہو قطعا بیکار ہے. پست ترین اوربد ترین عبادت وہ ہے جس کے ذریعے انسان خالق اور مخلوق دونوں کا تقرب چاہئے . اسی میں وہ مبطل ایمان اعمال شرک دریا بھی شامل ہیں جوگناہان کبیرہ میں شمار ہوتے ہیں. اس سے بھی نچلے درجے کی عبادات وہ ہے جو حظِ نفس کے لئے بھی نہ ہو.

کبھی انسان کی نیت میں اس کی طبعیت کا میلان کارفرماہوتاہے مثلاً جمعہ کا دن ہو او رموسم گرم ہو تو اس کے دل میں آئے کہ چل کر سوئمنگ پول (حوض) میں نہاؤں جسم بھی ٹھنڈاہوجائے گا اور غسل جمعہ بھی ہوجائے گا. اب کون جانے کہ حقیقت میں وہ

اپنا جسم ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے یا غسل جمعہ بجالانا چاہتا ہے.یا مثلاً ہوا سرد ہے اور وہ گرم ہونا چاہ رہا ہے اس کے دل میں آتی ہے کہ حمام چلوں بدن میں گرمی بھی آجائے گی اور غسل جمعہ بھی ہوجائے گا . یہ عمل اخلاص سے عاری ہے. اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا عمل مکمل طور پر مخلصانہ ہو تو آپ کی نیت میں ذراسا بھی شائبہ حظِ نفس کا نہیں ہونا چاہیئے.

علاوہ از ایں کسی عمل کا ضیمہ اگرچہ مباح ہے لیکن اس کا دائمی طورت پر ضمنی صورت اختیار کرجانا بھی نفس علم کو باطل کردیتاہے. اخلاص سے ہمارا مقصود یہ ہےت کہ عمل کے ساتھ اس کا کوئی ذیلی یا ضمنی لاحقہ بھی موجود ہو مثلاً اگر کوئی شخص حقیقت میں تو غسل جمعہ ہی کرنا چاہتا ہے لیکن ضمنا ٹھنڈا یا گرم بھی ہونا چاہتا ہے تو یہ غسل صحیح ہوگا لیکن اخلاص سے خالی ہوگا اور اگر غسل جمعہ کی نیت اور ٹھنڈا یا گرم ہونے کی خواہش دونوں مساوی طور پر اس طرح غسل کے محرک ہوں کہ اان میں ایک اکیلا اسے غسل پر آمادہ کرنے پر قادر نہ ہو تو غسل ہی باطل ہے.

تحسین وآفرین خلق:

بڑا نازک مقام ہے. اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنی چاہیئے بعض اوقات انسان کو محسوس تک نہیں ہوتا اور دنیا کے ایک نعرۂ تحسین پر وہ اللہ تعالیٰ کونظر انداز کرکے اپنی عاقبت خراب کربیٹھتا ہے. اللہ تعالیٰ کے ساتھ بقائے دوام کا معاملہ تو کرتا نہیں لیکن دنیا کی ایک عارضی "واہ وا" پر اپنی عاقبت کا سودا کرلیتاہے اور پھر اسی کا ہوجاتاہے.

اس سے بدتر یہ ہے کہ اپنی موت کے بعد صرف دعائے مغفرت پر قناعت و اکتفاء نہیں کرتا بلکہ ایسے کام کرتاہے کہ دنیا موت کے بعد بھی اس یادرکھے اور اس کی تعریف کرے. وہم وخیال میں ایسا جکڑا ہوا ہے اور رجب جاہ اس کا اتنا بڑھا ہوا ہے کہ سمجھتا ہے کہ موت کے بعد بھی جب وہ اس دنیا میں موجود نہ ہوگا تو اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے اس دنیا کی تعریف وتوصیف سے محفوظ ومستفید ہوگا. بیچارہ موت کے بعد بھی جاہ مقام کا بھوکا ہے.

موت کے بعد نیک نامی البتہ مفید ہے بشرطیکہ اپنے اعمال سے انسان کا مقصد دنیاوی نیک نامی نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو. یہ نیک نامی اچھی ہے بشرطیکہ آپ خود بھی نیک رہے ہوں وگرنہ اگر آپ کانفس خراب اور نیت آپ کی فاسد ہوئی تو دنیا چاہے آپ کی کتنی ہی تعریف کرے آپ کو اس سے کچھ نہیں ملیے گا.

کیا مدح مفید ہے؟:

اگر کوئی شخص دنیا میں غلط کردار کا مالک ہو اور کسی مغالطے کے بناء پر لوگ اس کی تعریف ومدح کریں اور اس کے معتقد ہوں تو کیا یہ تعریفیں اس کے لئے سوئی کی نوک برابر کوئی فائدہ رکھتی ہیں یا اتنی ہی تخفیف اس کے عذاب میں کرسکتی ہیں.؟

دنیا کی نیک نامی اس شخص کے لئے جو برزخ میں ہو کی فائدہ رکھتی ہے جو شخص عالم ملکوت میں ہوا سے عالم ملک یعنی عالم محسوسات طبیعی سے کیا واسطہ ؟دونوں جگھوں کی اوضاع آپس میں مختلف ہیں. اگر کوئی یہاں سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہوا ہے اور اپنی زندگی میں نیکوکار اور با اخلاص کے لئے انسان یقیناً نیک اجر پائے گا لیکن بصورت دیگر خواہ اس کی قبر پر چراغاں ہوتی رہے یا خاک اڑتی رہے اسے کیا فرق پڑتا ہے.

احمدبن طولون وقاری قرآن:

اگر کوئی اس دنیا سے با ایمان رخصت ہوا ہے اور قرآن مجید پر اس کا ایمان کامل رہا ہے تو بعد مرگ اس کی قبر پر قرآن خوانی کا اسے فائدہ پہنچ سکتا ہے ورنہ احمدبن طولون کا قصہ آپ نے سنا ہوگا جسے علامہ دمیری نے حیواۃ الحیوان میں لکھا ہے. وہ شخص مصر کا بادشاہ تھا.

جب اس کی وفات ہوئی تو حکومت مصر کی طرف سے ایک قاری کو اس کی قبر پر تلاوت کے لئے مامور کیا گیا اور اس کی معقول تنخواہ مقرر کردی گئی. وہ ہر وقت اس کی قبر پر تلاوت میں مصروف رہتا.

ایک دن خبر ملی کہ قاری کہیں غائب ہوگیا ہے. کافی تلاش کے بعد سپاہیوں نے اسے ڈھونڈ نکالا اور اس سے اچانک فرار کا سبب پوچھا. جواب کی جرات اسے نہیں ہوئی تھی بس استعفاء کا مطالبہ کئے جارہا تھا ارباب حکومت نے اس سے کہا اگر تنخواہ کم سمجھتے ہو تو جتنا کہو ہم اس میں اضافہ کئے دیتے ہیں. اس نے کہا کتنے ہی گنا بڑھا دو مجھے منظور نہیں. انہوں نے حیران ہو کر کہا جب تک حقیقت بیان نہیں کرے گا ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے.

کہنے لگا چند روز قبل صاحب قبر مجھ سے معترض ہوا اس نے میرا گریبان پکڑلیا اور کہنے لگا میری قبر پر قرآنی خوانی کیوں کرتا ہے. میں نے کہا مجھے اس پر مامور کیا گیا ہے تاکہ تمہاری روح کو ثواب پہنچے. اس نے کہا مجھے اس سے فائدہ تو کوئی نہیںٹ پہنچا البتہ تمہاری تلاوت کردہ ہر آیت میرے عذاب کی آگ کو مزید بھڑکا دیتی ہے اور مجھ سے کہا جاتا ہے اب سن رہا ہے؟ دنیاوی زندگی میں اسے کیوں نہیں سنا اور کیوں اس پر عمل نہیں ہوا. لہذا مجھے معاف کریں میں اس خدمت سے باز آیا.

بارگاہ خداوی میں سچائی اور اخلاص کے سوا کوئی چیز فائدہ نہیں پہنچاتی. اپ زبان سے لاکھ "قربۃ الی اللہ" کا ورد کریں لیکن اگر آپ کی نیت میں خلوص موجود ہے تو فبہا ورنہ صرف الفاظ بول دینا قطعا مفید نہیں.

غرضیکہ نفس انسانی عام طور یا تو دنیا والوں کے درمیان عزت حاصل کرنے کے لئے اور یا حظ نفس کی خاطر نیک کام انجام دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بڑا پارسا اور پرہیزگار ہوں. لیکن روز قیامت جب اپنا سیاہ نامہ دیکھے گا تو پتہ چلے گا کہ سب کچھ ریاکاری یا اغراض نفسانی کی وجہ سے تھا.

اگر عمل اخلاص کے ساتھ انجام دیا جائے تو اس کا ذرہ بھی انسان کے درجات میں بلندی کا سبب بن سکتا ہے اور اس کی نجات کا باعث ہو سکتا ہے۔ انسان دو رکعت نماز بھی بہشتی بن سکتا ہے بشرطیکہ پورے اخلاص ارو حضور قلب سے پڑھی ہو۔ ورنہ ساری عمر کی بے حضور نمائشی نمازوں سے کچھ حاصل نہیں۔

سید بن طاوس فرماتے ہیں کہ وہ عبادت بھی جو دوزخ کے ڈر سے یا بہشت کے طمع میں کی جائے حظ نفس میں شمار ہے۔ وہ عمل جو خلوص سے کی ہو اور صرف حظ نفس کے لئے کیا جائے البتہ شرعاً صحیح ہوگا اور دوسرے اعمال سے بہتر ہوگا لیکن درجات عالیہ کی نسبت سے جیسا کہ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: " مَا عَبَدْتُكَ خَوْفاً مِنْ نَارِكَ وَ لَا طَمَعاً فِي جَنَّتِكَ لَكِنْ وَجَدْتُكَ أَهْلًا لِلْعِبَادَةِ "میں تیر عبادت دوزخ کے ڈر یا جنت کے لالچ میں نہیں کرتا بلکہ صرف اس لئے کہ تو واقعی عبادت کے لائق ہے۔ وہ عمل بہت کم درجے کا ہوگا۔

عالم کی عبادت:

آپ نے سنا ہوگا کہ عالم کی دو رکعت نماز جاہل کی ایک سالہ عبادت سے بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم انسان حقائق کو جانتا اور ان کا ادراک رکھتا ہے۔ اور حظ نفس کی سب صورتوں کو سمجھتا ہے لیکن جاہل نہیں جانتا ہے کہ اس کے کسی عمل کا کیا مقصد ہے۔ وہ عموماً یا تو خود اپنی عبادت کرتا ہے یا کسی دوسری کی لیکن سمجھتا ہے کہ خدا کی عبادت کر رہا ہے۔

اس طرح آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ عالم امام کے پیچھے نماز جماعت ادا کرنے کا ثواب عام نماز کے ثواب سے ہزار گنا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ آفات نفس کا دانا ہوتا ہے اور اخلاص سے کبھی جدا نہیں ہوتا جو دین کی اصل حقیقت ہے۔

باپ بیٹا:

سفر کربلا کے دوران ایک منزل پر جناب امام حسین علیہ السلام کو اونگھ آگئی اس کے بعد آپ نے اپنے رفقاء سے فرمایا میں نے ایک منادی کو سنا جو فضائے آسمانی میں باآواز بلند کہہ رہا تھا کہ یہ جماعت جارہی ہے اور موت ان کے ہمراہ چل ری ہے۔ علی اکبر علیہ السلام نے پوچھا بابا جان کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا ہماری موت اس کی راہ میں نہیں ہوگی۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔ ہاں تو علی اکبر علیہ السلام نے عرض کیا "اذاالانبالی بالموت" پھر موت کی ہمیں کوئی پروا نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے بڑی سعادتت اور کیا ہے کہ حق کے لئے حق کی راہ میں شہید ہوں۔ یہ الفاظ ایک عبد مخلص کی دلی کیفیت کے آئنہ دار ہیں۔ "انما جعل الکلام علی فواد دلیلاً" اللہ تعالیٰ نے الفاظ کو دل کا ترجمان بنایا ہے۔ یہ اخلاص کا بلند ترین مقام ہے اور یہاں مقصود صرف ذات خدا ہے۔ نہ یہاں حظ نفس کا کوئی خفیق ترین شائبہ موجود ہے اور نہ نام و نمود یا جاہ و مقام کی ذرہ بھر کوئی خواہش کارفرما ہے کیونکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ شہادت مقدر ہو چکی ہے۔

مجلس 28

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحيمِ قالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ. إِلَّا عِبادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ

امید جنت و خوف دوزخ:

عمل واجب ہو یا مستحب بہر حال اخلاص کے ساتھ ہونا چاہئے کیونکہ اس کی قدر و قیمت اخلاص ہی سے ہے او ر اخلاص کے بغیر کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں اخلاص کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کے علم کا محرک دکھاوا یا نمائش کا جذبہ نہ ہو بلکہ خوف عذاب یا طلب ثواب ہو. مثلاً جب وہ نماز فجر کے لئے آٹھے اور وضو کرے تو اس کا محرک یہ اندیشہ ہو کہ نماز واجب ہے اگر نہ پڑھی تو ترک صلواۃ کا مجرم ہو کر کافر بنوں گا اور اس کی سزا میں پندرہ قسم کے عذاب ہائے خداوندی کا نشانہ بنونگا. یا مثلاًجب وہ روزہ رکھے تو اس کے فاقہ برداشت کرنے ت اور چودہ گھنٹے کے لئے خود کو روزہ شکن امور اور دیگر خواہشات نفسانی سے باز رکھنے کا محرک ثواب کا وعدہ ہو جو روزہ دار کو دیا گیا ہے.

یہ دانی یا پہلا درجہ اخلاص کا ہے جس میں انسان کا عمل صحیح شمار ہوتا ہے، جس عذاب سے وہ ڈرتا ہے اللہ تعالٰی اسے اس سے امان میں رکھتا ہے اور جس ثواب کا وہ امیدوار ہوتا ہے اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے اسے نوازتا ہے.

لیکن اگر انسان کے عمل کا محرک محض دنیا والوں کی نظروں میں برتری کا شوق یا فضیحت کا خوفف ہو، مثلاً حج کو جانے سے اس کا مقصد طلب ثواب نہ ہو بلکہ اصل محرک دنیا کی نظرون میں برتری کی خواہش ہو یا اندیشہ ہو کہ اگر حج نہ کیا تو دنیا والے بخیل یا کنجوس کہیں گے. تو اس کا عمل باطل اور حرام ہے.

یہ بڑا مشکل مقام ہے بعض اوقات انسان اپنی ذات میں الجھ جاتا ہے ارو اپنا آپ اس کی نظروں میں مشکوک ہو جاتا ہے. مثلاًوہ افعال بد سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتا ہے یا امر بالمعروف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالٰی کی طرف سے عائد کردہ ایک ضروری اور واجب عمل انجام دیا ہو لیکن اصل محرک اس کے اس عمل کا محض دکھاوا اور دوسروں کو یہ بارو کرانا ہوتا ہے کہ اس کے دل میں دین کا بڑا درد ہے اور ہر چند کہ یہ عمل بظاہر اچھا ہے لیکن اس کے گناہان کبیرہ میں شمار ہوتا ہے.

تیس سالہ عبادت کا اعادہ:

یہ ایک عبادت گذار کا قصہ ہے جس میں خوب غور کرنا چاہئے کہ مبادہ ہمارا بھی وہی انجام نہ ہو.

ایک صاحب تقویٰ شخص نماز با جماعت ادا کرنے کی غرض سے ہمیشہ سب سے پہلے مسجد میں پہنچتا سب سے اگلی صف میں کھڑا ہوتا اور سب سے آخر میں مسجد سے نکلتا تھا پورے تیس سال اس کا یہ رویہ رہا اور ایک وقت کا بھی اس میں ناغہ واقع نہ ہوا. ایک دن اسے کوئی بہت ہی ضروری کام پیش آگیا جس کی وجہ سے اسے دیر ہو گئی اور وہ مسجد میں اپنے وقت پر نہ پہنچ سکا. جب آیا تو نماز شروع ہو چکی تھی لہذا ناچار اسے آخری صف میں کھڑا ہونا پڑا نماز سے فراغت کے بعد لوگ مسجد سے رخصت ہوتے وقت اسے تعجب سے دیکھتے تھے. اسے بہت دکھ ہوا کہ نمازیوں نے اسے آخری صف میں کیوں دیکھا اور وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا.

پھر اسے خیال آیا کہ شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا اے بدبخت یہ جو تیس سال تو صف اول میں کھڑا ہوتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ثواب کے لئے نہ تھا بلکہ صرف دنیا کے سامنے نمائش کے ارادے سے تھا ورنہ اگر خدا کے لئے تھا تو آج اسے منظور نہ رہا ہوگا کہ تو صف اول میں کھڑا ہو. اس کی مشئیت پر ناراض ہونے کی جرأت تجھے کیسے ہوتی...؟

آخر کار وہ تائب ہوا اور تیس سالوں کی نمازیں اس نے قضا کیں.

امراض نفسانی کا علاج کیجئے:

یہ دستان ہم سب کے لئے باعث عبرت ہونی چاہئے ہم یہ نہیں کہتے کہ نماز کے لئے مسجد میں صف اول میں کھڑے نہ ہوں ضرور کھڑے ہوں لیکن فضیلت اور ثواب کے حصول کے لئے نہ کہ دنیا کے دکھاوے کے لئے اگر کسی دن پہلی صف میں جگہ نہ ملی اور آپ کو دوسری، تیسری یا آخری صف میں کھڑا ہونا پڑا تو اس میں توہین کی کوئی بات نہیں. یہ نہ کہیں کہ میں عالم ہوں مجھے ضرور ہی صف اول میں جگہ ملنی چاہئے، پچھلی صفیں میرے شایان شان نہیں بلکہ آپ کو پچھلی صفوف میں کسی بچے یا کسی جاہل کے ساتھ بھی کھڑا ہونا پڑے تو آپ کو تردد لاحق نہیں ہونا چاہئے.

یہ نفسانی امراض ہیں جو انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں. امام جماعت کا بھی فرض ہے کہ مقتدیوں کی تعداد کو اہمیت نہ دے ت ورنہ گناہ گار ہوگا. مقتدی خواہ ایک ہو یا دس ہزار ہوں اس کے لئے برابر ہونا چاہئے.

ریاء اور ذیلی محرکات سے توبہ:

لہذا یہ ضروری ہے کہ انسان کے عمل کا ادنیٰ محرک خوف عذاب یا امید ثواب ہو اس سے بہتر اور مکمل تر صورت یہ ہے کہ محرک خود ذات خداوندی ہو اس کے سوا جو کچھ بھی ہے ریا ہے او ر باطل وحرام ہے اور اگر وہ عمل واجب تھا تو اس کا اعادہ او رضاء ضروری ہے اور توبہ تو ہر حال میں لازم ہے خواہ وہ عمل واجب ہو یا مستحب.

اسی طرح ذیلی محرکات بھی ریاء ہی کے حکم میں داخل ہیں مثلاً کوئی شخص مشہد مقدس کی زیارت کو جائے لیکن اس کا محرک وہانکی آب وہوا یا پھلون کی فراوانی یاسیاحت ہو کہ زیارت ثانوی حیثیت اختیار کرجائے.

کشتہ راہ خر:

پس اگر انسان سے کوئی نیک علم سرزدہو تو غرور وفریب میں نہ آجائے کہ میں نے خدا کی راہ میں یہ کام کیا بلکہ اسے چاہئے کہ اس کا م کے محرک کی تعین کرے کیونکہ حقیقی ہدف اس کا وہی چیزہے جس نے اسے عمل پر اکسایا ارو اس کوخدا کی راہ میں قرار دینا صرف اس صورت میں ممکن ومعقول ہے کہ آپ نے پورے عزم سچی نیت اور دلی ارادہ سے محض اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لئے اسے انجام دیاہو.

روایت ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں ایک محاذ جہاد پر ایک کافر ایک خوبصورت سفید خچر پر سوار جنگ میں مصروف تھا ایک مسلمان کی نظر جو اس سفید راہوار پرپڑی تو اس پر لٹو ہوگیا اور دل میں کہنے لگا اس کافر کوقتل کرکے اس خچر کو حاصل کرنا چاہئے.اس نیت سے وہ آگے بڑھا لیکن پیشتر اس کے کہ وہ اس کافر پر حملہ آور ہو اس کافر نے سبقت کی اور اسے قتل کردیا.صحابہ میں وہ مسلمان "قتیل الحمار" (کشتہ راہ خر) مشہور ہوگیا.

ملاحظہ کیا آپ نے کہ اس نے کس نیت سے حرکت کی اور اس سے اسے کیا حاصل ہوا.اس بازار میں صرف حق وحقیقت کا لین دین ہوتاہے.ظاہرداری جیسے کھوٹے مال کی یہاں کوئی پرسش نہیں.پس وائے ہو اس بدبخت انسان پر جواپنے نفس کی غلامی میں جان دے کر "خسر الدنیا والاخرۃ" حاصل کرے اگر کوئی شخص اپنے نفس کی غلامی میں جان دے کر "خسر الدنیاا والآخرہ" حاصل کرکے.اگر کوئی شخص اپنے نفس کی خاطر سرگرم عمل ہوتو سکتاہے کہ اللہ تعالٰی کی حکمت و مشئیت سے بعض اوقات اپنے مقصد کو پابھی لے لیکن اس کا یقینی حصول صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ عمل کوپورے اخلاص نیت سے صرف اللہ تعالٰی کی خاطر انجام دیا جارہے.اس طرح سے نہ صرف یہ کہ حصول مقصد میں کامیابی حتمی ہوگی بلکہ اس کے فضل وکرم سے توقعات سے بڑھ کر چڑھ کر نتائج حاصل ہوں گے جیساکہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ: (مَنْ كانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَ مَنْ كانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيا نُؤْتِهِ مِنْها وَ ما لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيب) جو انسان آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لئے اضافہ کردیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی کا طلبگار ہے اسے اسی میں سے عطا کردیتے ہیں اور پھر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے.

ضمنی محرکات مبطل عمل نہیں:

اس مقام پر یہ یاددہانی ضروری ہے کہ ضمنی محرکات مبطل عمل نہیں ہیں مثلا ایک شخص حصول ثواب کی نیت سے حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے مشہد مقدس جاتاہے کیونکہ امام رضا علیہ السلام کا وعدہ ہے کہ وہ میزان اصراط اور نامہ اعمال کی تقسیم کے وقت اپنے محبین کی مدد کو پہنچنگے اسی وعدے کے وثوق میں وہ جاتاہے کہ امام علیہ السلام کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ اسے حج وغیرہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔

ضمناًوہ یہ سوچتاہے کہ ذارایک ہفتہ ٹھہرجاؤں تاکہ مشہد کی خوبانی خوب یا خبربوزے نے سفر مشہد پرآمادہ نہیں کیا بلکہ حقیقی محرک اس کے سفر کازیارت امام علیہ السلام ہے اور خوبانی خربوزہ یا ہواخوری اس کے ذیلی محرکات ہیں.

خانہ کعبہ تپتی سرزمین پر:

نہج البلاغہ میں حج اور اس کی حکمت کے بارم میں جناب امیر علیہ السلام نے اپنے خطبہ جلیلہ میں فرمایاہے کہ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ شریف وتپتی سرزمین پر قرار دیا جس میں جسمانی آسائش کا سامان نہیں کیونکہ اس کے اطراف میں تپتے ہوئے پہاڑ ہیں اور زمین وہاں کی بنجر ہے.اگر اللہ تعالیٰ کی مشئیت ہوتی تو وہ اپنے مقدس گھر کو دنیا کے خوش موسم ترین خطہ میں قرار دیتا لیکن ایسا کرنے سے لوگوں کی آزمائش نہ ہوسکتی.

مثلاً اگر خانہ کعبہ لبنان میں ہوتا تو لوگ خوشگوار آب وہوا اور خوبصورت باغوں اور سبزہ زاروں کے فرحت بخش مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے وہاں جاتے اور اس طرح تقرب خداوندی سے محروم رہتےت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے زیادہ حظِ نفس ہوتا اور اس کا محرک اخلاص عبادت نہ ہوتا.

کچھ نہیں کہا جاسکتاہےھ کہ حالیہ سالوں میں عربستان میں نعمت کی جوفراوانی واقع ہوئی ہے اور سفرکی آسانی اور وسائل کی کثرت جوبہترین طریقے سے صورت پذیر ہوئی ہے،آیا اس نے لوگوں کی نیتوں پر بھی کچھ اثر کیا ہے یا نہیں اور وہاں کا سفر بھی تجارت اورتفریح وغیرہ کا ذریعہ بناہے یا نہیں.خدا نہ کرے کہ ایسی عظیم عبادت کامحرک حظِ نفس ہوسکے.

زاد سفر:

کسی کو ہماری باتوں سے بدگمانی نہیں ہونی چاہئے ہم یہ نہیں کہتے کہ مکہ معظمہ جاکر اچھی غذا نہ کھائیں،زیو سفرسے غفلت برتیں اور کوئی تحفہ وغیرہ نہ خریدیں بلکہ بہترہے بہتر زادسفرکی فراہمی ایک مستحب فعل ہے اور اسی طرح سے گھرکی طرف لوٹنے والامسافر تحفہ یا سوغات بھی لاتاہے، اس میں بھی کوئی قباحت نہیں.ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ سفرحج کے لئے صرف یہی امور آپ کے

محرک نہیں ہونے چاہئیں. بلکہ آپ کو حج کا شوق دلانے والی چیز کم ازکم یا خوف عذاب یا طلب ثواب ہو کیونکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ جو شخص خوف عذاب سے یا طلب ثواب کے لئے کوئی نیک عمل بجالاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مایوس نہیں فرماتا. لیکن اگر نیت ہی خالص نہیں تو عمل بیکار ہے.

معانی الاخبار میں روایت ہے کہ حضرت امیرالمؤمنین علی علیہ السلام اپنے ایک شیعہ کے سرہانے تشریف لائے جو حالت نزع میں تھا آپ علیہ السلام نے احوال پرسی فرمائی تو اس نے جواب دیا "اخاف ذنبی وارجو رحمة ربی" اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف میں بتلا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہوں. آپ نے فرمایا یہ امید و ہمت جس دل میں ہو اللہ تعالیٰ اسے اس چیز سے امان میں رکھتا ہے جس سے وہ اندیشہ ناک ہو اور جس چیز کا وہ امیدوار ہو اسے عطا فرماتا ہے.

خدا سے معاملہ:

یہ معاملہ ایسا ہے جس میں نقصان کا اندیشہ نہیں، اور نہ ہی اس میں دنیاوی معاملات کی طرح "لمن نشاء" کی شرط ہوتی ہے بلکہ یہاں قطعی وعدہ دیا گیا ہے اور نیک عمل کی کوشش کو سعی مشکور فرمایا گیا ہے. وہ ہوا و ہوس والا معاملہ ہے جو متزلزل ہوتا ہے. اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ قطعی اور یقینی ہے اور اس میں کسی قسم کے نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں.

سورۂ اسراء میں ارشاد باری ہے:

(مَنْ كانَ يُرِيدُ الْعاجِلَةَ عَجَّلْنا لَهُ فيها ما نَشاءُ لِمَنْ نُريدُ ثُمَّ جَعَلْنا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلاها مَذْمُوماً مَدْحُوراً ،وَ مَنْ أَرادَ الْآخِرَةَ وَ سَعى لَها سَعْيَها وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولئِكَ كانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوراً) جو شخص بھی دنیا کا طلب گار ہے ہم اس کے لئے جلد ہی جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں پھر اس کے بعد اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ ذلّت و رسوائی کے ساتھ داخل ہوگا، اور جو شخص آخرت کا چاہنے والا ہے اور اس کے لئے ویسی ہی سعی بھی کرتا ہے اور صاحب ایمان بھی ہے تو اس کی سعی یقینا مقبول قرار دی جائے گی.

مجلس 29

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ قالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ. إِلَّا عِبادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِين

ضمنی محرکات کی وضاحت:

یہ پچھلی رات ہم نے عرض کیا کہ ضمنی محرکات کی موجودگی صحت عمل کے لئےت مضرنہیں بشرطیکہ عمل کا حقیقی اوربنیادی محرک طلب ثواب یا خوف عذاب ہو آج ہم اس کے لئے مزید ایک مثال عرض کرتے ہیں:

ایک شخص سچے دل سے قربتہ الی اللہ اس سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنا چاہتاہے.اس کو یہ اندیشہ بھی لاحق ہے مبادا وہ حج سے پہلےت مرجائے اور اس کی موت دین یہود ونصاريٰ پرہو.اور ضمناًیہ بھی جانتاہے کہ ایک جنس جو اس کےت اپنے شہرمیں نایاب ہے حرمین شریفین کے بازاروں سے خرید کرے یا اپنے ساتھ کوئی قالین وغیرہ لیتاجائے جس کی وہاں فروخت سے اسے فائدہ حاصل ہو تو یہ امر اس کےحج کی صحت پر اثرانداز نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی تحریک ضمنی اورداعیہ اس کا اضافی ہے.

اس کے مقابلے ایک اور شخص ہے جوحج کے سفر سے دنیاوی معاملہ کرنا چاہتاہے اور اس کا مقصد مالی فائدہ کا حصوتل ہے تو اس کا یہ سفرعبادت نہیں تجارت کے لئے ہوگا کسی دنیاوی فائدے کے لئے رخت سفرباندھنے سے عبادت کے ثواب کی امید نہیں رکھی جاسکتی. مختصریہ کہ ہرعمل کی حقیقی تحریک کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے.

معاوضہ جائز نہیں:

اب جبکہ بات یہانتک پہنچ گئی ہے مناسب ہے عروۃ الوثقيٰ میں سید کاذکرفرمودہ مسئلہ.بیان کروں.پہلے عرض کیا جاچکاہے کہ اگرعبادت خوف عذاب یاطلب ثواب سے کی جائے تو صحیح ہے بشرطیکہ کسی معاوضے کے عنوان سے نہ ہو جیساکہ عموماً مستحب اعمال ہوتاہے. مختصریہ کہ ہروہ عمل جوکسی لین دین یامعاوضے کے لئے انجام دیاجائے عبادت نہیں معاملہ ہے اور اس کی صحت یقینی نہیں.

مثلاً ہم سنتے ہیں کہ کسی نے نماز جناب زہرا علیہا السلام اداکی تو اس کی مشکل اسان ہوگئی.تویہ تو مزدوری ہوگئی عبادت نہ رہی اور اس سے جوکچھ حاصل ہواثواب نہیں بلکہ مزدوری کامعاوضہ ہے جو حاجت روائی کی شکل میں ملا.اس کا خیال ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس سے قضائے حاجت کے بدلے میں دورکعت نماز کی خواہش یادرخواست کی ہے کیونکہ باالفاظ دیگروہ اس کی اا س ناچیز دورکعت کا محتاج ہے.

کس برتے پر؟:

خود کو اللہ تعالٰی کے مقابلے میں کسی چیزیا امر کا مالک سمجھنا سراسر جھوٹ اور خلاف واقعہ ہے.آپ کے پاس ہے کیا جو دینگے اور اس کے مقابلے میں اللہ تعالٰی سے معاوضہ طلب کرینگے.مثلاً اسی دو رکعت نماز کو لیجیئے جس کی ہم نے مثال دی ہے.آپ کھڑے ہوتے ہیں، جھکتے ہیں،پیشانی کو خاک پر رکھتے ہیں او رزبان سے ذکر کرتے ہیں.اچھا تو آپ کو پیدا کس نے کیا،آپ کے اعضاء کس نے بنائے اور کس نے انہیں تناسب واعتدال عطا فرما کر نوک پلک سے انہیںّت سنوارتا کہ آپ پوری سہولت وآسانی کے ساتھ حرکات نماز بجالاسکیں.اور آپ کے منہ میں ٹکائے ہوئے اس گوشت کے متحرک لوٹھرے کو کس نے گویائی عطا فرمائی.

حق بات یہ ہے کہ آپ کےپاس صرف ایک ارادے کے سوا کہ وہ بھی اسی کی توفیق پر منحصر ہے، کچھ بھی نہیں ہے.آپ کے پاس کیا ہے جو خدا کو دے کر اس کے بدلے میں کچھ طلب کرینگے.موجودات عالم کی ہر مرئی اور غیر مرئی چیزاس کی ہے.یہ ہاتھ جوآپ اس کے سامنے پھیلاتے ہیں یہ کس کا ہے.آپ کے سر سے لیکر پیر تک آپ کا سارا وجود اور آپ کے صفات وملکات عارضی ہوں یا مستقل،اسی کے عطا فرمودہ ہیں جنہیں اس نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے ارادے کا تابع بنادیاہے.آپ جب نماز کا ارادہ کرتے ہیں تو بڑی آسانی سے کھڑے ہوجاتے ہیں یہ کس نے آپ کے اس بوجھل وزن کو مسخرکیا ہے.

مقناطیس سے عجیب تر:

بوعلی سینا کا قول ہے کہ لوگ مقناطیس سے جوکہ سوئ کو کھینچ لیتاہے تعجب کرتے ہیں لیکن اس امر پر متعجب نہیں ہوتے کہ خدائے حکیم نے کس طرح اس بوجھل جس کو نفس ناطقہ کے تابع قرار دیاہے"الناس یتعجبون من جذب المقناطیس مثقالاً من حدید و لم یتعجوا من من النفس الناطقة هذا الهیکل العظیم".

کبھی تابوت برداروں میں شامل ہوئے میت کو اٹھانا شخص واحد کے بس کا روگ نہیں.اسے اٹھانے کے لئے چند اشخاص کا ہونا ضروری ہے.کیا ہے وہی جسم نہیں جو جب زندہ تھا تو جس طرح آپ چاہتے تھےپوری آسانی و سبکی سے حرکت کرتا تھا.

آپ کا ارادہ بھی خدا ہی نے آپ کو عطا فرمایاہے اور آپ خواست الٰہی کے خلاف کوئی خواہش کرہی نہیں سکتے (وَ ما تَشاؤُنَ إِلَّا أَنْ یَشاءَ اللَّه).

لہذا معاوضے یامبادلے کی بات نہ کریں.آپ حج کوجاتے ہیں پیسے خرچ کرتے ہیں لیکن یہ پیسے کس کے ؟خود آپ کس کے ہیں؟.

ناچیز کیا جھگڑتا ہے ناچیز کے لئے:

دنیا میں جو کچھ بھی ہے اللہ کا ہے. اس نے اپنے مصالح کی بناء پر شرع مقدس میں مالک و مملوک کے حقوق کی تعین فرمائی ہے ورنہ دینے والا اور لینے والا ہر اس چیز کا جس کا آپ حساب کرتے ہیں.بالآخر وہی ہے کیونکہ سب امور کی بازگشت اسی کی طرف ہے. (لاالی اللہ تصیر الامور) پس آپ کو اپنی عبادت میں معاملہ کرنے یا معوضہ کی طلب سے ہوشیار اور بازرہنا چاہئے کہ کیا کرایا خاک میں نہ مل جائے .یہ خیال نہ کریں کہ آپ نے مال دیا یا کام کیا اوراس میں اپنی طاقت صرف کی.یعنی کوئی چیزآپ نے ایسی دی جسے آپ اپنی ملکیت سمجھتے تھے.اور اب چاہتے ہیں کہ اس کا ماوضہ آپ کو ثواب کی شکل میں یا عذاب سے نجات کی صورت میں ملے.

یادرکھیں کہ انسان صرف ایک مشت خاک ہے جو امرو مشئیت الٰہی سے ایک محدود مدت تک کے لئے ایک مخصوص شکل وصورت میں مجسم ہے.اس عارضی مدت کا خیال نہ کریں.موت کے بعد ایک مدت گذر جانے کے بعد جب اس کی قبر کو اکھیڑا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ بدرستور مشت خاک ہی ہے.

وہ ہاتھ بہت قادر و توانا تھا جس نے اس مٹی کے پتلے کو جان دی ارو مشت خاک کو گیا وشنوا اور بینا و توانا بنایا اور آخر میں پھر اسے اپنی اصل خاک ہی کی طرف لوٹا دے گا. (مِنْها خَلَقْناكُمْ وَ فِيها نُعِيدُكُمْ وَ مِنْها نُخْرِجُكُمْ تارَةً أُخْرىٰ) آپ زیارت عاشورا یا جامعہ پڑھتے ہیں،اس حقیقت سے آپ کو خبردار رہنا چاہئے کہ ی زبان آپ کوت کس نے دی اور اسے آپ کے ارادے کا تابع فرمان بنادیا.جب ہم اختیاری افعال کے مقدمات پر غور کرتے ہیں تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی کہ کس ن ہمیں عقل و شعور عطاکیا ،اسباب زیست فراہم کئے ،توفیق عمل عطا کی اور موانع کو بر طرف فرمایا.

پس اول تو عمل کا معاوضہ ہی ممکن نہیں کیونکہ نہ ہمارے پاس مال ہی ہے اور نہ ہی اپنی ذاتی کوئی چیز ہے جس کا عوض وصول کریں بس ایک ارادہ ہے کہ وہ بھی اسی کی توفیق پر منحصر ہے.

کام کی اجرت ہے ہی کتنی؟:

اور پھر اگر بفرض عمل کی اجرت ناگزیر ہی تو آیئے دیکھیں ہمارا حق کتنا بنتا ہے.

کیونکہ اے نمازیو ،روزہ دارو،حاجیو،اگر آپ لوگوں کے عمل کا معاوضہ دیاجائے تو تمہارا کیا اندازہ ہے کہ وہ کتنا ہونا چاہئے.

یا اے شب زندہ دارو جوکہتے ہو کہ ہم ساری ساری رات عبادت می گذارتے ہیں اور بڑے فخر سے تہجد گذاری کی کیفیت بیان کرتے ہو تو ساری جاگ کر پہرہ دینے والے چوکیدار کی مزدوری جانتے ہو کتنی ہوتی ہے.

پس آپ ہی کے فیصلے کے مطابق کہ عمل کی مزدوری ملنی چاہیئے. اپنے عمل کی پورے حساب سے انصاف کے ساتھ اجرت لگا کر بتائیں کہ کیا بنتی ہے.آپ حج کو گئے ہیں تو اس کی کتنی اجرت آپ کو درکار ہے جبکہ اس زمانے میں حج کرکے آپ یقیناً مالی خسارے میں انہیں رہے ہوں گے.یا آپ نے روزہ رکھا ہے یعنی ظہر کا کھانا چند گھنٹے لیٹ کھایا ہے تو دنیا میں کئی ایسے لوگ ہیں جو روزے سے نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے کام میں اتنے مشغول ہوتے ہیں کہ صبح سے شام تک کچھ نہیں کھاتے پیتے اور سارا دن انہیں بھوک یا پیاس کا احساس تک نہیں ہوتا...

بد بخت ہے وہ انسان جو یہ سمجھ کر کہ اپنے کسی عمل کے بدلے وہ اللہ تعالیٰ سے معاوضے کا طلب گار ہے خودہی ترازو پکڑے اور حساب کتاب شروع کردے.

امید ثواب:

لہذا انسان کے عمل کا محرک اللہ کا اپنے فضل وکرم سے دیا گیا ثواب کا وعدہ ہونا چاہیئے.

صرف اسی صورت میں اس کا عمل عبادت شمار ہو سکتا اور اسے اجر کے قابل سمجھا جا سکتا ہے.

ہمیں اپنی عبادت کو درگاہ ایزدی میں انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ اس فہم وشعور کے ساتھ پیش کرنا چاہیئے کہ وہ ذات غنی غفور وکریم ہماری عبادت کی ہرگز محتاج نہیں ہے اور اس کی قبولیت صرف اس کے لطف کریم ارو فضل عمیم پر منحصر ہے.

انسان کو اللہ تعالیٰ کے حضور غرور وخودبینی سے بچنے کے لئے اپنے نفس کو انتہائی ذلیل کرکے اور خودپر پورے خشوع وخضوع کی کیفیت طاری کرکے پیش کرنا چاہیئے اور اس انداز سے سوچنا چاہیئے کہ وہ باگارہ بارگاہ لطف وکرم ہے اس نے وعدہ فرمایا ہوا ہے وہی وعدہ صادقہ میرے عمل کا محرک ہے اور اسی کی وجہ سے میں پرامید ہوں ورنہ میرا عمل ہرگز بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جانے کےلائق نہیں ہے میری حقیقت ہی کیا ہے کہ عمل کا دعوی کروں اور میرے پاس عمل ہی کیا ہے جس پرناز کروں کیا میں نے کوئی ایسا عمل کیا ہے جس پر میں فخر کرسکوں....؟

عاقل عمل پرنازاں نہیں ہوتا:

لہذااہل عقل کبھی اپنے عمل پر نازاں نہیں ہوتے وہ شخص انتہائی جاہل اور بے خرد ہے جو اپنے ناچیزخیر اعمال کو حسنات سمجھ کر ثواب کا حساب کرتا رہتا ہے ارو ساری عمر خود کو فریب اور خوش فہمی میں بتلا رکھتا ہے لیکن دنیا سے رخصت ہوتے وقت جب آفتاب حقیقت طلوع کرتا ہے تو اصلیت کھلتی ہے کہ جسے پہاڑ سمجھتا تھا تنکا بھی نہ نکلا اس روز سب پوشیدہ چیزیں ظاہر ہوجائیگی. (يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ).

جگنو اور ہیرا:

ایک شخص تاریک رات میں جنگل میں سفر کر رہا تھا دور سے اس کی نگاہ ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی وہ سمجھا کہ ہیرا ہے اور جا کر بڑی احتیاط سے اس نے اردگرد کی مٹی سمیت اسے اٹھا کر ایک ڈبیہ میں محفوظ کرلیا.دوسرے روز وہ شہر کے سب سے بڑے جوہری کے پاس گیا اور اسے کہنے لگا میرے پاس ایک بہت بیش قیمت ہیرا ہے میں اسے فروخت کرنا چاہتا ہوں.جوہری نے کہا اسے لے آؤ،اس نے جواب دیا،بڑی احتیاط کی ضرورت ہے بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ میرے مکان پر چلو.ناچار جوہری اس کے ساتھ گیا.اس نے پورے آداب ورسوم کے ساتھ ہیرے کی ڈبیہ کو صندوق میں سے نکالا. لیکن اسے کھولنے پر اس کے اندر مٹھی بھر خاک اور ایک کیڑے کے مردہ ڈھانچے کے سوا کچھ نہ پایا.وہ حیرت و تعجب کے ساتھ اپنے آپ سے پوچھتا تھا میرا ہیر کیا ہوا؟.

جوہری نے حقیقت واقعہ دریافت کی تو اس نے گذشتہ رات والا قصہ دہرا دیا.جوہری نے کہا بیوقوف انسان تو نے میرا سارا دن غارت کردیا.تو نے رات کو صرف ایک جگنو دیکھا تھا جسے ہیرا سمجھ کر تو نے اتنی پریشانی پیدا کی.

جو کل ہوگا کردار کا پیش نامہ:

اے عقلمند تو جس عبادت کو اللہ تعالٰی کی ضرورت سمجھ کر اس کے ساتھ معاملے کے چکر میں ہے.جب کل حقیقت روشن ہوگی تو تجھے اس سے ندامت اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا.

ملاحظہ ہو کہ پیشوایان دین کس طرح اللہ تعالٰی کے حضور عاجزی اور تذلل کا اظہار کرتے ہیں.دعائے حمزہ ثمالی میں سید سجاد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گذار ہیں:

"ومالانا یاسیدی وما خطری" پروردگار میں کیا شے ہوں کہ میرا عمل کوئی شے سمجھا جا سکے.

اے خدا ہمیں معرفت عطا فرما کہ حقائق امور کو سمجھ سکیں پیشتر اس کے کہ سمجھنا بے فائدہ ثابت ہو.

رکن پنجم

تضرع

مجلس30

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحیم أَخَذْنا أَهْلَها بِالْبَأْساءِ وَ الضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُون

تضرع کیفیت استعاذہ کالازمہ ہے:

ارکان استعاذہ میں سے پانچواں رکن تضرع ہے بعض اوقات استعاذہ کا تقاضا ہوتاہے کہ انسان میں تضرع کی کیفیت پیدا ہو کیونکہ اس کے بغیر استعاذہ بے حقیقت رہتاہے.

تضرع کا معنی ہے اپنی ذلت و مسکنت اورناتوانی و بے چارگی کو آشکار کرنا اور استعاذہ کا معنی جیساکہ ہم ابتداء بحث میں بیان کرچکے ہیں، انسان کا ایسے دشمن سے فرار کرنا ہے جوہر لحظہ اس کے تعاقب میں ہے اور وہ نہ تو اس کے مقابلے کی طاقت رکھتاہے اور نہ اس کے حملوں سے اپنا دفاع ہی کرسکتاہے لہذا ناچارہ کسی ایسی ہستی سے پناہ طلب کرتاہے جو اس دشمن کو دفع کرنے اور اس کے شرکورفع کرنے کی قوت وقدرت رکھتی ہے.اس حالت میں اس کی ناتوانی اوربے چارہ گی اس بچے کی سی ہوتی ہے جس کے تعاقب میں زہرملا سانپ ہواور وہ چیختاچلاتا بھاگ کر اپنی شیفق ماں کے بازووں میں پناہ گزین ہوتاہے.اسی حالت و کیفیت کانام استعاذہ ہے.

لہذا جب انسان سمجھ لیتاہے کہ شیطان ملعون جواس کاطاقتور وجانی دشمن ہے اس پر حملہ آور ہواچاہتاہے اور وہ اکیلا اس کے شر سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتاتو توانا چارنالہ وفریاد کرتاہوا اپنے قادر وتوانا او رمہربانت خداکی طرف متوجہ ہوتاہے اوردل وزبان سے پکارتاہے کہ اے پروردگار فریاد ہے اس دشمن سےجو خونخوار کتے کی طرح بھونکتاہوا مجھ پرلپک رہاہے."واغواثاہ من عدوقداستکلب علی"(عائے حزین حاشیہ مفاتیح الجنان).

ماثوردعاؤں کے ذریعے کیفیت تضرع کابیان:

جب بھی کبھی اللہ تعالیٰ کے حضور شرشیطان ملعون سے پناہ طلبی کی صورت پیداہوتی ہے تو تصرع کی مناسبت اپنی تمام تر اہمیت کے ساتھ دعاہائے واردہ کی شکل میں روشن ہوجاتی ہے ان دعاؤں میں سے ایک دعائے دفع شرابلیس ہے جو اس طرح ہے:

"اللهم إن إبليس عبد من عبيدک يرانی من حيث لا أراه و أنت تراه من حيث لا يراک و أنت أقوى على أمره كله و هو لا يقوى على شيء من أمرک اللهم فأنا أستعين بک عليه يا رب فإنی لا طاقة لی به و لا حول و قوة لی عليه إلا بک يا رب اللهم إن أرادنی فأرده و إن كادنی فكده و اكفنی شره و اجعل كيده فی نحره برحمتک يا أرحم الراحمين و صلى الله على مُحَمَّد و آله الطاهرين "پروردگار ابلیس تمرے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جو ایسے مقام سے میری تاک میں ہے کہ میں اسے نہیں دیکھ سکتا لیکن تو اسے خوب دیکھ رہا ہے جبکہ وہ تجھے دیکھنے پر قادر نہیں.اس کے حملہ تصرفات پر تیری قوت گرفت ہے جبکہ وہ تیرے کسی کام میں دخل اندازی نہیں کرسکتا.اے اللہ پس میں اس کے خلاف تجھ سے مدد کا طالب ہوں اے پروردگار مجھ میں اس کے دفیعئے کی کوئی استطاعت نہیں ہے مگر صرف تیرے وسیلے سے.اے اللہ اگر وہ میرا قصد کرے تو تو اس کا قصد فرما، اگروہ میرے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو تو اس پر عذاب نازل فرما اور مجھے اس کے شر سے نجات دے اور اس کی دشمنی کو اسی کی گردن پر سوار کردے.میں ہوں تیری رحمت کا طالب .اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے . و صلی اللہ علی محمد و آلہ الطاہرین).

خدا اپنے بندوں کے لئے کافی:

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی شخص پورے تضرع کے ساتھ(یعنی خود کو واقعی اللہ تعالٰی کے حضور زار وذلیل کرکے پیش کرے اور صرف اسی سے مدد چاہے اور اسی کو نجات دہندہ مان کر نجات کا طالب ہو اور)اسی پروردگار توانا و مہربان سے شیطان ملعون کے شر سے پناہ مانگے تو وہ ضرور اسے پناہ دے گا اور اپنے حفظ وامان میں رکھے گا.

اس کی پناہ حاصل ہوجانے سے نجات یقینی ہوجاتی ہے.چانچہ وہ خود ارشاد فرماتاہے: (أَ لَيْسَ اللَّهُ بِكافٍ عَبْدَه) کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے.

آثار تضرع:

نادیدہ شیطان سے فرار: اگر کہاجائے کہ انسان بے چارہ تو شیطان کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور اسے پہچانتا ہی نہیں اروت اس کے حملے کی کیفیت سے بے خبر اور اس کے انداز شر انگیز سے ناواقف ہے تو پھر اس کے لئے کیسے ممکن ہے کہ اس سے فرار کرسکے اور اس سے بحضور پروردگار استعاذہ یا تضرع کرسکے اس سارے اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس دشمن کی پہچان نہ ہوا اس سے فرار معقول ہی نہیں ،تضرع یا پناہ طلبی کا توذکر ہی کیا؟!

علامات سے دشمن کی پہچان:

جواب اس کا یہ ہے کہ دشمن کو پہچاننا اور اس کے وجود سے خبردار ہونا صرف اسے آنکھ سے دیکھنے ہی پر منحصر ہے.بلکہ قطعی علامات کے ذریعے اس سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے مثلاً اگر اندھیرے میں ایک سمت سے انسان کے سروچہرہ پر پتھر آکر لگیں یا اس پر تیروں کی بوچھاڑ ہو تو اسے خوب معلوم ہوتا ہے کہ دشمن گھات میں بیٹھا ہوا اس کی جان ومال کے درپے ہے.

ایسے موقع پر دشمن کی موجودگی کی تحقیق سے پہلے انسان فوری طور پر کسی پناہ گاہ کی فکر کرتا ہے، اگر کوئی مکان نزدیک ہو تو اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، صاحب خانہ سے مدد اور پناہ کی درخواست کرتا ہے اور خود کو مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر پورے عجزونیاز کے ساتھ دشمن کے خلاف اس سے اعانت وحفاظت چاہتا ہے. لہذا اگر کوئی شخص شیطان کے حملے او رضرر رسانی کے اندیشے کو محسوس کرے تو ہرچند کہ اسے دیکھ نہ سکے، اسے پناہ گاہ کی فکر کرنی چاہئے.

شیطانی حملے:

اگر یہ کہا جائے کہ نہ صرف یہ کہ شیطان خود غیر محسوس ہے بلکہ اس کے حملے یا وار بھی تو نظر نہیں آتے تو جو شخص دشمن کے وارہی کا احساس نہ کرسکے، کیسے اس سے فرار کرسکتا ہے یا کسی دوسرے سے اس کے شر سے پناہ مانگ سکتا ہے؟

تو جواب یہ ہے شیطان کے حملے غیر محسوس نہیں بلکہ وہ ان وسوسوں، ایمان شکن شکوک اور اندیشہ ہائے ناروا کی شکل میں پوری طرح سے قابل احساس وشناخت ہوتے ہیں جو وہ انسان کے قلب پر شب وروز وارد کرتا ہے اور کسی لحظہ بھی اس عمل سے غافل نہیں ہوتا.

لطیفہ:

کسی نے ایک دانا سے پوچھا کیا شیطان بھی انسانوں کی طرح سوتا ہے تو اس نے جواب دیا اگر ایسا ہوتا تو کم ازکم اپنی نیندہی کے دوران انسان سے غافل رہتا اور انسان اس وقفے میں اس کے شر سے محفوظ رہتا. لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے شرو فریب سے محفوظ نہیں، پس وہ نیند یا غفلت سے آزاد ہے (علمی جواب اس کا یہ ہے کہ شیطان عالم مادہ سے نہیں کہ اسے نیند کی حاجت ہو.مذکورہ بالا جواب محض ایک لطیفے کے طور پر دیا گیا ہے).

شیطانی حملے کی علامت:

اگر کہا جائے کہ انسان کیسے جان سکتا ہے کہ فلاں وسوسہ یا اندیشہ شیطانی ہے اور اس کے شر کی کمان سے چھٹا ہوا تیر ہے جو سیدھا اس کے دل پر آکر لگا ہے تاکہ وہ نالہ وفریاد کرتا ہو اللہ تعالیٰ کے حضور پناہ طلب ہو.

توجواب یہ ہے کہ اصولی طور پر وہ اندیشہ یا وسوسہ جس کا تقاضا اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق اور خدا ورسول ﷺ اور آخرت کے بارے میں شک ہوا اور نتیجہ اس کا اضطراب قلبی ہو،یقیناً شیطانی ہے،اور اس کے مقابلے میں ہر خیال اور فکر جس کا اثر امید برخدا،حیات جاودانی پر ایمان پختگی اور اطمینان قلبی ہو،بہر حال رحمانی ہے.نیز ہر وہ وسوسہ بھی جو اللہ تعالیٰ سے دوری،ثواب سے محرومی اور قہر عذاب الٰہی کے ورد کے بارے میں ہو،یقیناً شیطانی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ہر وہ فکر جو قرب خداوندی کا احساس دلائے اور ثواب کی امید پیدا کرے،خالصتاً رحمانی ہے.

رحمانی فکر:

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے دل پر شب وروز وارد ہونے والے افکار وخیالات کہ جس سے پیدا شدہ شوق وارادہ یا حوصلہ شن تاثیر سے عمل صورت پذیر ہوتا ہے.تین قسم کے ہیں:پہلی قسم وہ ہے جس کے متعلق انسان کو یقینی علم ہوتا ہے کہ وہ رحمانی ہیں.مثلاً نماز کے وقت اس کا دل سے کہتا ہے کہ نماز ادا کریا جب کوئی موقعہ خرچ کرنے کا آتا ہے تو اس کے دل میں آتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کر بخل نہ کر،صلہ رحم کر جو تیرے پاس سائل بنکر آتا ہے اسے محروم نہ کر اور جس قدر جلد ممکن ہو اس کی حاجت پوری کر.فلاں فلاں سے جنہوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے درگذر لین دین میں انصاف کر کمزوروں کی دستگیری کرو غیرہ.قصہ مختصر ہر وہ امر جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے،رحمانی ہے.

شیطانی فکر:

دوسری قسم وہ ہے جن کے شیطانی ہونے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی او رپہلی قسم کی عین ضد ہوتے ہیں.ان میں وہ سب اندیشے اور وسوسے شامل ہیں جو عقل وشرع کے منافی ہوں مثلاً خدا کی راہ میں خرچ کرتے وقت وہ مال کی کمی اور فقر سے اندیشہ ناک ہو (الشَّيْطانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْر) یا اس کے دل میں یہ اندیشہ آئے کہ کیا ضروری ہے کہ اسی ایک موقعے پر خرچ کیا جائے ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ اہمیت دلا کوئی موقعہ آجائے.یا خیال کرے کہ یہ خرچ فلاں شخص پر زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہ مجھ سے مالدار تر ہے یا اسے کسی سے کوئی تکلیف پہنچے تو انتقاماً اسے اس سے کئی گنا زیادہ اذیت دینے کا ارادہ کرے،اگر اپنے کسی عزیز سے اسے رنج پہنچے تو اس سے قطع تعلق کرے یا اگر وہ سنے کہ کسی نے اس کی چغلی کھائی ہے اور اس کے کسی غیب کو ظاہر

کیاہے تو اس کے جواب میں وہ اس کے جملہ عیوب کو جو اس کے علم میں ہیں فاش کرکے اس کی فضیحت کاسامان کرے حتی کہ اس پر تہمت لگانے سے بھی نہ چوکے اورگر اس کے دل میں کسی کے لئے حسد جاگزین ہوجائے تو اس کی تمام خوشیاں اس سے چھین جانے کے لئے سازشیں کرے۔

مجموعی طور پر انسانی معاملات میں شیطانی افکار دخل حدوحساب سے زیادہ ہے جنہیں شرع مقدس کے اوامر ونواہی کا عالم شخص پوری تفصیل سے جانتاہے۔

غور طلب افکار:

تیسری قسم کے افکار وہ ہیں جو واضح طور پر شیطانی نہیں ہو تے لیکن ان کا شیطانی ہونا اس وقت ثابت ہوتاہے جب ان کے ہاتھوں انسان ہلاکت میں گرفتار ہوچکا ہے۔

اس قسم کے افکار سے شیطان کا مقصد انسان کو یادخدا سے غافل کرنا ہوتاہے۔وہ انہیں حالت نماز یادوسری عبادت کےدوران انسان کےدل پر وارد کرتاہے تاکہ وہ حضور قلب سے محروم ہوجائے اور بعض اوقات توانسانی نفس میں اتنا نفوذ کرجاتاہے کہ اس کا وہ عمل ہی شیطان کی بازی گاہ بن جاتاہے اس کی وضاحت کے لئے یہ حکایت پیش کی جاتی ہے۔

شیرفروش شیخ چلی:

کہتے ہیں ایک شیر فروش دودھ سے بھراہوا مٹکا سرپر رکھ کراپنے گاوں سے شہرکی طرف جارہاتھا۔اس نے سوچاکب تک اس مصیبت میں پڑا رہوں گا آج سے جوکچھ بیچونگا روزانہ اس میں سے فلاں مقدار پس انداز کرونگا حتی کہ فلاں مہینے میں میرے پاس فلاں قدر رقم جمع ہوجائے گی چند مہینوں کےت بعد ایک بھیڑخریدوں گا اور اس کے دودھ اور اون کی فروخت سے ایک اور بھیڑ خریدوں گا۔ان کی نسل بڑھےگی اور فلاں مدت میں میرے پاس بھیڑوں کا پورا گلہ ہوجائے گا۔اس گلے کو میرابیٹا جنگل میں چرانے کے لئے جایاکرے گا۔فلاں جگہ پر ممکن ہے کسی روزاس کاکسی شخص سے جھگڑاہوجائے اگر اس نے میرے لڑکے سے زیادتی کی تو میں اسے ضرور سزادونگا اس تصور میں اس نے اپنے بیٹے کے موہوم حریف کومارنے کے لئے اپنے ہاتھ بلند کئے جودودھ کے مٹکے سے ٹکرائے اور وہ گرِکر چکنا چور ہوگیا اور سارا دودھ ضائع ہوگیا۔

ماضی یا مستقبل کا دکھ:

بعض اوقات شیطان کسی گذشتہ حادثے کے تلخ یاد انسان کے دل پر وارد کرتا ہے تاکہ اسے رنجیدہ کر کے اللہ تعالیٰ کی مشئیت پر اسے غضبناک کرے اور اسے صبر و رضا کے مقام سے محروم کردے۔

اور اس کے بدتر یہ کہ اسے مستقبل کے بارے میں غم انگیز افکار و وساوس میں بتلاء کردیتا ہے مثلاً کہ کل کیا ہوگا شاید یوں ہوجائے یا یوں ہوجائے اب میں کیا کروں.نہ اسے نماز اچھی لگتی ہے اور نہ کوئی اور عمل خیر! لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ عین ممکن ہے کہ یاس وقنوطیت کی یہ حالت ختم ہونے سے پہلے ہی اسے موت آجائے اور وہ ترک واجب کا مجرم ہو کر دنیا سے رخصت ہو.اس قسم کے وسوسے بعض اوقات انسان کو ابدی ہلاکت کے گڑھے میں جھونک دیتے ہیں.

حسرتناک:

چند سال ہوئے ایک شخص نے ایک قطعہ زمین جو اس نے تین روپے فی میٹر کے حساب سے خریدا تھا،تیس روپے فی میٹر کے حساب سے بیچا ،چند دن کے بعد خریدار نے اس زمین کو نوے روپے فی میٹر کے حساب سم بیچ دیا جبکہ نئے خریدار نے چند روز بعد اسی زمین کو تین سو روپے فی میٹر کے حساب سے فروخت کیا.

زمین کا اصل مالک شیطانی وساوس کا شکار ہوگیا ارو خود کو ملامت کرنے لگا بیچنے میں جلدی کیوں کی.اگر صرف چند روز صبر کرتا تو زمین دس گنا قیمت یمں بکتی.

اسی غم میں ایک ہفتہ رو دھو کر آخر کار اس نے چونا اور گندھک کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا.

ایک دوسرے شخص نے اپنی ساری جائداد بیچ کر دو لاکھ پچاس ہزار روپے میں ایک دوسری جائداد خریدلی.قبضہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ دھوکہ ہوا کیونکہ نئی جائداد نمکی ثابت ہوئی اور کوئی اسے نصف بلکہ تہائی رقم پر بھی خرید نے کو تیار نہ ہو انتیجتاً وہ شخص حسرت واندہ کا شکار ہوگیا.

غم فردا:

تیس سال ہوئے شیراز کا ایک تاجر دیوالیہ ہوگیا ارو اس غم میں اس نے گھر سے باہر آنا چھوڑدیا جو کچھ اثاثہ اس کے پاس تھا آہستہ آہستہ اسے بیچ کر گذارا اوقات کرنے لگا .ایک دن اس فکر میں پڑا گیا کہ اگر یہی حالت رہی تو کتنے دن اور میرا رزق چلے گا جو کچھ باقی موجود تھا اس نے اس کی قیمت لگائی اور اسے روزانہ کے خرچ پر تقسیم کیا تو معلوم ہوا کہ اس سے بمشکل تین سال گذر سکتے

ہیں. سوچنے لگا تین سال کے بعد کیا ہو گا یقیناً مجھے گداگری کرنی پڑے گی، میں نے ساری عمر تجارت کی اور عزت و شرافت کی زندگی گذاری، اب جانے پہچانے لوگوں کے سامنے ہاتھ کیسے پھیلاوں گا.

آخر کار شیطانی افکار و وساوس سے مغلوب ہو کر اس نے زہر کھا کر خودکشی کرلی.

اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں اور جتنا کچھ بیان کیا جاچکا ہے عبرت گیری اور قلب انسانی شیطان کے حملوں اور ضربات کی تباہ کاریوں کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے.

عام طور پر سنتے ہیں کہ فلاں طالبعلم نے امتحان میں فیل ہو کر خودکشی کرلی یا فلاں نوجوان مقابلے میں شکست کھا کر دماغی توازن کھو بیٹھا.

اگر کہا جائے کہ انسان ابلیسی وساوس اور اس کے حملوں کی مقاومت کی تاب نہیں لاسکتا اور اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود ان سے محفوظ رہتا، اس کے بس کا روگ نہیں. لہذا وہ معذور ہے.

ہم کہتے ہیں کہ یہ کمزوری یا عدم استطاعت اللہ تعالٰی پر عدم ایمان یا قلت ایمان کیوجہ سے ہے. ایسے شخص کو اس کی رازقیت مطلقہ میں یقین حاصل نہیں جو بےحد و حساب نعمتیں اس کو عطا کی گئی ہیں انہیں تو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتا ہے لیکن ان کے لئے اللہ تعالٰی کا شکرگذار ہونے کی بجائے کفران نعمت کرتا ہے. سبب کو تاثیر میں مستقل مانتا ہے اور اللہ تعالٰی پر توکل کرنے کی بجائے اسباب ہی پر بھروسہ کرتا ہے اور موت اور فنا سے غافل ہے.

فرشتہ مقابل شیطان:

لیکن اگر ایک طرف شیطان انسان کے دل میں ایمان شکن وسوسے ڈالتا ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور فرشتہ رحمت افکار رحمانی بھی اس کے دل میں القاء کرتا ہے۔یقیناً اگر شیطان کسی انسان کو کہتا ہے کہ خودکشی کرلے ،دینا کی مصیبتوں سے نجات پالے گا۔تو فرشتہ بھی اسے کہتا ہے ایسا نہ کر بدبخت ہوجائے گا اور اپنی عاقبت برباد کرے گا۔لیکن جس شخص نے ساری عمر شیطان کی اطاعت کی ہو اس پر رحمانی ترغیبات اثر نہیں کرسکتیں۔ (أُولئِكَ يُنادَوْنَ مِنْ مَكانٍ بَعِيد) شیطان کے حملے کی ایک اور قسم وہ افکار ہیں جو ابتداء میں خیر خوبی کے حامل نظر آتے ہیں لیکن نتیجہ ان کا شر و ہلاکت ہوتا ہے۔مثلاً انسان کے دل میں کوئی مستحب امر ڈالتا ہے تاکہ اس سے کوئی واجب فوت ہوجائے یا فعل حرام سرزد ہوجائے اور یا فعل حرام یا گناہ کو عبادت و اطاعت کی شکل میں اس کے سامنے پیش کرتا ہے جسے وہ کرگذرتا ہے اور یا پھر اسے کسی واجب پر آمادہ کرتا ہے لیکن خود اس پر سوار رہتا ہے حتی کہ ریاء اور غیرور کو اس کے عمل داخل کرکے اسے اس کے گناہوں کا حصہ بنادیتا ہے۔

چونکہ اس طرح کے شیطانی ہتھکنڈے بہت خفیہ اور پوشیدہ ہوتے ہیں اور انسان عموماً ان میں گرفتار ہوجاتا ہے اس لئے ان کا جاننا بہت ضروری ہے وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

1- نہی عن المنکر میں ارتکاب منکر:

ایک شخص کسی کو قبلہ روپیشاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے بجائے اس کے کہ یہ سمجھے کہ ممکن ہے اسے اس عمل کہ حرمت کہ علم نہ ہو یا عین ممکن ہے کہ اسے صحیح سمت کا اندازہ نہ رہا ہو اور اسے اخلاق کے ساتھ مہذب انداز میں سمجھا جائے کہ روبقبلہ یا پشت بقبلہ پیشاب کرنا حرام ہے اور اگر اسے سمت کا ندازہ نہ تو صحیح سمت بتائے الٹا شیطان کی انگیخت سے اسے ڈانٹنا شروع کردے خوش خلاقی سے پیش آنے کی بجائے اس کے ساتھ بداخلاقی کرے اور بجائے اس کے کہ اسے سمجھا جائے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے چھینٹے اڑ کر لباس کو نجس کردیتے ہیں ،یہ کہے کہ کتے کی طرح کیوں پیشاب کررہا ہے ت یاڈانٹ ڈپٹ یا بدزبانی اور گالی گلوچ کے ساتھ اس سے مخاطب ہو تو گناہ کبیرہ کا مجرم ہوگا او رنہی عن المنکر کرتا کرتا خود منکر کا مرتکب ہوجائیگا۔

2- اولاد کی دینی تربیت:

ایک شخص کا بیٹا نماز نہیں پڑھتا۔اس کا سب سے پہلے یہ فرض ہے کہ اسے نصیحت کرے اور نرمی اور شفقت سے اسے نماز پر آمادہ کرے اور اگر ابتداء ہی سے اس نے انہیں ڈانٹ ڈپٹ شروع کردی ،جسمانی سزادی یا گھر سے نکال دیا،یا اس کا خرچ بند کردیا

تو وہ چوری کرنے لگے گا اور آوارہ واوباش لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا.ایسی صورت میں باپ گناہ گار ہوگا بلکہ عبادت اور نہیں عن المنکر کے نقطہ نگاہ سے گناہ کبیرہ کا مجرم ہوگا.

3- ریاکارانہ تلاوت:

ایک شخص کی آواز اچھی ہے اور تجوید کے اصول کے مطابق خوش الحانی سے تلاوت کرتا ہے.شیطان اسے اکساتا ہے کہ کہ باآواز بلند پڑھ تاکہ لوگ زیادہ مستفید ہوں اور طرفین کوثواب حاصل ہو.لیکن چونکہ اس کہ یہ تلاوت شیطان کی اکساہٹ کی وجہ سے ہے اور وہ تلاوت کے دوران اس کے نفس پر سوار رہتا ہے لہذا بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالٰی کی قربت جوئی کے لئے تلاوت کرے، اپنی خوش آوازی کی نمائش اور لوگوں کی تحسین وآفرین سے لذت اندوزی کے لئے قرآن پاک پڑھتا ہے.اس طرح نہ صرف وہ ایک نہایت مستحب عمل کے ثواب سے محروم ہوجاتا ہے بلکہ شیطان کی انگیخت پر ریا،کامرتکب ہوکر گناہگار و مردود ہوجاتا ہے.

4- منبر ومحراب ـــ بازی گاہ ابلیس:

ایک شخص علوم دینی سے بہرہ مندہے.شیطان اسے تلقین کرتا ہے کہ قلم کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی کراور مشکل سوالات کے جواب دے. لیکن اس کے دل میں شہرت طلبی اور اپنے علم کی نمائش کاداعیہ پیدا کردیتا ہے.وہ کتاب لکھتاہے جو یقیناً ایک دینی خدمت ہے لیکن اللہ تعالٰی کے حضور اس کی خدمت قطعا ناقبول ہے اور اس کی عاقبت کے لئے مضر ہے.

ایک دوسرے عالم سے جو اہل نطق و بیان ہے، ابلیس کہتاہے کہ محراب ومنبر بنی اور امام کامقام ہے اور تو انہیں کاجانشین ہے.تجھے چاہیئے کہ دنیاکی راہنمائی کرے،انہیں نماز اور دیگر عبادات کے ثواب سے آگاہ کرے اور خدا ترسی، تقویٰ اور توکل پر آمادہ کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے نفس میں جاہ طلبی مال اندوزی ،مرید سازی اور دنیا کی تحسین وآفرین کی محبت راسخ کردیتاہے .اس طرح جوں جوں محراب ومنبر میں اس کی دلچسپی میں اضافہ ہوتاہے،توں توں اس کے درجات میں تنزل واقع ہوتاہے اور نتیجتاً مبری کی سیڑھیاں ہی اس کے لئے درکات جہنم بن جاتی ہیں.اور محراب اس کے لئے دوزخ کا گڑھاثابت ہوتاہے.

5- زن بیگانہ کے ساتھ خلوت:

نامحرم عورت سے تنہائی میں ہر قابل تصور گناہ ممکن ہے شیطان ہمیشہ اس موقعے کی تاک میں رہتاہے کیونکہ یہ صورت حال انسان کی تباہی کی کوششوں میں کامیابی کے لئے اس کی بڑی معاون ثابت ہوتی ہے اور وہ اسے حرام وہلاکت میں مبتلا کئے بغیر نہیں چھوڑتا.

انسان کو سمجھنا چاہیئے کہ نامحرم کے ساتھ خلوت جہاں فساد کا اندیشہ ہو قطعا حرام ہے خواہ وہ عبادت ہی کے لئے یکجا ہوں. ایسی صورت میں ان کی نماز بھی باطل ہے.

اجنبی عوت کے ساتھ خلوت کے فساد کو سمجھنے کے لئے مجلس ہشتم میں داستان برصیصائے عابد پر غور کریں.

خیر و شر کا میزان شرع مقدس ہے:

اگر کہا جائے کہ اس طرح تو کسی بھی فکر پر جو انسان کے دل میں گذرے عمل نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ شیطانی ہو. یا اگر وہ رحمانی بھی ہو تو بھی احتمال ہے کہ وہ انسان کے نفس پر تسلط پاکر اس کے عمل کو فاسد کرکے اسے گناہ بنادے.

جواب یہ ہے کہ ان گذارشات کا مقصد خدانخواستہ یہ نہیں ہے کہ اعمال صالحہ اور عبادات و اطاعت خداوندی کو ترک کیا جائے بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ شر شیطان سے اللہ تعالٰی کے حضور استعاذہ کی حالت و کیفیت پیدا کی جائے. اس مطلب کی وضاحت کے لئے یہ کہنا ضروری ہے کہ ہر وہ فکر جو انسانی دل پر وارد ہوا سے میزان شریعت میں تولنا چاہیئے اگر امر خدا کے مطابق ثابت ہو تو پھر وسوسہ شیطانی سے خبردار رہ کر خالصتاً اللہ تعالٰی کی رضاجوئی کے لئے اسے انجام دینا چاہیئے. یہ بہت ضروری ہے کیونکہ شیطان ہمیشہ انسان کی گھات میں ہے وہ کبھی گوارا نہیں کرسکتا کہ وہ عبادت کے ذریعے اللہ تعالٰی کا قرب حاصل کرسکے.

علاج استعاذہ حقیقی ہے:

اس کا علاج صرف یہ ہے کہ شیطان سے دوری اور فرار اختیار کیا جائے اور اللہ تعالٰی کے حضور اس کے شر سے پناہ طلب کی جائے. لہذا انسان پر لازم ہے کہ ہر عمل خیر کی ابتداء میں خواہ وہ مستحب ہو یا واجب تہ دل سے استعاذہ کرے اور اعوذباللہ من الشیطان الرجیم" اس طریقے سے کہے کہ دل بھی پورے طور پر زبان کے ساتھ ہمنوا ہو. خلاصہ یہ کہ خوش انجام علم جس کے شرعی ہونے کے بارے میں انسان کو پورا یقین ہو، فوری طور پر بلاپس وپیش انجام دینا چاہیئے لیکن دوران عمل میں شر شیطان سے اللہ تعالٰی کے حضور پناہ طلبی جاری رہے تاکہ عمل کا صحیح طریقے سے سرانجام ہو اور اللہ تعالٰی کے قربت اور ثواب آخرت حاصل ہو.

قرآن مجید میں شیطان کی پہچان:

پروردگار عالم نے قرآن میں کئی جگہ شیطان کو انسان کے دشمن کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے اور انسان کو اس کے مکروفریب سے خبردار کرکے اسے اس دور رہنے اور اسے اپنا دشمن سمجھنے کی ہدایت فرمائی ہے

إِنَّما يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَ الْفَحْشاءِ وَ أَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ ما لا تَعْلَمُونَ

وہ بس تمہیں بد عملی اور بدکاری کا حکم دیتا ہے اور اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ خدا کے خلاف جہالت کی باتیں کرتے رہو۔

(ِ أَ فَتَتَّخِذُونَهُ وَ ذُرِّيَّتَهُ أَوْلِياءَ مِنْ دُونی وَ هُمْ لَكُمْ عَدُو) کیا تم لوگ مجھے چھوڑ کر شیطان اور اس کی اولاد کو اپنا سرپرست بنا رہے ہو جب کہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔

(إِنَّ الشَّيْطانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا) بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اسے دشمن سمجھو۔

(أَ لَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يا بَنی آدَمَ أَنْ لا تَعْبُدُوا الشَّيْطانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبينٌ) اے اولاد آدم کیا ہم نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لیا تھا کہ خبردار شیطان کی عبادت نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

لہٰذا جو شخص خدا و رسول ﷺ اور قرآن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے شیطان کی دشمنی کو اپنی ذات پر واجب سمجھے اور اس کی دوستی کو مہلک جانے۔

ان بیانات سے بخوبی واضح ہے کہ شیطان کی دوستی سے مراد اس کی وسوسہ اندازی اور اس کے احکام کی تعمیل ہے اور اس کی دشمنی سے مراد اس کی جملہ انگیختیوں کی مخالفت اور اس کے احکام و وساوس سے سرکشی ہے۔

شیطان کی مخالفت بہت مشکل کام ہے:

چونکہ شیطان کی انگیختیں اور اس کے احکام ووساس انسان کی نفسانی خواہشات، اس کے فطری تقاضوں اور حیوانی شہوات کے مطابق ہوتے ہیں اس لئے ان کی مخالفت سخت مشکل اور نفس پربڑی ناگوار ہوتی ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص شہد کا بہت رسیا ہو اور شہد اس کے پاس موجود بھی ہو۔ لیکن جب وہ اسے کھانا چاہئے تو ایک حاذق حکیم جو اتفاقاً وہاں موجود ہے اسے بتائے کہ شہد اس کے لئے مضر ہے اور اس سے پرہیز کرنے کی ہدایت کرے لیکن کوئی دوسرا شخص کہے کہ یہ کہاں کا طبیب ہے اور کیسی اس کی تشخیص ہے کہ شہد سے منع کرتا ہے۔

در اصل وہ شہد کے بارے میں تم سے حسد کرتا ہے۔ میرے خیال میں شہد تمہارے لئے نعمت سے کم نہیں ...وغیرہ.. تو ایسی صورت میں طبیب کی باتوں پہ کون کان دھرے گا۔

یا کوئی جوان آدمی کسی بیگانہ جوان عورت کے ساتھ آزادانہ خلوت میں بیٹھا ہو اور ادھر سے شیطان ملعون بھی دونوں کو فعل حرام کی ترغیب و تحریض میں اپنی قوت صرف کررہا ہو تو ایسی حالت میں شیطان کی مخالفت اور فکر رحمانی کی پیروی بہت مشکل کام ہے۔

عمر سعد اور شیطانی ورحمانی فکر:

چنانچہ عمر بن سعد نے جو سخت دنیادار اور حکومت وریاست کا لالچی تھا شیطانی فکر کو کہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کے عوض رے کی حکومت ملے گی، انسانی شیطان عبیداللہ ابن زیاد کے ذریعے قبول کرلیا لیکن رحمانی فکر یعنی سیدالشہداء کے ساتھ جنگ سے باز رہنے کو جیساکہ اس کے باپ سعدوقاص کے دوست کامل کے ذریعے اسے اشارہ ہوا، قبول نہ کیا(کتب مقاتل میں اس کی تفصیل موجود ہے)اور اس کی نصیحتوں کو جو اس کے اپنے میلان طبع کے خلاف تھیں رد کردیا.

شیطان کاکام شہوات پر اکسانا ہے:

جس طرح بھوکا کتا اس جگہ کو نہیں چھوڑتا جہاں مردار اور ہڈیاں ہوں اسی طرح وہ دل جس میں حب دنیا اور شہوات نفسانی کی گندگی ہوگی شیطان اسے نہیں چھوڑے گا. اور اس سے صحت واخلاص کے ساتھ کوئی عمل سرزد نہیں ہونے دے گا.

ہمارے اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی ہلاکت کاباعث اس کی ہوائے نفس ہے اور شیطان کاکام یہ ہے کہ اس کی تکمیل وتعمیل پر اسے اکسائے اور اس کے شوق ورغبت میں شدت پیدا کرے.

(وَ قالَ الشَّيْطانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَ ما كانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطانٍ إِلاَّ أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لى فَلا تَلُومُونى وَ لُومُوا أَنْفُسَكُمْ ما أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ ما أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ إِنِّی كَفَرْتُ بِما أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمينَ لَهُمْ عَذابٌ أَليمٌ) روز حشر جب سب فیصلے ہوچکیں گے(اور شیطان تمام امور کا فیصلہ ہوجانے کے بعد کہے گا کہ اللہ نے تم سے بالکل برحق وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی ایک وعدہ کیا تھا پھر میں نے اپنے وعدہ کی مخالفت کی اور میرا تمہارے اوپر کوئی زور بھی نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے اسے قبول کرلیا تو اب تم میری ملامت نہ کرو بلکہ اپنے نفس کی ملامت کرو کہ نہ میں تمہاری فریادرسی کرسکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو میں تو پہلے ہی سے اس بات سے بیزار ہوں کہ تم نے مجھے اس کا شریک بنا دیا اور بیشک ظالمین کے لئے بہت بڑا دردناک عذاب ہے.

مختصر یہ کہ انسان کی ہلاکت میں شیطان کے عمل دخل کابڑا سبب انسان کی اپنی نفسانی خواہشات ہیں.

دوسرے الفاظ میں انسان کا داخلی دشمن یعنی اس کا نفس اور اس کا خارجی دشمن شیطان دونوں مل کر انسان کو بے بس اور مجبور کردیتے ہیں.

فریادرس بے چارگان:

لیکن اگر اس حال میں انسان اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو، اسے اپنی بے بسی و بے چارگی کا واسطہ دے کر شیطان سے اس کی پناہ طلب کرے اور اس کے مقابلے کی طاقت مانگے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی فریاد سنے گا اور اسے دشمن پر غالب آنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے گا۔ (أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذا دَعاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوءَ) اللہ تعالیٰ بیچاروں کی فریاد سنتا ہے اور انہیں مصیبت سے نجات دیتا ہے۔

سید سجاد علیہ السلام کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

"وَ لا يُجِيرُ مِنْ عِقَابِكَ إِلَّا رَحْمَتُكَ، وَ لَا يُنْجِينِي مِنْكَ إِلَّا التَّضَرُّعُ إِلَيْكَ وَ بَيْنَ يَدَيْكَ" تیرے عذاب سے مجھے صرف تیری رحمت بچاسکتی ہے یا میری عاجزی وزاری نجات دے سکتی ہے۔(صحیفہ سجادیہ:دعائے جمعہ)

ایک دوسری عادمیں عرض کرتے ہیں:"نَحْنُ الْمُضْطَرُّونَ الَّذِينَ أَوْجَبْتَ إِجَابَتَهُمْ، وَ أَهْلُ السُّوءِ الَّذِينَ وَعَدْتَ الْكَشْفَ عَنْهُمْ" ہم وہ بے بس ہیں جنکی فریادرسی تونے خود پر واجب فرمائی ہے اور وہ مصیبت زدہ ہیں جنکی نجات کا تونے وعدہ فرمایا ہے۔

پھر ایک دعا کی الفاظ یوں ہیں:

"قَدْ مَلَكَ الشَّيْطَانُ عِنَانِي فِي سُوءِ الظَّنِّ وَ ضَعْفِ الْيَقِينِ، فَأَنَا أَشْكُو سُوءَ مُجَاوَرَتِهِ لِي، وَ طَاعَةَ نَفْسِي لَهُ، وَ أَسْتَعْصِمُكَ مِنْ مَلَكَتِهِ، وَ أَتَضَرَّعُ إِلَيْكَ فِي صَرْفِ كَيْدِهِ عَنِّي."

بدگمانی اور صعف یقین کی وجہ سے شیطان نے میری مہارت لی ہے میں اس کی بڑی ہمسائیگی سے نالاں ہوں اور قریاد کرتا ہوں میرا نفس اس کی اطاعت میں قید ہوگیا ہے، اس کے تسلط سے میں تیری پناہ کا طالب ہوں اور عاجزانہ لتجاء کرتا ہوں کہ اس دام فریب سے مجھے رہائی عطا فرما۔

عجز ونیاز بدرگارہ ایزدی:

شر شیطان سے نجات کا تنہا ذریعہ بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری ہے اور اللہ تعالیٰ عاجزی سے فریاد کرنے والے کی ضرور دستگیری فرماتاہے۔ارشاد ب العزت ہے:۔

(فَلَوْ لا إِذْ جاءَهُمْ بَأْسُنا تَضَرَّعُوا وَ لكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطانُ ما كانُوا يَعْمَلُون) پھر ان سختیوں کے بعد انہوں نے کیوں فریاد نہیں کی بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہوگئے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے آراستہ کردیا ہے۔

یعنی اگر گرفتار بلا ہوتے وقت اللہ تعالی و یاد کرتے اور خود کو اس کا محتاج و نیاز مند سمجھ کر اس کے حضور عاجزی اورزاری کرتے تو وہ ضرور انہیں نجات بخشتا لیکن شیطان نے ان کو یاد سے باز رکھا اور وہ شہوات نفسانی میں سرگرم ہو گئے.

جو شخص اللہ تعالیٰ کو فراموش کردیتا ہے، حصول منفعت اور دفع مضرت کے لئے صرف اسباب پر بھروسہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع وزاری کو غیر ضروری سمجھتا ہے وہ بوقت مصیبت اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم ہوجاتا ہے اپنے دشمن کے شر سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتا.

سرگذشت یوسف علیہ السلام :

حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان اور آپ کا زلیخا کے ساتھ خلوت میں گرفتار ہوجانا اہل نظر کے لئے ملحہ فکریہ مہا کرنے والا واقعہ ہے. زلیخا کے دام تیز و تیر سے بچنے کے لئے آپ انتہائی بے بس کے عالم میں اللہ تعالیٰ کے حضور پناہ طلب ہوئے اور ذات باری تعالی نے انہیں عجیب طریقے سے نجات بخشی اور قرآن مجید کا ایک پورا سورہ ان کے ذکر کے لئے مخصوص فرمایا تاکہ مسلمان اس سے نصیب و عبرت حاصل کریں. اور مصیبت کے وقت ان کے نقش قدم پر چل کر نجات پاسکیں یہ سورۂ شریفہ سعادت اور نیک بختی تک پہنچنے کے لئے ایک رہنما دستور ہے. اللہ تعالیٰ نے ایسی داستانوں کو صاحبان عقل کے لئے وجہ عبرت بنایا ہے. (لَقَدْ کانَ فی قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِی الْأَلْباب) یقینا ان کے واقعات میں صاحبانِ عقل کے لئے سامان عبرت ہے.(یوسف:111)

مناسب ہے کہ داستان یوسف علیہ السلام کے اس موضوع سے متعلق حصے کا مختصر ذکر کیا جائے.

عشق کے سامنے بے بس:

ہر چند کہ یوسف علیہ السلام بظاہر عزیز مصر کے زرخرید غلام تھے لیکن حسن صورت، پروقار شخصیت اور عظمت کرداری کی وجہ سے عزیز مصر کی نظروں میں بہت مکرم و محترم تھے عزت و اکرام کے ساتھ قصر شاہی میں رہتے تھے اور وہیں سن رشد کو پہنچے اور جوان ہوئے عزیز نے اپنی ملکہ زلیخا سے ان کے بارے میں نیک رفتاری کی سفارش کی ہوئی تھی.

زلیخا اپنے شوہر کی سفارض کے علاوہ بھی ان کے حسن و جمال اور خوش سیرتی کی وجہ سے ان پر فریفتہ تھی اور انہیں بہت محبوب رکھتی تھی اور جب وہ جوان ہوئے تو ان پر مرمٹی اور اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی اور ان کے عشق میں دیوانی ہو گئی محبت کا طوفان سلطنت کے رعب وجلال کو خس وخاشاک کی طرح بہالے گیا اور وہ اپنے نام نہاد غلام کے آگے بے بس ہو گئی. اور ہر لحظہ وصال کی تدبیروں میں مصرف رہنے لگی لیکن جتنی بھی اس نے کوشش کی کہ دلربایا نہ کہ شموں، شہوت انگیز اشاروں اور اپنے

حسن کی نمائش سے یوسف علیہ السلام کے دل کو شکار کرلے کامیاب نہ ہو سکی اور آپ کی طرف سے اسے خاموشی اور بے التفاتی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا.

دلدادہ حسن حقیقی:

حضرت یوسف علیہ السلام شہوات حیوانی سے آزاد و بے نیاز اور عشق خداندی سے سرشار تھے اور حسن مطلق کے نظاروں میں اتنے وارفتہ تھے کہ جزئ، عارضی اور فانی حسن سے متاثر نہیں ہو سکتے تھے.

زلیخا ان کی ترغیب و تحریص کی انتہائی کوششوں میں شکست فاش کھا کر بے تاب ہو گئی اس میں تاب صبر و شکیبا نہ رہی اور جذبات کے ہاتھوں لاچار ہو کر اس نے آخری قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا.

اپنے محل کے ایک دوسرے کے ساتھ ملحق کمروں میں سے آخری کمرے کو اس نے تخلیہ گہ بنایا اور اسے انتہائی زینت و آرائش دیکر اس میں شہوت انگیزی کے پورے محرکات مہیا کئے پھر خود کو انتہائی حسن اور جوانی کے بھرپور جوبن میں تھی شہوت انگیزانہ انداز میں پورے آراستہ کر کے کمرے کے پردے لٹکادیے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا. اسے پورا یقین اور عتماد تھا کہ یوسف علیہ السلام آج ضرور اس کے حسن کی چکاچوند سے مسحور ہو جائیں گے اور اس کی خواہش کی تکمیل سے سرتابی نہ کر سکیں گے. اور پھر وہ اس کے زرخرید غلام بھی تو تھے.!

آپ کے داخل ہوتے ہی اس نے کمرے کے دروازے بند کرلئے اور اپنا آپ پوری اشتغال انگیزیوں اور عنائیوں کے ساتھ انہیں پیش کیا اور پھر حاکمانہ انداز میں انہیں کہا "وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَقَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ "آو میر خواہش پوری کرو.

اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں:

اس مقام پر یوسف علیہ السلام کے حال پر غور کریں کہ آپ کتنی بڑی ہلاکت، تباہ کن حادثے سے دوچار اور کتنے عظیم الشان اور سخت امتحان میں بتلا ہو گئے تھے. ایک طرف حسن و شباب سے کمک یافتہ صف بستہ فطری حیوانی تقاضے، شہوانی انگیختیں اور دشمن صبر و شکیب ماحول اور دوسری طرف عزیز مصر کی خوبرو بیوی کی بے باکانہ و بے تکلفانہ ارو مالکانہ تحکم کے ساتھ بے دریغ دعوت گناہ اور کسی مانع کی غیر موجودگی سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت وقدرت کے سوا کوئی بچانے والا نہیں تھا.

لیکن یوسف علیہ السلام کہ جن کا دل ایمان باللہ سے لبریز اور اس کی محبت میں سرشار ہے، مخلوق کی شریر خواہش کو خاطر میں نہیں لاتے اور اس لغزش ناک حادثہ سے ان کا پائے ثبات متاثر نہیں ہوتا خود کو پوری شعوری کوشش سے قابو میں رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور شیطان کے اس شر عظیم سے پناہ طلب ہوتے ہیں.

اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کا استعاذہ:

اس مقام پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: (قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ) (یوسف :23) یوسف نے کہا کہ معاذ اللہ وہ میرا مالک ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے اور ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے.(نہ تو ہے اے زلیخا اور نہ تیرا شوہر)وہی میرے جملہ امور کا مالک ہے اس نے میرے مقام کو عزت بنایا اور مجھے خوش بخت اور نجات یافتہ قراردیا وہ ظالموں کو کبھی سرخرو نہیں کرتا).یعنی تیری اور تیرے شوہر کی طرف سے میراا کرام واحترام اور عزت افزائی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی مشئیت وتدبیر سم ہے اور اسی نے تم لوگوں کو اس پر مائل فرمایا ہے لہذا مجھے اسی کی فرمابرداری اور اطاعت کرنی چاہئے اور تیرے دام فریب حسن سے نجات پانے کے لئے اسی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور چونکہ تیری خواشہ شیطانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو مستلزم ہے لہذا مجھ سے ہرگز پوری نہ ہوگی.کیونکہ اس منعم حقیقی کے اتنے احسانات کے بعد جو اس نے بلاواسطہ یا تم لوگوں کے ذریعت سے مجھ پر فرمائے ہیں اس کے احکام سے سرتابی بہت ظلم ہے جو مجھ سے ہرگز سرزد نہ ہوگا کیونکہ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور وہ نجات سے قطعا محروم رہیں گے.

حقیقی پناہ گاہ:

یوسف علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اور اس کے عاشق صادق تھے اس پر لغزش حادثے پر اللہ تعالیٰ کے حصور پناہ طلب ہوئے اور اسی سے اس شر عظیم کے دفعیئے کے لئے مدد خواہ ہوئے ذات باری نے بھی ان کے نورایمان ومعرفت سے پردل کو ایسی قوت بخشی کہ نہ صرف یہ کہ وہ گناہ کے نزدیک نہ گئے بلکہ اس کے قصد وارادہ سے بھی محفوظ رہے ارو زلیخا کی تمام ترہیجان انگیز کوششیں، ایمان وتقویٰ شکن تدبیریں مالکانہ تحکم، کوئی حربہ بھی ان پر کارگر نہ ہوا بلکہ اس کے شر سے بچنے کے لئے وہ دروازے کی طرف دوڑے.زلیخا نے ان کا پیچھا کیا لیکن آپ اس سے پہلے دروازے تک پہنچ گئے. مست مے شہوت زلیخا نے آپ کا قمیص پکڑلیا تاکہ آپ کا ہاتھ دروازے تک نہ پہنچ جائے.اس کھینچاتانی میں آپ علیہ السلام کے تعاقب میں دوڑی لیکن رستے میں عزیز مصر کھڑا تھا...

زلیخا نے پہلی کرتے ہوئے خود کو شوہر کے سامنے بے گناہ ثابت کرنے کے لئے یوسف علیہ السلام پربدنیتی اور دست درازی کا الزام لگادیا .اور عزیز سے آپ کی سزایا قید کا مطالبہ کیا.

اب یوسف علیہ السلام کو حقیقت بتانی پڑی .آپ نے عزیز مصر کو بتادیا کہ خود زلیخا کا اردہ انکے ساتھ بدی کا تھا.

پنگوڑے میں موجود ایک شیر خوار بچے کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی اس نے کہا اگر یوسف کا قمیص آگے سے پھٹا ہم تو یوسف قصوروار ہیں اور اگر وہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا مجرم ہے۔ یہ گواہی یوسف علیہ السلام کے حق میں گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصیبت سے نجات دی۔ (كَذلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَ الْفَحْشاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبادِنَا الْمُخْلَصينَ)یوسف:24) یہ تو ہم نے اس طرح کا انتظام کیا کہ ان سے برائی اور بدکاری کا رخ موڑ دیں کہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔

مزید امتحان:

اشراف مصر کی چند بگیات نے زلیخا کو ایک غلام کے عشق میں متبلا ہوجانے پر ملامت کی زلیخانے ان پر یہ ثابت کرنے کی تدبیر کی کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں بلکہ یوسف کے مردانہ حسن وجمال کے سامنے کوئی بھی مغرور سے مغرور عورت اپنے ہوش وحواس قائم نہیں رکھ سکتی، اور اگر وہ خود بھی انہیں ایک نظر دیکھ لیں گی تو ان کا ساراغرور حسن خاک میں مل جائے گا اور وہ یوسف کے عشق میں اندھی ہوجائیں گی۔

اس نے سب ملامت کرنے والیوں کی دعوت کی اور ضیافت کے عین درمیان یوسف علیہ السلام کو بلا بھیجا جب آپ آئے تو انہوں نے آپ کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں ہوش وحواس کھودے اور ان کے عشق میں بتلا ہوکر اسقدر بد حواس ہوگیئں کہ ہاتھوں میں پکڑی ہوئی نارنجیوں کو کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھ زخمی کرلئے یہاں یوسف علیہ السلام پر ابتلاء سخت تر ہوگئی۔ اگر پہلے صرف زلیخا کا سامنا تھا تو آپ محفل ضیافت میں موجود تمام حسین وجوان عورتوں کے چنگل میں پھنس گئے کیونکہ انہوں نے بھی آپ سے زلیخا ہی والا مطالبہ کردیا۔آپ نے بے بس ہوکر اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع و زاری کی کہ اے پروردگار ان عورتوں کے شر سے مجھے محفوظ فرما اگر تونے(میرے نور علم اوریقین قلبی کو) نہ بچایا تو میں اس دام میں پھنس کر جاہلوں میں سے ہوجاوں گا۔ (وَ إِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَ أَكُنْ مِنَ الْجاهِلِين) اور اگر تو ان کے مکر کو میری طرف سے موڑ نہ دے گا تو میں ان کی طرف مائل ہوسکتا ہوں اور میرا شمار بھی جاہلوں میں ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شر شیطان سے اپنی پناہ میں رکھا اور آپ کے دل کو نوریقین سے ایسی قوت عطا فرمائی کہ وہ ان سب پر غالب آئے اور ان کا فریب ناکام ہوا حتی کہ آپ زندان خانے میں جانے کے لئے توتیار ہوگئے لیکن ان عورتوں کی خواہش کے آگے نہیں جھکے (. فَاسْتَجابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّميعُ الْعَليمُ) تو ان کے پروردگار نے ان کی بات قبول کرلی اور ان عورتوں کے مکر کو پھیر دیا کہ وہ سب کی سننے والا اور سب کا جاننے والا ہے(فریادیوں کی فریاد سنتا ہے اور پوشیدہ امور کا دانا ہے)۔

داستان عبرت:

اگر اس داستان کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتا ہے، جب بھی اس پر ہوائے نفس یا شیاطین جن و انس کے وسوسوں کا غلبہ او ردباؤ ہو اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کین نافرمانی پر اکسائیں تو وہ اپنے پزوردگار کے حضور پناہ کا طالب ہوگا اور اس سے شر شیطان سے نجات کی دعا کرے گا. اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نواز تے ہوئے اس شر سے اس کی حفاظت فرمائے گا.

اس بحث کے خاتمے پر ہم آپ کو جناب امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی ایک سفارش کی طرف متوجہ کرتے ہیں.

استعاذہ علی علیہ السلام :

نوف بکالی کہتے ہیں میں نے جناب امیر علیہ السلام کو دیکھا کہ شہر سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے صحراء کو تشریف لے جارہے ہیں میں نے عرض کیا مولا کہاں کا ارادہ ہے تو آپ نے فرمایا اے نوف مجھے جانے دے میری تمنائیں ارو احتیاجات مجھے محبوب حقیقی کی طرف بلارہی ہیں.

میں نے عرض کیا مولا آپ کی آرزوئیں کیا ہیں. تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو میری امید وآرزو کا مرکز ہیں وہ خود انہیں خوب جانتا ہے اور اس کے غیر کو ان کا بتانا ضروری نہیں اور با ادب بندے کو نہ چاہئے کہ اپنی ینازمندیوں کے بارے میں کسی دوسرے کو اپنے پروردگار کے ساتھ شریک ٹھہرئے.

پس میں عرض کیا اے امیر المؤمنین علیہ السلام میں اپنے آپ میں اندیشہ ناک ہوں کہ ہر وقت دنیا اور مال دنیا کے جمع کرنے اور اپنی توجہات کو دنیا کے نمود و نمائش پر مرکوز کرنے میں سرگرم رہنے کی وجہ سے سعادت اخروی سے محروم نہ ہوجاؤں.

آپ نے فرمایا: اس رب کریم کے دامن رحمت سے وابستہ ہو جو خوفزدوں کا محافظ او ر عارفوں کی پناہ گاہ ہے.

میں نے عرض کیا مولا: اس کی بارگاہ کرم تک میری زہنمائی فرمایئے.

آپ نے فرمایا:

وہ خدا رحیم وبزرگ وبرتر کسی کو مایوس نہیں کرتا پس صدق دل اور پورے عزم وارادہ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو تاکہ اس کے فضل عمیم اور لطف کریم سے تو اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرے.

(بحار الانوار: جلد19، کتاب الدعا، باب ادعیۃ المناجاۃ)

(اللھم صلی علی مُحَمَّد و آلہ الطاھرین)

فہرست

مقدمہ: 4

حقیقی پنا صرف وہی دے سکتا ہے جو خود نجات یافتہ ہو. 4

مجلس 1 6

قرآن و اخبار میں استعاذہ کی اہمیت: 6

عبادت کی ابتدا میں استعاذہ: 6

مباح امور میں استعاذہ کی تاکید: 7

شیطان مسجد کے دوازے پر: 7

گھر سے نکلتے وقت استعاذہ: 7

پیغمبر اکرم ﷺ کو استعاذہ کا حکم: 8

اللہ تعالی نے بنی ﷺ کو حکم دیا: 8

پوری عمر شیطان کی تھی: 9

حکومت- نامحرموں سے خلوت- غصہ: 9

مجلس 2 11

دام شیطان: 11

صدقہ کر کے اسے جتاؤ نہیں: 12

شیطان کی نظر دل پر ہے: 12

شیطان کیا ہے وہ کیوں پیدا کیا گا:؟ 13

شیطان شناسی کا کیا فائدہ ہے: 13

شیطان آگ سے خلق ہوا ہے اور لطیف مخلوق ہے: 13

شیطان آپ کو دیکھتا ہے: 14
شیطان کی خلقت اور انسان کی سعادت: 14
شیاطین کی تخلیق کا مقصد انسان کی آزمائش ہے: 15
اللہ کا وعدہ اور شیطان کا وعدہ: 16
صدائے رحمانی اور صدائے شیطانی: 16
شیطان کسی کو مجبور نہیں کرتا: 16
مجلس3 18
ابلیس کی حاسدانہ روش: 18
حاسد اور متکبر کا جنت سے کوئی واسطہ نہیں: 18
ابلیس کی خواہش پوری ہوگئی: 19
ملائکہ میں بھی الہام کی طاقت ہے: 19
دوراہے پر: 20
توبہ کا دروازہ کھلا ہے: 20
رحمت کا دامن آخری دم تک وسیع ہے: 21
حسن بصری کا سوال امام زین العابدین علیہ السلام کا جواب: 21
موت سے پہلے بیماری کو ورود نعمت ہے: 21
مجلس 4 22
شر شیطان سے بچاؤ کی صورت صر استعاذہ ہے: 22
خیمہ سلطان اور خونخوار کتا: 22
استعاذہ دل سے ہو نہ کہ زبان سے: 23

استعاذہ کی تین قسمیں: 23
اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں پناہ طلبی: 23
شیطان کے رد میں شیطانی تصنیف: 24
استعماری طاقتوں کی سیاست: 24
استعاذہ کی حقیقت گناہ سے فرار ہے: 25
ہاتھ شیر کے منہ میں اور پیروں سے فرار: 25
سچا خواب اور شیطان کا دام فریب: 26
ارکان پنجگانہ استعاذہ 27
مجلس5 27
لفظ سے مفہوم واضح ہونا چاہیئے: 27
رکن اور جو شیطان لعین سے فرار ہے، تقویٰ پر مبنی ہے 27
شیطان پرہیزگاروں سے دور بھاگتا ہے: 28
توکل اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیئے: 28
شیطان کا اہل اخلاص سے کوئی تعلق نہیں: 29
کیا ہم تقویٰ اور تذکر کی صلاحیت رکھتے ہیں: 29
حرام خوری سب سے برا مانع استعاذہ فعل ہے: 29
جب تک حرام کے آثار برطرف نہیں ہوتے استعاذہ ممکن نہیں: 30
مشکوک و مشتبہ غذا سے پرہیز: 31
مجلس6 32
لقمۂ حرام کی پہچان: 32

آیت کے مفہوم سے استعاذہ کی عمومیت: 33

نانبائی کا تنور اور شیطانی راگ: 33

ہم بے بس اور مجبور ہیں: 33

خوارک کی طہارت و نجاست: 34

مجلس7 35

شیطان سے دشمنی رکھو: 35

کیا شیطان سوتا ہے: 35

آپ کو مسلح رہنا چاہیئے: 35

مومن کا اسلحہ مستحبات اور ترک مکروہات: 36

شیطان تدریجا اپنے جملوں میں شدت لاتا ہے: 36

وضو مومن کا تیز دھار اسلحہ ہے: 36

روزہ اور صدقہ سے شیطان کی کمر ٹوٹتی ہے: 37

میں نے شیطان کی ماں کو دیکھا: 37

توبہ بھی ایک طاقتور ہتھیار ہے: 38

دوطاقتور شیطان کش ہتھیار: 39

ابلیس پائے امام سجاد علیہ السلام کو کاٹتا ہے: 39

شیطانی ہتھکنڈوں سے لوگوں کو آگاہ کرو: 40

بال سے باریک اور تلوار سے تیز: 40

امور آخرت بہ نیت دنیوی: 41

تین لاکھ کا فاصلہ: 41

رکن اول 42
تقویٰ.. 42
مجلس 8.. 42
تقویٰ استعاذہ کا پہلا رکن: 42
ترک مکروہات برای محرمات:.. 42
پرخار جنگل اور پابرہنہ مسافر: 43
دانہ ودام ابلیس: 43
تقویٰ دام ابلیس کو دیکھ لینے کی صلاحیت ہے:.. 43
کچھ ناگزیر مثالیں بازار دام شیطان ہے:.. 44
بازار میں داخلے کے وقت استعاذہ:.. 44
بازار کے اندر شیطان کا پھندا:.. 45
رفیق سفر خطرناک پھندا: 45
اپنے آپ کو پہچانئیے:.. 46
عورت سب سے خطرناک دام ہے: 46
عورت کی ہمنشینی گناہ کا مقدمہ: 46
برصیصائے عابد کا واقعہ:.. 47
مجلس 9.. 49
استعاذہ صرف تقویٰ کے ساتھ مفید ہے:.. 49
بے تقویٰ دل شیطان کا گھر:.. 49
مرغن غذا اور بھوکا کتا:.. 49

.بیمار دل شیطان کی ضیافت گاہ: 50
اکثریت گرفتار ہے:.. 50
چور نقیب کی فکر میں:.. 51
ابلیس خانہ دل کے گرد:.. 51
چنانچہ 51
خودکشی کیوں کی؟!:.. 52
استعاذہ کیوں کارگر نہیں؟: 52
موت کی یاد حقیقت نما ہے: 53
شہد کے گرد مکھیاں: 53
شیطان توبہ میں بڑی رکاوٹ ہے:.. 54
امام سجاد علیہ السلام کا اسوہ:.. 54
زمان غیبت میں دعائے غریق: 55
مجلس10 56
استعاذہ کیوں؟:.. 56
کارہائے خیر رہنمائے شر:.. 56
شر براہ خیر:.. 57
ترک واجب کے لئے مستحبات کی ترغیب: 57
عبادت سے نفرت کی اکساہٹ: 57
پروردگار دین میں بصیرت عطا فرما: 58
شیطان کا فضا میں قیام نماز:.. 58

مجلس11 61
شیطان محرک افعال:.. 61
انبیاء علیہ السلام سے بھی باز نہیں آتا:.. 61
حضرت مسیح علیہ السلام کی شیطان لعین سے گفتگو:.. 62
ابراہیم علیہ السلام اور شیطان کی وسوسہ اندازی: 62
ابلیس ایمان کی آزمایش: 63
حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شیطان کی وسوسہ اندازی: 63
کیاہم نے بھی کبھی شیطانت کو دھتکارا ہے:... 64
عظیم ترکون؟: 64
گریہ ابراہیم علیہ السلام : 65
مجلس12 66
اس آیہ شریفہ میں حقیقت استعاذہ:.. 66
دعائے حضرت امام سجاد علیہ السلام : 66
بتی بجھانے والاچور:... 67
خانہ دل میں چور: 67
حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے بچئے:... 67
ذوالکفل کاپیمان:... 68
شیطان مدد طلب کرتاہے:... 68
شیطان کادق الباب:... 69
شیطان عاجز ہوگیا:.. 69

بے تقویٰ دل میں ذکر الہیٰ کا الٹا اثر ہوتا ہے: 70
مجلس13 71
تقویٰ مشق سے پیدا ہوتا ہے: 71
ترک مشتبہات: 72
ترک مکروہات: 72
ترک حرام کی غرض سے ترک مباح: 72
رمضان کے لئے روزانہ ایک پیسہ: 73
ترک واجب کا سبب سفر: 73
مادی وسعت: 74
رکن دوم 75
تذکرّ 75
مجلس14 75
خیال گناہ و یاد خدا: 75
ذکر شیطانی وسوسہ سے نجات دیتا ہے: 76
غیظ و غضب کی حالت میں شیطانی وسوسہ: 77
حزقیل کی عبرت: 78
دو مٹھی خاک کا بستر: 79
قبروں پر جانا چاہئے: 79
جناب زہرا علیہا السلام شہدائے احد کی قبور پر: 80
مجلس15 81

یقینی طور پر اچھی چیزیں (ہدایت والے امور): 81
قطعی طور پر برے کام (گمراہ کن امور): 81
شبہ کے مقامات (ہدایت اور گمراہی کے درمیانی امور): 82
احتیاط ضامن نجات ہے: 82
کسوٹی: 82
استخارہ تردد میں رہنمائی کرتا ہے: 83
بعض لوگ استخارے کو غلط سمجھے ہیں: 83
قبر مقدس نبی ﷺ پر جناب امام حسین علیہ السلام کا استخارہ: 83
استخارہ تسبیح یا قرآن مجید سے: 84
حکایت عجیب درباره استخاره: 84
قرآن استخارہ کے لئے نہیں نازل ہوا: 85
قرآن سے فال لینا درست نہیں: 85
استخارہ کے بارے میں تصنیفات: 85
جاننا چاہیئے کہ استخارہ کی چند اقسام ہیں: 86
استخارہ کے بارے میں واضح تاکیدات: 86
ہر امام نے دوسرے امام کو استخارہ کی اتنی ہی تاکید فرمائی ہے جتنی قرأت قرآن کی. 87
رفع حیرت کے لئے مشورہ: 87
ائمہ علیہم السلام مشورہ کرتے تھے: 88
استخارہ ذات الرقاع (پرچیوں سے استخارہ): 88
دوسروں کے لئے استخارہ: 89

رکن سوم 90

توکُل 90

مجلس 16 90

توکل .توحید افعالی کالازمی جزو: 90

اسباب کی پیروی اللہ کے بھروسے پر: 90

وکیل پکڑنا ضروری ہے: 91

متوکل سے شیطان دور بھاگتا ہے: 91

واقعہ کربلا کے بعد ابن زبیر کا خروج: 91

امام زین العابدین علیہ السلام اور نورانی وجود: 92

تسکین قلب کے لئے ہمکلامی: 93

امام حسین علیہ السلام کی علی اکبر علیہ السلام سے گفتگو: 93

مجلس 17 94

توکل علم حال اور عمل کا نتیجہ ہے: 94

دانائی اور بندوں پر شفقت: 94

نبی علیہ السلام نے کبھی لعنت نہیں فرمائی: 95

خدائی شفقت کا نمونہ: 95

لوگ خود جہنم کے طلبگار ہیں: 96

بلی کے بچے پر شفقت: 96

شیطان کو متوکلین سے کیا سروکار: 97

دوستان خدا کو شیطان سے کوئی اندیشہ نہیں: 97

گھاس کا تنکا:... 98
عقبیٰ میں بھی اللہ پر توکل لازم ہے:.. 98
مجلس 18.. 99
توکل میں توحید: 99
اللہ تعالیٰ پر توکل عقلاً واجب ہے:... 99
متوکل ہونا کیسے ممکن ہے: 99
توحید افعال پر پورا یقین ضروری ہے: 100
پانی پینے کا عمل ملاحظہ ہو: 100
لباس بھی اس کا دیا ہوا ہے:...100
دفع ضرر بھی اسی کی طرف سے ہے:...101
طبیب یا قاتل:...101
جملہ امور میں ارادہ الٰہیٰ غالب ہے: 101
وسیلہ بھی ضروری ہے:..102
توکل علم کا نتیجہ ہے:..102
نعم الوکیل:...102
متوکل غیر اللہ سے بے خوف ہے:..103
غیر اللہ سے امید رکھنے والا ناکام رہتا ہے: 104
ہمیں اسباب نے اندھا اور بہرا کردیا ہے:..104
توکل کے مراتب ہیں: 105
توکل کی کیفیت دائمی ہونی چاہیئے:...105

مجلس 19 106
رنج وراحت اللہ کی طرف سے ہے:...106
علم کے بغیر عقیدہ توحید افعالی نہیں:...106
منہ کھل کے بند نہیں ہوا:...107
سورۂ توحید کی اہمیت:...107
ابراہیم خلیل اللہ متوکلین کے لئے سرمایہ افتخار ہیں: 107
کیا ہم نے کبھی سچ بولا؟: 108
متوکل لالچی نہیں ہوتا:..108
وکیل کی اطاعت ضروری ہے:..108
خالی دوکان میں اللہ کے سہارے: 109
بے کار جوان خدا کا دشمن ہے:...110
اہل علم کی روزی غیب سے!: 110
توکل اسباب پر منحصر نہیں:..110
ضعف ایمان کی باتیں: 111
توکل کا حصول واجب ہے: 111
مشورہ اور توکل:..112
توکل نہیں تو ایمان نہیں: 112
ادّعا بازر سوا ہوتا ہے:..113
پس محض اپنے فہم پر بھروسہ نہ کریں:...113
مجلس 20...114

اسباب کی حقیقت:..114
استخارہ اور توکل:..115
سب کچھ مشئیت ایزدی سے ہے:..115
خطرے میں توکل:..116
جاہلانہ توکل:..116
صادق آل محمد علیہ السلام اور شیر:..116
توکل کے دیگر مفہوم:..117
سبب کا وجود مستقل نہیں ہے:..117
غیر خدا کو پکارنا:..118
مجلس 21..119
توکل علم توحید کا لازمہ:..119
الفاظ اور حقیقت میں بڑا فرق ہے:..119
امور کی تفویض:..120
کیا قرآن مجید کلام الہیٰ نہیں؟..120
آیات توحید میں غور وفکر:..120
فقہ اور توحید:..122
تقویٰ اور توحید:..122
ایمان حقیقی:..122
حرص سم بچو:..123
بے نیاز کی طرف بازگشت:..123

حبیب ابن مظاہر فقیہ تھے:..124
مجلس 22..125
توکل ایمان کا لازمہ ہے:..125
اسباب بمقابلہ مشیئت:..125
عبد الملک اور مرض استقاء:..126
اصحاب فیل:..127
یقین کی حد توکل ہے:..127
شاہین اور اسیر:..128
مجلس 23..130
امور آخرت میں توکل:..130
اخلاقی سعادت کے اسباب:..130
صرف عمل پر تکیہ ہلاکت کا موجب ہے:..131
عمل اور رحمت خداوندی:..131
عجیب حادثہ:..132
محروم تکلم:..132
نور یقین کسبی نہیں ہے:..132
اللہ تعالیٰ بندہ پرور ہے:..133
رکن چہارم..134
اخلاص..134
مجلس24..134

عمل اور خلوص نیت:..........134
دوراہے پر:..........135
قعر جہنم یا درجات بہشت:..........135
اس میں آپ ہی کی بہتری ہے:..........136
شیطان کے کلیجے میں ٹھنڈک:..........136
جہاد اکبر:..........136
شاکلہ اور شریعت:..........137
آداب زناشوئی:..........138
جناب زہرا سلام اللہ علیہا:..........138
مجلس 25..........141
عمل نیت سے ہے:..........141
عبادت میں قصد قربت:..........141
نبی ﷺ کی دعائے بارش:..........142
بے خلوص ظاہرداری:..........143
حمد اور شکر نعمت:..........143
بے بنیاد دعویٰ:..........143
فریب جائز نہیں:..........144
دل کی اصلاح ضروری ہے:..........144
جنگ جمل اور اصحاب علی علیہ السلام:..........145
اللہ تعالیٰ صدق نیت عطا فرمائے:..........145

مجلس 26 146
دشمن ایمان و عمل: 146
اخلاص کمال توحید ہے: 146
بہت سے لوگ اخلاص کے مدعی ہیں: 147
شیطان کی فریاد: 148
تین گروہوں کا حساب کتاب: 148
بلند ترین مراتب اخلاص: 150
مجلس 27 151
خلوص اور عمل خالص: 151
دنیاوی آبرو بھی اسی کے ہاتھ میں ہے: 151
مالک دینار کا قصہ: 152
بے فائدہ عبادت: 152
تحسین وآفرین خلق: 153
کیا مدح مفید ہے؟: 153
احمد بن طولون وقاری قرآن: 154
عالم کی عبادت: 155
باپ بیٹا: 155
مجلس 28 156
امید جنت وخوف دوزخ: 156
تیس سالہ عبادت کا اعادہ: 156

امراض نفسانی کا علاج کیجئے: 157
ریاء اور ذیلی محرکات سے توبہ: 157
کشتہ راہ خر: 158
ضمنی محرکات مبطل عمل نہیں: 159
خانہ کعبہ تپتی سرزمین پر: 159
زاد سفر: 159
خدا سے معاملہ: 160
مجلس 29 161
ضمنی محرکات کی وضاحت: 161
معاوضہ جائز نہیں: 161
کس برتے پر؟: 162
مقناطیس سے عجیب تر: 162
ناچیز کیا جھگڑتا ہے ناچیز کے لئے: 163
کام کی اجرت ہے ہی کتنی؟: 163
امید ثواب: 164
عاقل عمل پر نازاں نہیں ہوتا: 164
جگنو اور ہیرا: 165
جو کل ہوگا کردار کا پیش نامہ: 165
رکن پنجم 166
تضرع 166

مجلس30 166
تضرع کیفیت استعاذہ کالازمہ ہے: 166
ماثور دعاؤں کے ذریعے کیفیت تضرع کا بیان: 166
خدا اپنے بندوں کے لئے کافی: 167
آثار تضرع: 167
علامات سے دشمن کی پہچان: 168
شیطانی حملے: 168
لطیفہ: 168
شیطانی حملے کی علامت: 169
رحمانی فکر: 169
شیطانی فکر: 169
غور طلب افکار: 170
شیر فروش شیخ چلی: 170
ماضی یا مستقبل کا دکھ: 171
حسرتناک: 171
غم فردا: 171
فرشتہ مقابل شیطان: 173
1- نہی عن المنکر میں ارتکاب منکر: 173
2- اولاد کی دینی تربیت: 173
3- ریاکارانہ تلاوت: 174
4- منبر و محراب — بازی گاہ ابلیس: 174

5- زن بیگانہ کے ساتھ خلوت: 174

خیروشرکا میزان شرع مقدس ہے: 175

علاج استعاذہ حقیقی ہے: 175

قرآن مجید میں شیطان کی پہچان: 175

شیطان کی مخالفت بہت مشکل کام ہے: 176

عمر سعد اور شیطانی ورحمانی فکر: 177

شیطان کاکام شہوات پر اکسانا ہے: 177

فریادرس بے چارگان: 178

سید سجاد علیہ السلام کی دعا کے الفاظ یہ ہیں: 178

عجز ونیاز بدرگارہ ایزدی: 178

سرگذشت یوسف علیہ السلام: 179

عشق کے سامنے بے بس: 179

دلدادہ حسن حقیقی: 180

اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں: 180

اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کا استعاذہ: 181

حقیقی پناہ گاہ: 181

مزید امتحان: 182

داستان عبرت: 183

استعاذہ علی علیہ السلام: 183